فہم القرآن سیریز نمبر 1

پارہ 30

عَمَّ



سوال و جواب کی صورت میں

قرآن مجید کی ہر آیت کی وضاحت

نگہت ہاشمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُرآناً عَجَباً

نگہت ہاشمی

قُرآنًا عَجَبًا

نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

نام کتاب : "قُرْاٰنًا عَجَبًا" (پارہ 30)

مصنفہ : نگہت ہاشمی

طبع اول : اپریل 2009ء

طبع دوم : مارچ 2018ء

تعداد : 2100

ناشر : النور انٹرنیشنل

لاہور : H-102 گلبرگ III، نزد فردوس مارکیٹ، لاہور

فون نمبر : 0336-4033045, 042-35881169, 042-35851301

کراچی : گراؤنڈ فلور کراچی بیچ ریزیڈنسی نزد بلاول ہاؤس، کلفٹن بلاک III، کراچی

فون نمبر : 0336-4033034 - 021-35292341-42

فیصل آباد : A-121 فیصل ٹاؤن، ویسٹ کینال روڈ، فیصل آباد

فون نمبر : 03364033050, 041-8759191

ای میل : sales@alnoorpk.com

ویب سائٹ : www.alnoorpk.com

فیس بک : Nighat Hashmi, Alnoor International

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

قرآن مجید کو انسان کے قلب و ذہن اور زندگی میں اُتارنے کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جو طریقے اختیار کیے ہیں، اُن میں سے ایک اہم طریقہ سوال و جواب کا ہے۔ مثلاً سورۃ المدثر میں اللہ تعالیٰ سوال کرتے ہیں:

﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ﴾

''اور تمہیں کس نے خبر دی کہ دوزخ کیا ہے؟'' (27)

پھر اگلی ہی آیات میں جواب دیا جاتا ہے:

﴿لَا تُبْقِيْ وَ لَا تَذَرُ ۚ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۚ﴿۲۹﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾﴾

''نہ وہ باقی رکھے گی اور نہ وہ چھوڑے گی۔ کھال کو جھلسا دینے والی ہے۔ اُس پر انیس فرشتہ مقرر ہیں''

سورۃ البلد میں اللہ تعالیٰ خود ہی سوال اُٹھا کر جواب دیتے ہیں:

﴿وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۭ﴿۱۲﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ۙ﴿۱۳﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۙ﴿۱۴﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۙ﴿۱۵﴾ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۭ﴿۱۶﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾﴾

''اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟ کسی گردن کا چھڑانا یا کسی بھوک والے دن کھانا کھلانا، کسی رشتے دار یتیم کو یا خاک نشین محتاج کو، پھر یہ کہ وہ اُن لوگوں میں ہو جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو رحم کرنے کی نصیحت کی''

سوال آدھا علم ہے۔ سوال جب اُٹھایا جاتا ہے تو ذہن متوجہ ہو جاتا ہے پھر جب جواب آتا ہے تو اس کا اثر گہرا ہوتا ہے۔ نبی ﷺ کثرت سے اس طریقے کو استعمال فرماتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، انہوں نے بیان کیا:

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَالِهِ؟

قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا مِنَّا أَحَدٌ إِلَّا مَالُهُ أَحَبُّ إِلَيْهِ؟

قَالَ: فَإِنَّ مَالَهُ مَا قَدَّمَ، وَمَالُ وَارِثِهِ مَا أَخَّرَ (صحیح بخاری: 6442)

نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کون ہے جسے اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال پیارا ہو؟''
انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کو اپنا مال زیادہ پیارا نہ ہو۔''
آپ ﷺ نے فرمایا:

''بے شک اُس کا مال وہ ہے جو اس نے آگے بھیجا (یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا)

اور اس نے جو (مال) پیچھے چھوڑا، وہ اس کے وارث کا مال ہے۔''

ہر آیات میں غور وفکر کے بہت سے پہلو ہوتے ہیں لیکن انسان عام طور پر انہیں نظر انداز کر کے گزر جاتا ہے۔ یہ پہلو سوال کی صورت میں سامنے آئیں تو انسان رُک کر سوچتا ہے۔ سوال وجواب کے انداز میں سیکھنا زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔ انسان کو سوالوں کے جواب مل جائیں تو اطمینان ہو جاتا ہے اور دل جمتا ہے۔

قران حکیم کو سوال وجواب کی صورت میں **قُرْاٰنًا عَجَبًا** کے نام سے مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہر آیات کے اہم پہلوؤں کو سوال کی صورت میں اُٹھایا ہے اور نکات (Points) کی صورت میں ان کا جواب قرآن حکیم ہی سے لینے کی کوشش کی ہے۔ میں نے تجربہ کیا ہے کہ اس طرح اہم نکات (Tips) پر آجاتے ہیں، وہ نکات جن پر انسان عام طور پر یا تو سوچتا نہیں یا پھر ویسے ہی گزر جاتا ہے۔
قرآن مجید کو اِس انداز میں پڑھ کر ہر وہ شخص فائدہ اُٹھا سکتا ہے جو قرآن کے راستے کا مسافر بننا چاہتا ہے۔ اگرچہ سوال وجواب کے طریقے سے شعور بیدار ہوتا ہے لیکن ایک انسان کا علم محدود ہے، سمجھ محدود ہے، فرشتوں کی بات کو سامنے رکھیں تو اپنے علم کی حقیقت سامنے آتی ہے۔

﴿سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾

''آپ پاک ہیں جو آپ نے ہمیں سکھایا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ علم نہیں

یقیناً آپ ہی سب کچھ جاننے والے، کمال حکمت والے ہیں'' (البقرہ:32)

میں ان سب افراد کی بہت ممنون ہوں جن لوگوں نے اس کاوش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں میری مدد کی۔ قارئین سے درخواست ہے غلطیوں کی نشاندہی ضرور کریں۔ اگر اس سے کوئی بھلائی نصیب ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کرم سمجھ لیں، آخرت کی فکر لاحق ہو جائے تو دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ میری خطاؤں سے درگزر فرمائیں

دُعاؤں کی طلب گار

نگہت ہاشمی

ایاتھا ۴۰ | ۷۸ سُوْرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ ۸۰ | رکوعاتھا ۲

سوال 1: سورۃ النباء کب نازل ہوئی؟ اس کی کتنی آیات اور کتنے رکوع ہیں؟

جواب: سورۃ النباء مکی سورت ہے۔ اس کے دو رکوع اور چالیس آیات ہیں۔ مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے 78 ویں نمبر پر ہے اور ترتیب نزولی کے اعتبار سے اس کا نمبر 80 ہے۔

سوال 2: اس سورت کا نام النباء کیوں ہے؟

جواب: اس سورت کا نام آیت نمبر 2 سے ماخوذ ہے۔ اس سورت میں بڑی خبر یعنی قیامت اور بعث کا ذکر ہے۔ اس لیے اس کا نام النباء ہے۔ اس سورت میں قیامت اور موت کے بعد کی زندگی کے خوب صورت دلائل ہیں۔

سوال 3: سورۃ النباء کے بارے میں نبی ﷺ نے کیا ارشاد فرمایا؟

جواب: سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ آپ ﷺ بوڑھے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ کو سورۃ ہود اور واقعہ اور مرسلات اور عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا۔ (یعنی ان میں جو قیامت کی خبریں اور عذاب کی آیتیں ہیں ان سے میں بوڑھا ہو گیا ہوں) (جامع ترمذی: 3297)

رکوع نمبر 1

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ﴾

''کس چیز کے بارے میں وہ ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں'' (1)

سوال 1: ﴿عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ﴾ ''کس چیز کے بارے میں وہ ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿عَمَّ﴾ ''کس چیز کے بارے میں'' کس چیز کے متعلق۔

(2) ﴿يَتَسَآءَلُوْنَ﴾ ''وہ ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں'' قریش ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں۔

(3) یعنی لوگ کس بات کی کھوج لگانے اور کس چیز کی تحقیق کرنے میں مشغول ہیں؟ کیا پوچھنے سے بات ان کی سمجھ میں آجائے گی؟

(4) کفارِ مکہ قیامت کے بارے میں، قرآنِ مجید کے بارے میں، رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ

کچھ کرتے تھے۔

(5) کافر انکار کرنے اور مذاق اڑانے کے لئے ایمان والوں سے اور نبی ﷺ سے سوال کرتے تھے کہ وہ قیامت کب آئے گی؟ اس کے آنے میں دیر کیوں ہے؟

﴿عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ﴾

''بڑی خبر کے بارے میں'' (2)

سوال 1: ﴿عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ﴾ ''بڑی خبر کے بارے میں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ﴾ ''بڑی خبر کے بارے میں'' یعنی جس کے بارے میں وہ سوال کر رہے ہیں وہ بہت عظیم چیز ہے۔

سوال 2: بڑی خبر سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس سے مراد قیامت ہے یعنی کائنات کے خاتمے کے بعد انسانوں کا جی اُٹھنا۔ (2) اس سے مراد قرآنِ مجید ہے۔

﴿الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ﴾

''جس کے بارے میں وہ اختلاف کرنے والے ہیں'' (3)

سوال 1: ﴿الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ﴾ ''جس کے بارے میں وہ اختلاف کرنے والے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ﴾ ''جس کے بارے میں وہ اختلاف کرنے والے ہیں'' جس کے بارے میں لوگوں کے دو گروہ ہیں ایک مومن اور دوسرے کافر۔ کافروں کے اختلاف کے بارے میں مومن اللہ تعالیٰ کی خبروں پر یقین رکھتے ہیں۔ جب کہ کافر اختلاف کرتے ہیں۔

(2) کافروں کے اختلاف کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ﴾ ''اور انہوں نے کہا کہ یہی بس ہماری دنیا کی زندگی ہے اسی میں ہم مرتے ہیں اور ہم جیتے ہیں اور ہمیں زمانے کے سوا کوئی ہلاک نہیں کرتا حالانکہ اس بارے میں انہیں کوئی علم نہیں، وہ محض گمان کی باتیں کرتے ہیں''۔ (الجاثیہ:24)

(3) ﴿وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ﴾ ''اور جب کہا جاتا تھا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہوتی ہے؟ ہم تو ایک معمولی گمان رکھتے ہیں اور ہم پورا یقین کرنے والے نہیں ہیں''۔ (الجاثیہ:32)

(4) ﴿إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ﴾ نہیں ہے یہ مگر ہماری دنیا کی زندگی۔ہم یہیں مرتے اور جیتے ہیں اور ہم ہرگز اٹھائے جانے والے نہیں ہیں۔(المومنون:37)

(5) قیامت کے دور ہونے کی وجہ سے ان کا اختلاف بڑھ گیا ہے حالانکہ وہ ایسی خبر ہے جس میں کوئی شک کا امکان نہیں۔

﴿كَلَّا سَيَعْلَمُونَ﴾

''ہرگز نہیں! جلد ہی وہ جان لیں گے''(4)

سوال1: ﴿كَلَّا سَيَعْلَمُونَ﴾ ''ہرگز نہیں! جلد ہی وہ جان لیں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: موت کے بعد کی زندگی کو نہ ماننے والوں کے بارے میں فرمایا: ﴿كَلَّا سَيَعْلَمُونَ﴾ ''ہرگز نہیں! جلد ہی وہ جان لیں گے'' یعنی جب ان پر دنیا میں عذاب آئے گا۔ یا آخرت کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ تو انہیں علم ہو جائے گا کہ وہ کس چیز کو جھٹلاتے تھے۔

سوال2: جواب دینے کی بجائے یہ بات کیوں کہی گئی کہ جلد ہی وہ جان لیں گے؟

جواب: یہ بات ڈانٹ کے طور پر کہی گئی ہے کہ جلد ہی وہ جان لیں گے۔

﴿ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ﴾

''پھر ہرگز نہیں! جلد ہی وہ جان لیں گے''(5)

سوال1: ﴿ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ﴾ ''پھر ہرگز نہیں! جلد ہی وہ جان لیں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) موت کے بعد کی زندگی کو نہ ماننے والوں کے لئے تاکیدی دھمکی کے بارے میں قرآن میں مختلف مقامات پر رب العزت نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ (1) يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَارَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ (2)﴾ ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، یقیناً قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔ جس دن تم اُسے دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اس سے غافل ہو جائے گی جسے اس نے دودھ پلایا اور ہر حاملہ اپنا حمل ڈال دے گی اور آپ لوگوں کو مدہوش دیکھیں گے حالانکہ وہ مدہوش نہ ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہی بڑا سخت ہوگا۔(الحج:2،1)

(2) ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي ۖ لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ۚ ثَقُلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً ۗ يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ''وہ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کا قیام کب ہوگا؟ آپ کہہ دیں: ''یقیناً اس کا علم میرے رب ہی کے

پاس ہے۔اس کے وقت پر اس کے سوا اسے کوئی ظاہر نہیں کرے گا، وہ (حادثہ) آسمانوں اور زمین میں بھاری ہے، تم پر وہ اچانک ہی آئے گی۔ وہ آپ سے سوال کرتے ہیں گویا آپ اس کی پوری تحقیق کرنے والے ہیں۔ آپ کہہ دیں: ''بلاشبہ اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' (الاعراف:187)

﴿اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا﴾

''کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا'' (6)

سوال1: ﴿اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا﴾ ''کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا﴾ ''کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا'' کیا ہم نے تم پر انعام نہیں کیا کہ زمین کو تمہارے لئے نرم اور ہموار بنا دیا تا کہ تم اس پر کھیتی باڑی کرو، گھر بناؤ، ایک مقام سے دوسرے مقام تک سہولت سے چلے جاؤ۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ وہ جس نے تمہارے لیے زمین کو گہوارہ بنایا اور تمہارے لیے اس میں راستے بنائے تا کہ تم ہدایت پاؤ۔ (الزخرف:10)

﴿وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا﴾

''اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا''؟ (7)

سوال1: ﴿وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا﴾ ''اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا﴾ ''اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا'' یعنی ہم نے زمین کو ٹھہرانے کے لئے تم پر انعام کیا کہ اس پر پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تا کہ تم آرام سے زمین پر رہ سکو۔

﴿وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا﴾

''اور ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا'' (8)

سوال1: ﴿وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا﴾ ''اور ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا﴾ ''اور ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا'' یعنی ایک ہی جنس سے تمہارے جوڑے بنائے مرد اور عورت تا کہ تم ایک دوسرے سے سکون حاصل کرو اور تمہاری اولاد ہو۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ ''اور اُس کی

نشانیوں میں سے ہے کہ اُس نے تمہارے لیے تمہاری جنس ہی سے بیویاں پیدا کیں تا کہ تم اُن سے سکون حاصل کرسکو اور اُس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھ دی، بلاشبہ اس میں یقیناً اُن لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں'' (الروم:21)

(2) ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی سے اس کی بیوی پیدا کی اور اس نے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیئے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرکر رہو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتہ داری (کو بگاڑنے) سے بھی ڈرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ سے پورا نگہبان ہے''۔ (النساء:1)

﴿وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا﴾

''اور ہم نے تمہاری نیند کو باعثِ آرام بنایا'' (9)

سوال 1: ﴿وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا﴾ ''اور ہم نے تمہاری نیند کو باعثِ آرام بنایا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا﴾ ''اور ہم نے تمہاری نیند کو باعثِ آرام بنایا'' یعنی تمہاری نیند کو آرام اور راحت کا ذریعہ بنایا۔ یہ نیند ہے جو تمہارے کاموں کو منقطع کروا دیتی ہے۔ اگر وہ کام ہمیشہ جاری رہیں تو تمہارے بدن تکلیف میں آجائیں۔ کیا یہ خواب اور بے داری موت کے بعد کی زندگی کی نشانی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال کی دلیل نہیں؟

(2) نیند کی اس نعمت کے بارے میں قرآن مجید میں مزید مقامات پر رب العزت نے فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا﴾ ''اور وہی ہے جس نے رات کو تمہارے لیے پردہ پوش اور نیند کو آرام بنایا اور دن کو جی اُٹھنے کا وقت بنایا'' (الفرقان:47) ﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ ''اللہ تعالیٰ جانوں کو اُن کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی اُن کو سونے کے وقت اپنے قبضے میں لے لیتا ہے پھر وہ اُسے روک لیتا ہے جس پر اُس نے موت کا فیصلہ کیا اور دوسروں کو ایک مقرر وقت تک بھیج دیتا ہے، یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں'' (الزمر:42) ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور وہی ہے جو تمہیں رات کو وفات دیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کو وہ جانتا ہے پھر وہ اس (دن) میں تمہیں اُٹھا دیتا ہے تا کہ مقررہ مدت پوری کی جائے پھر اس کی طرف تمہاری واپسی ہے پھر وہ تمہیں اس کی خبر کردے گا جو تم عمل کیا کرتے

تھے۔'' (الانعام:60)

﴿وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا﴾

''اور ہم نے رات کو پردہ پوش بنایا'' (10)

سوال1: ﴿وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا﴾ ''اور ہم نے رات کو پردہ پوش بنایا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا﴾ ''اور ہم نے رات کو پردہ پوش بنایا'' جیسے آدمی کپڑا اوڑھ کر اپنے بدن کو چھپا لیتا ہے اسی طرح رات کی تاریکی مخلوق کی پردہ داری کرتی ہے اور جو کام چھپانے کے لائق ہوں عموماً رات کے اندھیرے میں کئے جاتے ہیں اور حسی طور پر بھی شب کو کپڑا اوڑھنے کی ضرورت دن سے زیادہ ہوتی ہے کیونکہ نسبتاً وہ وقت خنکی اور ٹھنڈک کا ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی:850/2)

(2) یعنی رات سیاہ چادر کی طرح سب پر چھا جاتی ہے جس میں لوگ اپنا کام چھوڑ کر آرام کرتے ہیں۔ (مختصر ابن کثیر:2175/2)

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى﴾ ''قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے!'' (الیل:1) شاعر بھی رات کو پردے سے تشبیہ دیتے ہیں۔

﴿وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا﴾

''اور ہم نے دن کو روزی کمانے کا وقت بنایا'' (11)

سوال1: ﴿وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا﴾ ''اور ہم نے دن کو روزی کمانے کا وقت بنایا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا﴾ ''اور ہم نے دن کو روزی کمانے کا وقت بنایا'' یعنی دن کو روزی کمانے کا وقت بنایا تا کہ لوگ اس میں اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کریں۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ﴾ ''وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تا کہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو روشن بنایا، اس میں یقیناً ان لوگوں کے لیے واقعتاً نشانیاں ہیں جو سنتے ہوں۔'' (یونس:67) (3) صبح کا اٹھنا قیامت کے بعد جی اٹھنے کی نشانی ہے۔

﴿وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا﴾

''اور ہم نے تمہارے اُوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے'' (12)

سوال1: ﴿وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا﴾ ''اور ہم نے تمہارے اُوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے'' اس آیت کی وضاحت

کریں؟

جواب:(1)﴿وَّبَنَیۡنَا فَوۡقَکُمۡ سَبۡعًا شِدَادًا﴾''اور ہم نے تمہارے اُوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے''رب العزت نے نظام شمسی کی جانب توجہ مبذول کروائی ہے کہ دیکھو کیسے مضبوط اور مزین سات آسمان بنا دیے ہیں۔

(2) یعنی تمھارے اوپر سات آسمان بنائے جو قوت، صلابت اور سختی کی انتہا پر ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کو تھام رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین کے لیے چھت بنایا۔(تفسیر سعدی:2898/3)

سوال2: آسمان کی مضبوطی کی کیا دلیل ہے؟

جواب: آسمان میں سے ہر ایک کا فاصلہ 500 سال کی مسافت جتنا ہے جو اس کی مضبوطی کی دلیل ہے۔

﴿وَّجَعَلۡنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا﴾

''اور ہم نے ایک بہت گرم روشن چراغ بنا دیا''(13)

سوال1:﴿وَّجَعَلۡنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا﴾''اور ہم نے ایک بہت گرم روشن چراغ بنا دیا''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَّهَّاجًا﴾ الوھج بمعنی سورج یا آگ کی بھڑک جس میں تپش بھی اور چمک بھی۔(تیسیر القرآن:583/4)

(2)﴿وَّجَعَلۡنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا﴾''اور ہم نے ایک بہت گرم روشن چراغ بنا دیا''یعنی سورج کی روشنی مخلوق کی ضرورت ہے۔اس کی تپش میں پھلوں کو پکانے کی قوت ہے۔اور اس میں دیگر منافع بھی موجود ہیں جس نے سورج بنایا اس کی قدرت پر غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ وہ جو اتنے بڑے جہان بنانے پر قادر ہے وہ موت کے بعد کی زندگی پر بھی قادر ہے۔

﴿وَّاَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡمُعۡصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا﴾

''اور ہم نے پانی بھرے بادلوں سے کثرت سے برسنے والا پانی اُتارا''(14)

سوال1:﴿وَّاَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡمُعۡصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا﴾''اور ہم نے پانی بھرے بادلوں سے کثرت سے برسنے والا پانی اُتارا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿الۡمُعۡصِرٰتِ﴾ سے مراد ہوا بھی ہے اور بادل بھی جو قطرہ قطرہ پانی برساتے ہیں۔

(2) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہوائیں چلتی ہیں، ادھر سے ادھر بادلوں کو لے جاتی ہیں اور پھر ان بادلوں سے خوب بارش برستی ہے اور زمین کو سیراب کرتی ہے۔(تفسیر ابن کثیر:481/5)

(3) وہ کون ہے جس کے حکم سے ہوا اپنی پیٹھ پر سمندر سے پانی کے مشکیزے بھر بھر کر فضا میں لا کر ان کے دھانے کھول دیتی ہے اور اس

پیاسی زمین کو سیراب کر دیتی ہے جس سے مردہ زمین جی اٹھتی ہے اور کل جہاں خاک اڑ رہی تھی آج وہاں طرح طرح کے پھل پھول مسکراتے نظر آتے ہی۔ کیا یہ زندگی، بعث بعد الموت نہیں؟ (تفسیر ابن کثیر: 2176/2)

(4) اللہ رب العزت نے فرمایا: ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ ''اللہ تعالیٰ وہ ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے تو وہ بادل اُٹھاتی ہیں پھر وہ جس طرح چاہتا ہے اُنہیں آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور انہیں ٹکڑوں میں تقسیم کر دیتا ہے چنانچہ آپ بارش کو دیکھتے ہیں کہ اُس کے درمیان سے نکل رہی ہے، پھر وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے بارش برساتا ہے تب وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔'' (الروم: 48)

(5) ﴿وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر اُس کے ذریعے زمین کو مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کیا، بلاشبہ اس میں یقیناً ان کے لیے نشانی ہے جو سُنتے ہیں۔'' (النحل: 65)

سوال 2: بکثرت پانیوں کا نازل کرنا کس چیز کی طرف توجہ دلاتا ہے؟

جواب: بکثرت پانیوں کا نزول توجہ دلاتا ہے کہ ربّ رحمٰن ہے جو انسانوں کو وافر رزق دیتا ہے اور بن مانگے دیتا ہے۔

﴿لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا﴾

''تا کہ ہم اُس کے ذریعے سے اناج اور پودے اُگائیں'' (15)

سوال 1: ﴿لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا﴾ ''تا کہ ہم اُس کے ذریعے سے اناج اور پودے اُگائیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا﴾ ''تا کہ ہم اُس کے ذریعے سے اناج اُگائیں'' سے مراد ہے اللہ تعالیٰ پانی کے ذریعے زمین سے گندم، مکئی، چاول وغیرہ نکالتے ہیں۔

(2) ﴿وَّنَبَاتًا﴾ ''اور پودے اُگائیں'' سے مراد ہے ساری نباتات سبزیاں اور مویشیوں کی خوراک وغیرہ پیدا کرتے ہیں۔ ربّ العزت نے فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ ''اور وہی ذات ہے جس نے آسمان سے پانی نازل کیا سو ہم نے اس سے ہر قسم کی نباتات اُگائیں، تو ہم نے اُس سے سبز کھیتی نکالی جس سے ہم تہ بہ تہ دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے درختوں سے اس کے گابھوں سے جھکے ہوئے خوشے ہیں اور انگور اور زیتون اور انار کے باغات ہیں آپس میں ملتے جلتے اور نہ ملنے جلنے والے، اس کے پھل

کو دیکھو جب وہ پھل لائے اور جب وہ پکتا ہے بلاشبہ ان چیزوں میں یقیناً نشانیاں ہیں اُن کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔'' (الانعام:99)

﴿وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا﴾

''اور گھنے باغات'' (16)

سوال1:﴿وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا﴾ ''اور گھنے باغات'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا﴾ ''اور گھنے باغات'' بارش کے پانی سے ہی گھنے باغات پھلتے پھولتے اور شاداب رہتے ہیں۔ وہ ان باغات میں پھلوں کی لذیذ قسمیں پیدا کرتا ہے۔ سب ایک ہی زمین سے پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ فرمایا:﴿وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۣ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ ''اور زمین میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ٹکڑے ہیں اور انگوروں کے باغات ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجوروں کے درخت ہیں، بعض کئی تنوں والے ہیں اور بعض ایک تنے والے ہیں، سب کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور ہم ان میں سے بعض کو مزے میں بعض پر فوقیت دیتے ہیں۔ بلاشبہ اس میں اُن لوگوں کے لیے یقیناً نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔'' (الرعد:4)

(2) جس رب نے اتنی نعمتیں عطا کی ہیں جو نہ شمار کی جاسکتی ہیں نہ جن کی مقدار کا اندازہ کیا جاسکتا ہے تو تم اس کی دی ہوئی خبر کو کیسے جھٹلاتے ہو کہ تم موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جاؤ گے؟

﴿اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا﴾

''یقیناً فیصلے کا دن ایک مقررہ وقت ہے'' (17)

سوال1:﴿اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا﴾ ''یقیناً فیصلے کا دن ایک مقررہ وقت ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا﴾ ''یقیناً فیصلے کا دن ایک مقررہ وقت ہے'' رب العزت نے قیامت کے بارے میں فرمایا کہ وہ میقات ہے یعنی مخلوق کے لیے مقرر کیا گیا فیصلے کا دن۔

(2) وہ قیامت کا دن ہے جس میں مومنوں اور کافروں، حق و باطل کے درمیان فیصلہ ہوگا۔ (تفسیر المحرر الوجیز:425/5)

(3)﴿فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ﴿٦﴾ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ﴿٧﴾ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿٨﴾﴾ ''چنانچہ آپ اُن سے منہ پھیر لیں۔ جس دن پکارنے والا ایک سخت ناگوار چیز کی طرف پکارے گا۔ ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی، وہ اپنی قبروں سے ایسے نکلیں گے گویا وہ منتشر ٹڈیاں ہوں۔ گردن اُٹھا کر پکارنے والے کی طرف دوڑنے والے ہوں گے، کافر کہیں گے: ''یہ تو بڑا مشکل دن ہے۔'' (القمر:6،8)

(4) یہ جمعہ کا دن ہوگا۔ رب العزت نے فرمایا:﴿وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعۡدُوۡدٍ﴾''اور ہم اسے ایک گنی ہوئی مدت کے لئے ہی مؤخر کررہے ہیں۔'' (ھود:104)

سوال 2: پہلے اور بعد میں آنے والے انسانوں کے جمع ہونے اور وعدے کے دن کو فیصلے کا دن کیوں کہا ہے؟

جواب: انسانوں کے جمع ہونے کا مقصد انسانوں کا حساب کتاب اور انجام کا فیصلہ ہے۔ یہ فیصلہ ان کے اعمال کی روشنی میں کیا جائے گا۔ چونکہ اس دن سب سے زیادہ فیصلے ہوں گے اس لئے اسے فیصلے کا دن کہا گیا۔

﴿يَّوۡمَ يُنۡفَخُ فِى الصُّوۡرِ فَتَاۡتُوۡنَ اَفۡوَاجًا﴾

''جس دن صور میں پھونک ماردی جائے گی تو تم فوج درفوج آؤ گے'' (18)

سوال 1:﴿يَّوۡمَ يُنۡفَخُ فِى الصُّوۡرِ فَتَاۡتُوۡنَ اَفۡوَاجًا﴾''جس دن صور میں پھونک ماردی جائے گی تو تم فوج درفوج آؤ گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿يَّوۡمَ يُنۡفَخُ فِى الصُّوۡرِ فَتَاۡتُوۡنَ اَفۡوَاجًا﴾''جس دن صور میں پھونک ماردی جائے گی تو تم فوج درفوج آؤ گے'' یعنی جس دن اسرافیل صور پھونکیں گے، جس دن دل دہل جائیں گے، جب پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے، جب آسمان پھٹ جائے گا، بچے بوڑھے ہوجائیں گے، اس دن تم فوج درفوج آؤ گے یعنی گروہ درگروہ آؤ گے۔ ہر عمل والے کا جداگانہ گروہ ہوگا۔

(2) ہر قوم اپنے نبی کے ساتھ بلائی جائے گی۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو صور پھونکے جانے کے درمیان چالیس فاصلہ ہوگا۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں نے پوچھا کیا چالیس دن مراد ہیں؟ انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں پھر شاگردوں نے پوچھا کیا چالیس مہینے مراد ہیں؟ انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں۔ شاگردوں نے پوچھا کیا چالیس سال مراد ہیں؟ کہا کہ مجھے معلوم نہیں۔ کہا کہ پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برسائے گا۔ جس کی وجہ سے تمام مردے جی اٹھیں گے جیسے سبزیاں پانی سے اگ آتی ہیں۔ اس وقت انسان کا ہر حصہ گل چکا ہوگا۔ سوائے ریڑھ کی ہڈی کے اور اس سے قیامت کے دن تمام مخلوق دوبارہ بنائی جائے گی۔ (بخاری:4935)

﴿وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتۡ اَبۡوَابًا﴾

''اور آسمان کھول دیا جائے گا تو وہ دروازے دروازے ہوجائے گا'' (19)

سوال 1:﴿وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتۡ اَبۡوَابًا﴾''اور آسمان کھول دیا جائے گا تو وہ دروازے دروازے ہوجائے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ﴾''اور آسمان کھول دیا جائے گا'' فرشتوں کے نزول کے لیے آسمان کھول دیا جائے گا۔ (ایسرالتفاسیر:1718)

جا ئیں گے۔'' (القارعہ:5)

(3) گردوغبار ہو جائیں گے۔ ﴿وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿٥﴾ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ﴿٦﴾﴾ اور پہاڑ ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے۔ چنانچہ وہ پراگندہ غبار بن کر رہ جائیں گے۔ (الواقعہ:5,6)

(4) اُن کو اُڑا دیا جائے گا۔ ﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا﴾ اور وہ تم سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ کہہ دیں میرا ربّ انہیں ریزہ ریزہ کرکے اُڑا دے گا۔ (طٰہٰ:105) (5) وہ سراب ہو جائیں گے جیسے اس آیت میں بتایا گیا۔

﴿اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا﴾

''یقیناً جہنم ہمیشہ سے ایک گھات کی جگہ ہے'' (21)

سوال1: ﴿اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا﴾ ''یقیناً جہنم ہمیشہ سے ایک گھات کی جگہ ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا﴾ ''یقیناً جہنم ہمیشہ سے ایک گھات کی جگہ ہے'' اللہ تعالیٰ نے سرکشوں کے لیے جہنم کو گھات بنادیا ہے۔ ان کے لیے لوٹنے کا مقام ہے۔ (2) کوئی بھی جہنم سے گزرے بغیر جنت میں نہیں جا سکتا۔

سوال2: گھات کسے کہتے ہیں؟

جواب: گھات ایسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں چھپ کر دشمن کا انتظار کیا جاتا ہے۔

سوال3: جہنم کو گھات کیوں کہا گیا؟

جواب: (1) جہنم کو اس لئے گھات کہا گیا کہ اس کے داروغے بھی جہنمیوں کے انتظار میں گھات لگائے بیٹھے ہیں۔

(2) جہنم کو اس لئے بھی گھات کہا گیا ہے کہ خود جہنم ربّ کے حکم سے کافروں کے لئے گھات لگائے ہوئے ہے۔

﴿لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا﴾

''سرکشوں کے لیے ٹھکانہ ہے'' (22)

سوال1: ﴿لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا﴾ ''سرکشوں کے لیے ٹھکانہ ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا﴾ ''سرکشوں کے لیے ٹھکانہ ہے'' جہنم ان سرکشوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرتے رہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ ''آج ہر شخص کو بدلہ دیا جائے گا جو اُس نے کمایا تھا، آج کوئی ظلم نہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔'' (المومن:17)

﴿لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا﴾

''جس میں وہ عرصہ دراز تک پڑے رہنے والے ہیں'' (23)

سوال1:﴿لّٰبِثِیْنَ فِیْهَاۤ اَحْقَابًا﴾ ''جس میں وہ عرصہ دراز تک پڑے رہنے والے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَحْقَابًا﴾ حقبہ کی جمع ہے اور حقبہ بمعنی اسی سال کا عرصہ یا اس سے زائد مدت، طویل اور غیر معینہ مدت۔(مفردات)

(2) اور اس کی جمع حقب بھی آتی ہے اور احقاب بھی یعنی اہل دوزخ پر جب ایک حقبہ گزر جائے گا تو دوسرا حقبہ شروع ہو جائے گا۔ پھر تیسرا گویا وہ لامتناہی مدت تک دوزخ میں ہی پڑے رہیں گے۔ (تفسیر تیسیر القرآن:584/4)

(3) حقب بہت سے مفسرین کے قول کے مطابق اسی سال کا عرصہ ہے۔

(4) نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی کی قسم جہنم سے کوئی شخص بہت لمبی مدت رہے بغیر نہیں نکلے گا۔(مختصر ابن کثیر 2177/2)

﴿لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا﴾

''اُس میں نہ وہ کسی ٹھنڈک کو چکھیں گے اور نہ پینے کی چیز کو'' (24)

سوال1:﴿لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا﴾ ''اُس میں نہ وہ کسی ٹھنڈک کو چکھیں گے اور نہ پینے کی چیز کو'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اُس میں نہ وہ کسی ٹھنڈک کو چکھیں گے اور نہ پینے کی چیز کو'' یعنی وہ جہنم میں کوئی ایسی چیز نہیں پائیں گے جو ان کی پیاس بجھادے یا ان کو ٹھنڈک پہنچادے۔ اہلِ جہنم کو سزا کے طور پر ٹھنڈک اور پینے کے پانی سے محروم کیا جائے گا۔

﴿اِلَّا حَمِیْمًا وَّغَسَّاقًا﴾

''مگر کھولتا ہوا پانی اور بہتی پیپ'' (25)

سوال1:﴿اِلَّا حَمِیْمًا وَّغَسَّاقًا﴾ ''مگر کھولتا ہوا پانی اور بہتی پیپ'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِلَّا حَمِیْمًا﴾ ''مگر کھولتا ہوا پانی'' یعنی ایسا کھولتا ہوا پانی ہوگا جو آنتوں کو کاٹ ڈالے۔

(2)﴿وَّغَسَّاقًا﴾ ''اور بہتی پیپ'' یعنی اہل جہنم کو پینے کے لیے ایسی پیپ ملے گی جو انتہائی بدبودار ہوگی۔

﴿جَزَآءً وِّفَاقًا﴾

''جو پورا پورا بدلہ ہے'' (26)

سوال1:﴿جَزَآءً وِّفَاقًا﴾ ''جو پورا پورا بدلہ ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿جَزَآءً وِّفَاقًا﴾''جو پورا پورا بدلہ ہے'' یہ ظالموں کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ہے۔

(2)ابن زید کا قول ہے جنہوں نے برے اعمال کیے انہیں برا بدلہ اور جنہوں نے اچھے اعمال کیے انہیں اچھا بدلہ ملے گا پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تلاوت کی﴿ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰۤى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾''پھر جن لوگوں نے بُرے کام کیے تھے، اُن کا انجام بہت ہی بُرا ہوا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا تھا اور وہ اُن کا مذاق اُڑاتے تھے۔'' (الروم:10)(تفسیر جامع البیان:17/30)

(3)اعمال کے پورے بدلے کے بارے میں ایک اور جگہ رب العزت نے فرمایا:﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ﴾''اور بُرائی کا بدلہ اُس جیسی ایک بُرائی ہے، پھر جو کوئی معاف کردے اور اصلاح کرے تو اُس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ یقیناوہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔(الشوریٰ:40)

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا﴾

''یقیناوہ کسی حساب کی امید نہیں رکھتے تھے''(27)

سوال1:﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا﴾''یقیناوہ کسی حساب کی امید نہیں رکھتے تھے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا﴾''یقیناوہ کسی حساب کی امید نہیں رکھتے تھے''یعنی وہ قیامت کے دن پر، حساب کتاب پر ایمان نہیں رکھتے تھے، نہ اس پر یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اچھے برے اعمال کا بدلہ دے گا۔ اس لیے وہ آخرت کو ایک فضول اور لایعنی معاملہ سمجھتے تھے۔

﴿وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا﴾

''اور انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، بری طرح جھٹلا دینا''(28)

سوال1:﴿وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا﴾''اور انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، بری طرح جھٹلا دینا''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا﴾''اور انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، بری طرح جھٹلا دینا''یعنی انہوں نے ہماری آیات کو واضح طور پر جھٹلایا۔ جب ان کے پاس ہمارے واضح دلائل آئے تو انہوں نے تکذیب کی۔

﴿وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا﴾

''اور ہم نے ہر چیز کو ایک کتاب میں شمار کر رکھا ہے''(29)

سوال1:﴿وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا﴾ ''اور ہم نے ہر چیز کو ایک کتاب میں شمار کر رکھا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَكُلَّ شَيْءٍ﴾ ''اور ہر چیز کو'' یعنی ہر چھوٹے بڑے، اچھے برے عمل کو۔ رب العزت کا فرمان ہے:﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾ ''کوئی لفظ وہ نکال نہیں پاتا مگر ایک تیار نگران اُس کے پاس ہوتا ہے'' (ق:18)

(2)﴿اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا﴾ ''ہم نے ایک کتاب میں شمار کر رکھا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اسے لوح محفوظ میں ثبت کر رکھا ہے۔ پس مجرم یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم نے ان کو ایسے گناہوں کی سزا دی ہے جو انھوں نے کیے ہی نہیں اور نہ وہ یہ سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال میں سے کسی عمل کو ضائع کر دے گا یا ان میں سے کوئی ذرہ بھر عمل بھول جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّا اَحْصٰهَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾ ''اور کتاب اعمال رکھ دی جائے گی، پس آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ اس سے ڈرنے والے ہوں گے جو اس میں ہوگا اور کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی! یہ کتاب کیسی ہے جس نے چھوٹا بڑا کچھ بھی نہیں چھوڑا مگر اس کو شمار کر رکھا ہے اور جو بھی انہوں نے کیا تھا وہ سب اس کو سامنے پائیں گے اور آپ کا رب کسی ایک پر ظلم نہیں کرتا''۔ (الکہف:49) (تفسیر سعدی:2900/3)

(3) ذرہ برابر عمل بھی ضائع نہیں کیا جائے گا رب العزت نے فرمایا:﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (۷) وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (۸)﴾ ''تو جو ذرّہ برابر نیکی کرے گا وہ اُس کو دیکھ لے گا۔ اور جو ذرّہ برابر بدی کرے گا وہ اُس کو دیکھ لے گا۔'' (الزلزال:7,8)

﴿فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا﴾

''پس تم چکھو کہ ہم عذاب کے سوا تمہارے لیے ہرگز کچھ اضافہ نہ کریں گے'' (30)

سوال1:﴿فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا﴾ ''پس تم چکھو کہ ہم عذاب کے سوا تمہارے لیے ہرگز کچھ اضافہ نہ کریں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَذُوْقُوْا﴾ ''پس تم چکھو'' مجرموں کو شرمندہ کرنے کے لیے کہا جائے گا کہ تم تو حساب کتاب کو مانتے ہی نہ تھے اب اپنے اعمال کا مزہ چکھو۔

(2)﴿فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا﴾ ''کہ ہم عذاب کے سوا تمہارے لیے ہرگز کچھ اضافہ نہ کریں گے'' مستقبل میں تو یہ عذاب بڑھتے ہی چلے جائیں گے۔

(3) جہنم کے عذاب کی سختی اور اس میں اضافے کے بارے میں رب العزت نے مختلف مقامات پر اس طرح فرمایا:﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا

﴿حَكِيمًا﴾ ''بلاشبہ جن لوگوں نے ہماری آیات کا کفر کیا بہت جلد ہم انہیں آگ میں ڈالیں گے، جب کبھی ان کی کھالیں گل سڑ جائیں گی تو ہم انہیں اس کے علاوہ کھالیں بدل دیں گے تا کہ وہ عذاب چکھیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے'' (النساء:56)

(4)﴿وَمَنْ يَهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا﴾ ''اور جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے، تو وہی ہدایت پانے والا ہے اور جسے وہ گمراہ کرتا ہے تو آپ اللہ تعالیٰ کے سوا اُن کا کوئی سرپرست ہرگز نہیں پائیں گے، اور ہم قیامت کے دن اُنہیں اُن کے چہروں کے بل اندھا، گونگا اور بہرہ اُٹھائیں گے، اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے، جب کبھی وہ بجھنے لگے گی تو ان کے بھڑکنے کو ہم اور زیادہ کر دیں گے''۔ (اسراء:97)

رکوع نمبر 2

﴿اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا﴾

''یقیناً اللہ تعالیٰ سے ڈر جانے والوں کے لیے کامیابی کا ایک مقام ہے'' (31)

سوال 1: ﴿اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ سے ڈر جانے والوں کے لیے کامیابی کا ایک مقام ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ سے ڈر جانے والوں کے لیے'' یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ثواب کی اُمید رکھتے ہوئے اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کے عذاب کے خوف سے اس کی نافرمانی سے رک گئے۔

(2)﴿مَفَازًا﴾ ''کامیابی ایک مقام ہے'' ان کے لیے کامیابی ہے یعنی جہنم سے دوری اور جنت میں داخلہ۔

(3) قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ دوزخ سے جنت کی طرف جانے میں کامیاب ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اس کی رحمت کی طرف جانے میں کامیاب ہو گئے۔ (جامع البیان:19/30)

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿١٧﴾ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿١٨﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿١٩﴾ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٢١﴾ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿٢٢﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿٢٣﴾ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾﴾ ''ان پر نوخیز لڑکے چکر لگائیں گے جو ہمیشہ (لڑکے ہی) رکھے جائیں گے۔ اُن پر جاری چشمے کی شراب کے ساغر، صراحیاں اور جام پیش کریں گے۔ اس سے نہ وہ سر درد میں مبتلا ہوں گے اور نہ وہ بہکیں گے۔ اور پھل بھی جو وہ پسند کریں گے۔ اور پرندوں کا گوشت بھی جس کی وہ خواہش کریں گے۔ اور گورے جسم، سیاہ بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں (ہوں گی)۔ گویا چھپا کر رکھے

ہوئے موتی ہوں۔اُن کاموں کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے۔'' (الواقعہ:17,24)

﴿حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا﴾

''باغات اور انگور ہیں'' (32)

سوال1:﴿حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا﴾ ''باغات اور انگور ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا﴾ ''باغات اور انگور ہیں'' یہ کامیابی کی وضاحت ہے۔(قرطبی 129/10)

(2)﴿حَدَآئِقَ﴾ حدیقہ کی جمع ہے اور حدیقہ ایسے باغ کو کہتے ہیں جس کے گرد حفاظت کی خاطر چاردیواری کی گئی ہو۔ایسے باغات میں بالخصوص انگوروں کا ذکر فرمایا۔کیونکہ یہی ایک ایسا پھل ہے جو پورے کا پورا کھایا جاسکتا ہے نہ اس کا چھلکا اتارنا پڑتا ہے اور نہ اس میں گٹھلی یا بیج ہوتے ہیں اور اگر بیج ہوتے ہیں تو صرف بڑے سائز کے انگور میں جس سے منقی بنتا ہے۔یہ بیج بھی اگر کوئی شخص کھالے تو کچھ حرج نہیں۔

(تیسیر القرآن:585/4)(3) یعنی وہ باغات جن میں درختوں اور پھلوں کی تمام قسمیں جمع ہوں۔

(4)﴿وَاَعْنَابًا﴾ اور انگور ہیں'' رب العزت نے انگوروں کی کثرت کی وجہ سے خاص طور پر ان کا ذکر فرمایا ہے۔

﴿وَّ كَوَاعِبَ اَتْرَابًا﴾

''اور نوخیز ہم عمر لڑکیاں ہیں'' (33)

سوال1:﴿وَّ كَوَاعِبَ اَتْرَابًا﴾ ''اور نوخیز ہم عمر لڑکیاں ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَّ كَوَاعِبَ﴾ ''اور نوخیز لڑکیاں'' اس سے مراد ابھرے ہوئے پستانوں والی کنواری لڑکیاں ہیں جن کے پستان ان کے شباب، ان کی قوت اور ان کی تازگی کے باعث ڈھیلے نہیں پڑے۔(تفسیر سعدی:2901/3)

(2)﴿اَتْرَابًا﴾ ''ہم عمر'' ہم عمر عورتیں ایک دوسرے سے محبت کرنے والی ہوتی ہیں۔یہ جوانی کی معتدل عمر تقریباً تینتیس سال ہوتی ہے۔

(3) ہم عمر ہونے سے مراد یا تو شوہروں کی ہم عمر ہیں یا آپس میں ہم عمر ہیں۔

﴿وَّ كَاْسًا دِهَاقًا﴾

''اور چھلکتے ہوئے جام ہیں'' (34)

سوال1:﴿وَّ كَاْسًا دِهَاقًا﴾ ''اور چھلکتے ہوئے جام ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿وَّ كَاْسًا دِهَاقًا﴾ ''اور چھلکتے ہوئے جام ہیں'' انہیں پاکیزہ شراب کے لبالب جام ملیں گے جن میں پینے والوں کے لئے لذت ہو گی۔

﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا﴾

''اُس میں نہ وہ کوئی لغو سنیں گے اور نہ کوئی جھوٹ'' (35)

سوال1: ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا﴾ ''اس میں نہ وہ کوئی لغو سنیں گے اور نہ کوئی جھوٹ'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا﴾ ''اس میں وہ نہیں سنیں گے'' وہ جنت میں نہیں سنیں گے۔

(2) ﴿لَغْوًا﴾ ''کوئی لغو'' کوئی باطل قول۔ (3) ﴿وَّلَا كِذّٰبًا﴾ ''اور نہ کوئی جھوٹ۔'' (تفسیر جامع البیان: 21/30)

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا (۲۵) اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا (۲۶)﴾ ''نہ اُس میں وہ بے ہودہ گفتگو سنیں گے اور نہ کوئی گناہ میں ڈالنے والی بات۔ مگر یہ کہنا کہ سلام ہے، سلام ہے۔ (الواقعہ: 25,26)

(5) جنت کی شراب میں سرور کے ساتھ نشہ نہیں ہوگا اس لئے منہ سے بے ہودہ باتیں نہیں نکلیں گی۔

(6) جنت دار السلام ہے جہاں عیب یا برائی کی کوئی بات نہیں ہوگی۔ (مختصر ابن کثیر 2178/3)

﴿جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا﴾

''تیرے رب کی جناب سے یہ بدلہ ہے جو کافی انعام ہے'' (36)

سوال1: ﴿جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا﴾ ''تیرے رب کی جناب سے یہ بدلہ ہے جو کافی انعام ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ ''تیرے رب کی جناب سے یہ بدلہ ہے'' رب کی طرف سے نیک لوگوں کو جو انعام ملے گا ان کے نیک اعمال کا بدلہ ہوگا۔ (2) ﴿عَطَآءً حِسَابًا﴾ ''جو کافی انعام ہے'' یہ انعامات کافی اور بہت ہوں گے۔

(3) ان کے اعمال کے سبب سے جن کی توفیق سے اللہ تعالیٰ نے بہرہ مند کیا اور ان کو اپنی تکریم و اکرام تک پہنچنے کا ذریعہ بنایا۔ (سعدی: 2901/3)

﴿رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا﴾

''جو آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے۔ وسیع رحمت والا ہے، کسی کو اُس سے بات کرنے کی قدرت نہ ہوگی'' (37)

سوال1: ﴿رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا﴾ ''جو آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے۔ وسیع رحمت والا ہے، کسی کو اُس سے بات کرنے کی قدرت نہ ہوگی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا﴾ ''جو آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے۔'' جس رب نے انہیں یہ انعامات دیے وہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے اور ان کا انتظام کرنے والا ہے۔

(2)﴿الرَّحْمٰنِ﴾ ''وسیع رحمت والا ہے'' جس کی رحمت ہر چیز پر سایہ کناں ہے۔ پس اس نے ان کی نشوونما کی، ان پر رحم کیا اور ان کو لطف وکرم سے نوازا حتی کہ انھوں نے بہت کچھ پالیا۔ (تفسیر سعدی:2901/3)

(3)﴿لَا یَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا﴾ ''کسی کو اُس سے بات کرنے کی قدرت نہ ہوگی۔'' اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن اپنی عظیم بادشاہت کے بارے میں ذکر فرمایا ہے کہ اس دن ساری مخلوق اس کے سامنے خاموش ہوگی کسی کی مجال نہیں ہوگی اس کی مرضی کے خلاف لب ہلا سکے۔

(4) اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کا جلال، اُس کا رُعب اور اس کی ہیبت ایسی ہوگی کہ کوئی اس سے بات کرنے کی جرأت نہ کر سکے گا۔

(5) اللہ تعالیٰ سے بات کرنے کی طاقت نہ ہونے کی وجہ سے ہی کوئی اس کی اجازت کے بغیر سفارش نہیں کرے گا یعنی باوجود اس قدر لطف ورحمت کے عظمت وجلال ایسا ہے کہ کوئی اس کے سامنے لب نہیں ہلا سکتا۔ رب العزت نے فرمایا:﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ﴾ ''کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اُس کی جناب میں سفارش کرے، وہ جانتا ہے جو اُن کے آگے ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے، اس کی کرسی آسمانوں اور زمین کو سموئے ہوئے ہے اور ان دونوں کی حفاظت اُسے نہیں تھکاتی اور وہی سب سے بلند، سب سے بڑا ہے۔'' (البقرہ:255)

﴿یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۖؕ لَّا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا﴾

''جس دن جبرئیل اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے کوئی بات نہیں کرے گا مگر جس کو رحمٰن اجازت دے گا اور وہ درست بات کہے گا'' (38)

سوال1:﴿یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۖؕ لَّا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا﴾ ''جس دن جبرئیل اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے کوئی بات نہیں کرے گا مگر جس کو رحمٰن اجازت دے گا اور وہ درست بات کہے گا'' آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ﴾ ''جس دن جبرئیل'' جس دن روح الامین یعنی جبرئیل کھڑے ہوں گے جو تمام فرشتوں سے افضل ہیں۔

(2) ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا﴾ ''اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے'' اور تمام فرشتے صف باندھے اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہوں گے۔

(3) ﴿لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ﴾ ''کوئی بات نہیں کرے گا'' وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کلام نہیں کر سکیں گے۔

(4) ﴿اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ﴾ ''مگر جس کو رحمٰن اجازت دے گا'' اس دن انبیاء کے سوا کسی کو بات کرنے کی جرأت نہیں ہوگی۔

﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ﴾ ''وہ جانتا ہے جو اُن کے سامنے ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے اور وہ سفارش نہیں کرتے مگر اس کے لیے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرے اور وہ اس کے خوف سے ڈرنے والے ہیں۔'' (الانبیاء:28)

(5) قیامت کے دن کی سفارش کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا﴾ ''اُس دن سفارش فائدہ نہ دے گی مگر جس کو رحمٰن اجازت دے گا اور اس سے بات کرنا پسند فرمائے گا۔'' (طٰہٰ:109)

(6) ﴿وَقَالَ صَوَابًا﴾ ''اور وہ درست بات کہے گا'' یعنی وہ جو بات کریں گے ٹھیک بات ہوگی۔ قول صواب یعنی سب سے زیادہ سچا اور صحیح کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہے یعنی انبیاء توحید پرستوں ہی کی سفارش کریں گے''۔ (مختصر ابن کثیر:2179/2)

﴿ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا﴾

''یہ دن برحق ہے تو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف لوٹنے کی جگہ بنالے'' (39)

سوال 1: ﴿ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا﴾ ''یہ دن برحق ہے تو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف لوٹنے کی جگہ بنالے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ﴾ ''یہ دن برحق ہے'' یہ یعنی قیامت کا دن جس دن روح اور فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے۔ یہ دن واقعی حق ہے یعنی ہر صورت آنے والا ہے۔

(2) ﴿فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا﴾ ''تو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف لوٹنے کی جگہ بنالے'' یعنی عمل اور اچھی بات کرے جو قیامت کے دن اس کی طرف لوٹے گی۔ (سعدی:2902/3)

(3) اب جو چاہے عزت کے ساتھ اپنے رب کے پاس جانے کی تیاری کر لے۔ (مختصر ابن کثیر:2179/2)

﴿اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۖ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا﴾

''یقیناہم نے تمہیں اُس عذاب سے خبردار کردیا ہے جوقریب ہی ہے،جس دن انسان وہ دیکھ لے گا جواس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا، اور کافر کہے گا:''اے کاش میں مٹی ہوتا!'' (40)

سوال1:﴿اِنَّاۤ اَنۡذَرۡنٰكُمۡ عَذَابًا قَرِيۡبًا﴾ ''یقیناہم نے تمہیں اُس عذاب سے خبردار کردیا ہے جوقریب ہی ہے'' آیت کے اس حصہ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِنَّاۤ اَنۡذَرۡنٰكُمۡ﴾ ''یقیناہم نے تمہیں خبردار کردیا ہے''لوگو!ہم نے تمہیں خبردار کردیا ہے۔

(2)﴿عَذَابًا قَرِيۡبًا﴾ ''اُس عذاب سے جوقریب ہی ہے'' وہ عذاب جوقریب آچکا ہے۔آنے والی چیز کوقریب ہی سمجھو۔رب العزت نے فرمایا:﴿كَاَنَّهُمۡ يَوۡمَ يَرَوۡنَهَا لَمۡ يَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا عَشِيَّةً اَوۡ ضُحٰٮهَا﴾ ''جس دن وہ اُسے دیکھ لیں گے تو(سمجھیں گے)گویا کہ وہ نہیں ٹھہرے مگرایک شام یااُس کی ایک صبح۔'' (النازعات:46)

سوال2:﴿يَّوۡمَ يَنۡظُرُ الۡمَرۡءُ مَا قَدَّمَتۡ يَدٰهُ﴾ ''جس دن انسان وہ دیکھ لے گا جواس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿يَّوۡمَ﴾ ''جس دن''یعنی حشر کے دن۔

(2)﴿يَنۡظُرُ الۡمَرۡءُ مَا قَدَّمَتۡ يَدٰهُ﴾ ''انسان وہ دیکھ لے گا جواس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا'' اپنے چھوٹے بڑے،اچھے برے سارے اعمال کو۔

(3)رب العزت نے فرمایا:﴿وَوُضِعَ الۡـكِتٰبُ فَتَرَى الۡمُجۡرِمِيۡنَ مُشۡفِقِيۡنَ مِمَّا فِيۡهِ وَيَقُوۡلُوۡنَ يٰوَيۡلَتَنَا مَالِ هٰذَا الۡكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيۡرَةً وَّلَا كَبِيۡرَةً اِلَّاۤ اَحۡصٰىهَا‌ ۚ وَوَجَدُوۡا مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا‌ ؕ وَلَا يَظۡلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾ ''اور کتاب اعمال رکھ دی جائے گی،پس آپ مجرموں کودیکھیں گے کہ وہ اس سے ڈرنے والے ہوں گے جواس میں ہوگا اور کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی!یہ کتاب کیسی ہے جس نے چھوٹا بڑا کچھ بھی نہیں چھوڑا مگراس کوشمار کررکھا ہے اور جوبھی انہوں نے کیا تھا وہ سب اس کوسامنے پائیں گے اور آپ کا رب کسی ایک پرظلم نہیں کرتا۔'' (الکھف:49)

(4)آخرت میں کسی کا ذرہ برابرعمل بھی ضائع نہیں جائے گا رب العزت نے فرمایا:﴿فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ ؕ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ ''توجوذرّہ برابرنیکی کرے گاوہ اُس کودیکھ لے گا۔اور جوذرّہ برابربدی کرے گاوہ اُس کودیکھ لے گا۔'' (الزلزال:7,8)

(5)اس دن انسان کواگلے پچھلے تمام اعمال سے خبردار کردیا جائے گا۔

(6)انسان کواس دنیا میں دیکھنا چاہیے کہ اس نے ہیشگی کے گھر کے لئے کیا بھیجا ہے۔رب العزت نے فرمایا:﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ‌ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ﴾ ''اے لوگوجوایمان لائے ہو!اللہ تعالیٰ

سے ڈر جاؤ اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اُس نے کل کے لیے کیا آگے بھیجا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ یقیناً اُس سے پوری طرح باخبر ہے جو تم عمل کرتے ہو۔'' (الحشر:18)

(7) اگر وہ (اپنے اعمال میں) کوئی بھلائی پائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرے اور اگر بھلائی کے سوا کچھ اور پائے تو وہ صرف اپنے ہی نفس کو ملامت کرے، اسی لیے کفار شدت حسرت وندامت کی وجہ سے موت کی تمنا کریں گے۔ (تفسیر سعدی 2902/3)

سوال 3: ﴿وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا﴾ ''اور کافر کہے گا: ''اے کاش میں مٹی ہوتا!'' آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ﴾ ''اور کافر کہے گا'' کافر شدت کی حسرت اور ندامت کی وجہ سے کہے گا۔

(2) ﴿يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا﴾ ''اے کاش میں مٹی ہوتا!'' کافر ہولناک عذاب کو دیکھ کر یہ آرزو کرے گا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جانوروں کے درمیان بھی عدل کریں گے۔ پھر ان کو حکم دیا جائے گا کہ مٹی ہو جاؤ۔ جب وہ مٹی ہو جائیں گے تو کافر بھی آرزو کریں گے کہ کاش وہ بھی جانور ہوتے اور مٹی بن جاتے۔ (سلسلۃ احادیث صحیحۃ:1966)

(3) اس وقت کافر تمنّا کریں گے کہ وہ مٹی بن جاتے یا پیدا ہی نہ ہوتے کہ عذاب آنکھوں سے دیکھتے۔ (مختصر ابن کثیر:2179/2)

يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ ہمیں کفر اور شرک سے بچالے۔ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ہماری نسلوں کو بھی کفر سے بچالینا۔ (آمین)

ایاتها ۴۶ | ۷۹ سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ ۸۱ | رکوعاتها ۲

سوال 1: یہ سورۃ کب نازل ہوئی؟ اس کی کتنی آیات اور کتنے رکوع ہیں؟

جواب: یہ مکّی سورت ہے۔ اس میں 46 آیات اور 2 رکوع ہیں۔ مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے یہ 79 ویں نمبر پر ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے 81 ویں نمبر پر ہے۔

رکوع نمبر 3

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا﴾

''ڈوب کر سختی سے (جان) کھینچنے والے (فرشتوں) کی قسم!''(1)

سوال 1: ﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا﴾ ''ڈوب کر سختی سے (جان) کھینچنے والے (فرشتوں) کی قسم!'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا﴾ ''ڈوب کر سختی سے (جان) کھینچنے والے (فرشتوں) کی قسم!'' اس سے مراد فرشتے ہیں جو روح کو قبض کرنے کے لئے ڈوب کر کھینچتے ہیں اور گھسیٹ کر روح نکالتے ہیں۔ جب روح نکل جاتی ہے تو اسے اس کے عمل کا بدلہ دیا جاتا ہے۔

(2) سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن آدمی جب دنیا سے رخصت ہوتا ہے اور آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ تو ملک الموت اس کے سر کے پاس آ کر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے، اے پاکیزہ جان! اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رضا کی طرف نکل آ، چنانچہ وہ اس طرح نکل آتی ہے جس طرح مشکیزے سے پانی کا قطرہ بہہ نکلتا ہے۔ اور جب کافر دنیا سے رخصت ہونے کو ہوتا ہے اور آخرت کی طوف متوجہ ہوتا ہے۔ تو موت کا فرشتہ اس کے بھی سر کے پاس آ کر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے، اے خبیث جان! اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور غصہ کی طرف نکل آ۔ اس پر وہ اس کے جسم میں پھیل جاتی ہے (عذاب کے ڈر کی وجہ سے نکلنا نہیں چاہتی) تو وہ اسے اس طرح سختی سے کھینچ کر نکالتا ہے، جس طرح بھیگی ہوئی اون میں سے گرم سلاخ کھینچ کر نکالی جاتی ہے۔ (مسند احمد: 18561)

﴿وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا﴾

''اور ان کی جو بند کھولنے والے ہیں! آسانی سے کھولنا'' (2)

سوال 1: ﴿وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا﴾ ''اور ان کی جو بند کھولنے والے ہیں! آسانی سے کھولنا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا﴾ ''اور ان کی جو بند کھولنے والے ہیں! آسانی سے کھولنا'' اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو روح کو خوشی سے نکالتے ہیں۔

(2) شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ فرشتے مسلمان کی روح گرہ کھول کر نکالتے ہیں۔ وہ اپنی خوشی سے عالم بالا کی طرف دوڑتی ہے۔ بدن کی تکلیف الگ ہے اس میں کافر اور مسلمان برابر ہیں۔ (موضح) (اشرف الحواشی: 696)

(3) سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن آدمی جب دنیا سے رخصت ہوتا ہے اور آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ تو ملک الموت اس کے سر کے پاس آ کر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے، اے پاکیزہ جان! اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رضا کی طرف نکل آ، چنانچہ وہ اس طرح نکل آتی ہے جس طرح مشکیزے سے پانی کا قطرہ بہہ نکلتا ہے۔ اور جب کافر دنیا سے رخصت ہونے کو ہوتا ہے اور آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ تو موت کا فرشتہ اس کے بھی سر کے پاس آ کر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے، اے خبیث جان! اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور غصہ کی طرف نکل آ۔ اس پر وہ اس کے جسم میں پھیل جاتی ہے (عذاب کے ڈر کی وجہ سے نکلنا نہیں چاہتی) تو وہ اسے اس طرح سختی سے کھینچ کر نکالتا ہے، جس طرح بھیگی ہوئی اون میں سے گرم سلاخ کھینچ کر نکالی جاتی ہے۔ (مسند احمد: 18561)

سوال2: فرشتے مومن کی جان کو کیسے نکالتے ہیں؟

جواب: فرشتے مومن کی جان کو نرمی، آہستگی اور سہولت سے نکالتے ہیں ایسے جیسے کسی چیز کی گرہ کھول دی جائے۔

﴿وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا﴾

''اوران کی جو تیرنے والے ہیں! تیزی سے تیرنا'' (3)

سوال1: ﴿وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا﴾ ''اوران کی جو تیرنے والے ہیں! تیزی سے تیرنا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا﴾ ''اوران کی جو تیرنے والے ہیں! تیزی سے تیرنا'' اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کو تیزی سے پہنچاتے ہیں۔

(2) اور وہ فرشتے جو روح کو نکال کر زمین سے کی آسمان کی طرف اتنی تیزی اور سہولت سے چلتے ہیں گویا کہ وہ ہوا میں تیرتے چلے جارہے ہیں۔

﴿فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا﴾

''پھران کی جو دوڑ کر آگے نکلنے والے ہیں! آگے بڑھنا'' (4)

سوال1: ﴿فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا﴾ ''پھران کی جو دوڑ کر آگے نکلنے والے ہیں! آگے بڑھنا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَالسّٰبِقٰتِ﴾ ''پھران کی جو دوڑ کر آگے نکلنے والے ہیں!'' اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے والے ہیں۔

(2) ﴿سَبْقًا﴾ ''آگے بڑھنا'' فرشتے دوڑ کر آگے بڑھتے ہیں تا کہ ان کا مرتبہ بلند ہو۔

(3) فرشتے وحی الٰہی کو رسولوں تک پہنچانے میں آگے بڑھ جاتے ہیں تا کہ شیاطین اسے چرا نہ پائیں۔

(4) فرشتے مومنوں کی روحیں تیزی سے جنت کی طرف لے جاتے ہیں۔

﴿فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا﴾

''پھران کی جو کام کی تدبیر کرنے والے ہیں'' (5)

سوال1: ﴿فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا﴾ ''پھران کی جو کام کی تدبیر کرنے والے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا﴾ ''پھران کی جو کام کی تدبیر کرنے والے ہیں'' اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو امور کی تدبیر کے لئے مقرر ہیں مثلاً ماؤں کے پیٹ میں بچوں، ہواؤں، بارشوں، سمندروں، نباتات، حیوانات، جنت اور جہنم وغیرہ کے امور کی تدبیر کرتے ہیں۔

﴿يَوۡمَ تَرۡجُفُ الرَّاجِفَةُ﴾

''جس دن ہلا ڈالے گی، سخت ہلا ڈالنے والی'' (6)

سوال 1: ﴿يَوۡمَ تَرۡجُفُ الرَّاجِفَةُ﴾ ''جس دن ہلا ڈالے گی، سخت ہلا ڈالنے والی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَوۡمَ﴾ ''جس دن'' یعنی قیامت کے دن۔

(2) ﴿تَرۡجُفُ الرَّاجِفَةُ﴾ ''ہلا ڈالے گی، سخت ہلا ڈالنے والی'' یعنی جس دن پہلے صور سے زمین پر زلزلے آئیں گے اور یہ قیامت کا قائم ہونا ہے۔ اس دن زمین پھٹ جائے گی۔ پھر اس کے بعد دوسرا صور پھونکا جائے گا۔ پہلے صور کا تذکرہ سورۃ المزمل میں ہے ﴿يَوۡمَ تَرۡجُفُ الۡاَرۡضُ وَالۡجِبَالُ وَكَانَتِ الۡجِبَالُ كَثِيۡبًا مَّهِيۡلًا﴾ ''جس دن زمین اور پہاڑ کانپیں گے اور پہاڑ بھربھری ریت کے ٹیلے ہو جائیں گے۔'' (المزمل: 14)

﴿تَتۡبَعُهَا الرَّادِفَةُ﴾

''اُس کے بعد پیچھے آنے والی آئے گی'' (7)

سوال 1: ﴿تَتۡبَعُهَا الرَّادِفَةُ﴾ ''اُس کے بعد پیچھے آنے والی آئے گی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿تَتۡبَعُهَا الرَّادِفَةُ﴾ ''اُس کے بعد پیچھے آنے والی آئے گی'' یعنی دوسرا زلزلہ جو پہلے کے پیچھے پیچھے ہی آئے گا۔

﴿قُلُوۡبٌ يَّوۡمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ﴾

''کچھ دل اُس دن دھڑکنے والے ہوں گے'' (8)

سوال 1: ﴿قُلُوۡبٌ يَّوۡمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ﴾ ''کچھ دل اُس دن دھڑکنے والے ہوں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلُوۡبٌ﴾ ''کچھ دل'' سے مراد کافروں کے دل ہیں۔

(2) ﴿يَّوۡمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ﴾ ''اس دن دھڑکنے والے ہوں گے'' اس دن جو کچھ نظر آئے گا اور جو سنائی دے گا اس دہشت کی بنا پر دل دہل جائیں گے۔

﴿اَبۡصَارُهَا خَاشِعَةٌ﴾

''اُن کی نگاہیں جھکنے والی ہوں گی'' (9)

سوال 1: ﴿اَبۡصَارُهَا خَاشِعَةٌ﴾ ''ان کی نگاہیں جھکنے والی ہوں گی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿اَبۡصَارُهَا خَاشِعَةٌ﴾ ''ان کی نگاہیں جھکنے والی ہوں گی'' اس دن بہت سی نگاہیں ذلت سے جھک جائیں گی۔ دلوں پر خوف اور گھبراہٹ کی وجہ سے ان کی عقل زائل ہو جائے گی۔ اس وقت وہ حسرت زدہ گناہوں پر شرم سار ہوں گے۔

﴿یَقُوۡلُوۡنَ ءَاِنَّا لَمَرۡدُوۡدُوۡنَ فِی الۡحَافِرَةِ﴾

''وہ کہتے ہیں: کیا بلاشبہ ہم واقعی پہلی حالت میں واپس لوٹائے جانے والے ہیں؟'' (10)

سوال 1: ﴿یَقُوۡلُوۡنَ ءَاِنَّا لَمَرۡدُوۡدُوۡنَ فِی الۡحَافِرَةِ﴾ ''وہ کہتے ہیں: کیا بلاشبہ ہم واقعی پہلی حالت میں واپس لوٹائے جانے والے ہیں؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿یَقُوۡلُوۡنَ﴾ ''وہ کہتے ہیں'' قیامت کا انکار کرنے والے اور دنیا میں موت کے بعد کی زندگی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کرتے تھے۔

(2) ﴿ءَاِنَّا لَمَرۡدُوۡدُوۡنَ فِی الۡحَافِرَةِ﴾ ''کیا بلاشبہ ہم واقعی پہلی حالت میں واپس لوٹائے جانے والے ہیں'' کہ قبر میں گلنے سڑنے کے بعد کیسے زندہ ہوں گے۔ قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا: انا لمبعوثون خلقا جدیدا ''یقیناً ہم نئی تخلیق میں اٹھائے جائیں گے''۔ (تفسیر جامع البیان: 36/30)

﴿ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً﴾

''کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے؟'' (11)

سوال 1: ﴿ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً﴾ ''کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً﴾ ''کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے؟'' یعنی کیا جب ہماری ہڈیاں گل سڑ جائیں گی تو اس کے بعد ہمیں دوبارہ زندگی کی طرف لوٹایا جائے گا؟

(2) ﴿ءَاِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجۡعٌۢ بَعِيۡدٌ﴾ ''کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی ہو جائیں گے؟ یہ واپسی بہت دور ہے۔'' (ق: 3)

(3) ﴿ءَاِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ اَوَاٰبَآؤُنَا الۡاَوَّلُوۡنَ﴾ ''کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے، کیا یقیناً ہم ضرور اُٹھائے جانے والے ہیں؟ اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا بھی؟'' (الصافات: 16,17)

﴿قَالُوۡا تِلۡكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ﴾

''انہوں نے کہا: ''تب یہ واپسی تو بڑی خسارے والی ہے'' (12)

سوال 1: ﴿قَالُوۡا تِلۡكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ﴾ ''انہوں نے کہا'' ''تب یہ واپسی تو بڑی خسارے والی ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوۡا تِلۡكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ﴾ ''انہوں نے کہا'' ''تب یہ واپسی تو بڑی خسارے والی ہے'' یعنی جب وہ دوسری زندگی میں

لوٹائے جائیں گے تو یہ واپسی بڑے گھاٹے کی ہوگی۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ﴾ آپ کہہ دیں کہ یقیناً خسارہ اُٹھانے والے وہ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن خسارے میں ڈال دیا، سن لو! یہی کھلا خسارہ ہے۔ (الزمر:15) (ایسر التفاسیر:1722)

﴿فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ﴾

''چنانچہ وہ تو بس ایک ڈانٹ ہوگی'' (13)

سوال 1: ﴿فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ﴾ ''چنانچہ وہ تو بس ایک ڈانٹ ہوگی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ﴾ ''چنانچہ وہ تو بس ایک ڈانٹ ہوگی'' یعنی ایک ہی چیخ ہوگی اور یہ اسرافیل صور میں دوسری پھونک ماریں گے تو سب لوگ جی اٹھیں گے۔

﴿فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ﴾

''پھر اچانک وہ ایک کھلے میدان میں ہوں گے'' (14)

سوال 1: ﴿فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ﴾ ''پھر اچانک وہ ایک کھلے میدان میں ہوں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ﴾ ''پھر اچانک وہ ایک کھلے میدان میں ہوں گے'' یعنی واپسی جی اٹھنا جسے وہ عقل سے بعید سمجھ رہے تھے اس کا معاملہ بس اتنا سا ہے کہ دوسرے بار صور پھونکا جائے گا تو سب میدان حشر میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلے کرے گا۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ (6) خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ (7) مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ (8)﴾ ''چنانچہ آپ اُن سے منہ پھیر لیں۔ جس دن پکارنے والا ایک سخت ناگوار چیز کی طرف پکارے گا۔ ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی، وہ اپنی قبروں سے ایسے نکلیں گے گویا وہ منتشر ٹڈیاں ہوں۔ گردن اُٹھا کر پکارنے والے کی طرف دوڑنے والے ہوں گے، کافر کہیں گے یہ تو بڑا مشکل دن ہے'' (القمر:6،8)

(3) ﴿وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ (41) يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ (42) اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ (43) يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۭ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ (44)﴾ ''اور کان لگا کر سنو! جس دن پکارنے والا قریب کی جگہ سے پکارے گا۔ جس دن وہ چنگھاڑ کو حق کے ساتھ سن لیں گے، وہی نکلنے کا دن ہوگا۔ یقیناً ہم ہی زندہ

کرتے ہیں اور ہم ہی موت دیتے ہیں اور ہماری طرف ہی لوٹ کرآنا ہے۔جس دن اُن پر سے زمین پھٹ جائے گی اور لوگ (نکل کر) تیزی سے دوڑ رہے ہوں گے، یہ حشر ہم پر بہت ہی آسان ہے۔'' (ق:41,44)

﴿هَلْ أَتٰكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى﴾

''کیا تمہارے پاس موسیٰ کی بات آئی ہے؟'' (15)

سوال1:﴿هَلْ أَتٰكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى﴾ ''کیا تمہارے پاس موسیٰ کی بات آئی ہے؟'' قیامت کے ذکر کے دوران فرعون اور موسیٰ کا ذکر لانے میں کیا حکمت ہے؟

جواب:(1)﴿هَلْ أَتٰكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى﴾ ''کیا تمہارے پاس موسیٰ کی بات آئی ہے؟'' قیامت کے تذکرے کے دوران نبی ﷺ کو تسلی دینے کے لئے فرعون اور موسیٰ کا ذکر کیا گیا کہ وہ جو اپنے آپ کو رب کہتا تھا اس کے مقابلے میں مکّہ کے کافر کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔

(2) وہ مغرور اور سرکش بادشاہ تھا۔ جب اس نے موسیٰ کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں سمندر میں غرق کردیا۔

(3) اب اگر مکّہ کے کافر جھٹلائیں گے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کیسے بچ پائیں گے؟ (4) اس واقعہ میں ڈرنے والوں کے لئے عبرت ہے۔

سوال2: یہ موسیٰ علیہ السلام کے کس دور کی خبر ہے؟

جواب: یہ اُس دور کی خبر ہے جب وہ مدین سے واپسی پر آگ کی تلاش میں کوہِ طور پہنچ گئے تھے۔

﴿إِذْ نَادٰهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى﴾

''جب اُس کے رب نے اُسے مقدس وادی طویٰ میں پکارا'' (16)

سوال1:﴿إِذْ نَادٰهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى﴾ ''جب اُس کے رب نے اُسے مقدس وادی طویٰ میں پکارا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿إِذْ نَادٰهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى﴾ ''جب اُس کے رب نے اُسے مقدس وادی طویٰ میں پکارا۔'' طویٰ مقدس وادی ہے جو طور کے دامن میں واقع ہے۔ مصر سے مدین جاتے ہوئے راستے میں پڑتی ہے۔

(2) یہ وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے دو مرتبہ کلام کیا۔ پہلی بار اپنے گھر والوں کے ساتھ مصر جا رہے تھے تو وادی میں آگ دیکھ کر وہاں پہنچ گئے تھے اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت عطا فرمائی اور دوسری بار جب تورات لینے کے لئے گئے۔

﴿اِذْهَبْ إِلٰى فِرْعَوْنَ إِنَّهٗ طَغٰى﴾

''فرعون کے پاس جاؤ، یقیناوہ سرکش ہوگیا ہے'' (17)

سوال1: ﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى﴾ ''فرعون کے پاس جاؤ، یقیناوہ سرکش ہوگیا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ﴾ ''فرعون کے پاس جاؤ'' نبوت عطا کرنے کے بعدرب العزت نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کے پاس جاؤ۔

(2) فرعون ایک مغروراور سرکش بادشاہ تھا۔اس کے پاس جانا مشقت بھرا کام تھا کیونکہ ایک تو وہ سرکش تھادوسرا سیدنا موسیٰ علیہ السلام ایک قبطی کو قتل کرنے کے بعد مدین چلے گئے تھے اور فرعون کی حکومت انہیں مجرم سمجھتی تھی۔ان خطرات کا اظہار سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کے دوران کیا تھا۔(3)﴿اِنَّهٗ طَغٰى﴾ ''یقیناوہ سرکش ہوگیا ہے'' یعنی حد سے تجاوز کیا ہے اس نے سرکشی کی اور تکبر کیا ہے۔

﴿فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى﴾

''پس کہہ دو کہ کیا تیرے لیے کوئی رغبت ہے کہ تم پاکیزگی اختیار کرو؟'' (18)

سوال1: ﴿فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى﴾ ''پس کہہ دو کہ کیا تیرے لیے کوئی رغبت ہے کہ تم پاکیزگی اختیار کرو؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى﴾ ''پس کہہ دو کہ کیا تیرے لیے کوئی رغبت ہے کہ تم پاکیزگی اختیار کرو؟'' رب العزت نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ذمے فرعون کو پاکیزہ زندگی گزارنے کی دعوت دینا لگایا اور فرمایا کہ آپ اس سے یہ کہو کہ کیا آپ کو ایسا طریقہ زندگی پسند ہے جس کو اختیار کر کے آپ کفر اور سرکشی سے پاک ہوجاؤ، سلامت رہو اور ایمان اور عمل صالح کی طرف لوٹ آؤ؟

﴿وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى﴾

''اور میں تمہارے رب کی طرف تمہاری راہ نمائی کروں کہ تم ڈرنے لگ جاؤ؟'' (19)

سوال1: ﴿وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى﴾ ''اور میں تمہارے رب کی طرف تمہاری راہ نمائی کروں کہ تم ڈرنے لگ جاؤ؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ﴾ ''اور میں تمہارے رب کی طرف تمہاری راہ نمائی کروں'' یہ تزکیہ کی تفسیر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی مغفرت کی ہدایت ہے۔(تفسیر البحر المحیط:398/10)

(2) یعنی میں رب کی رضامندی اور ناراضگی کو آپ پر واضح کردوں۔(3) یعنی آپ کی راہنمائی میری ذمہ داری ہے۔

(4)﴿فَتَخْشٰى﴾ ''کہ تم ڈرنے لگ جاؤ؟'' نسفی رحمہ اللہ نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت اس کی صفات کے ذکر سے تیری راہنمائی کروں

تو آپ کے اندر خشیت پیدا ہو۔ خشیت معرفت کے بغیر پیدا نہیں ہوتی۔ (الاساس فی التفسیر: 6358/11)

(5) رب کی عبادت سے تیرا دل اللہ تعالیٰ کی طرف جھک جائے گا اور اس میں نرمی، پاکی اور نیکی پیدا ہوگی۔ (مختصر ابن کثیر 2181/2)

(6) اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ موسیٰ نے فرعون کو جو دعوت دی وہ تزکیہ نفس اور خشیت الٰہی کی تھی اور یہی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور مغفرت کا سبب ہوتی ہیں اور ان سب کا مجموعہ تقویٰ ہے۔ تقویٰ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا اثر ہے اور تزکیہ نفس اللہ تعالیٰ کی معرفت اور تقویٰ سے ہوتا ہے۔ (الاساس: 6359/11)

(7) علم ہدایت کے پیچھے آتا ہے اور خشیت علم کے پیچھے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ۭ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰۗؤُا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ﴾ ''اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور مویشیوں کے رنگ بھی مختلف ہیں، درحقیقت اللہ تعالیٰ کے بندوں میں صرف علم رکھنے والے ہی اُس سے ڈرتے ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب، بے حد بخشنے والا ہے۔'' (فاطر: 28) (تفسیر المحرر الوجیز: 433/5)

﴿فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى﴾

''چنانچہ موسیٰ نے اُس کو بڑی نشانی دکھائی'' (20)

سوال 1: ﴿فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى﴾ ''چنانچہ موسیٰ نے اُس کو بڑی نشانی دکھائی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى﴾ ''چنانچہ موسیٰ نے اُس کو بڑی نشانی دکھائی'' فرعون نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے معجزے کا مطالبہ کر دیا وہ صاحب اقتدار تھا تکبر چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوا اس نے پوچھا کیا تم اپنی نبوت کی تائید میں کوئی نشانی دکھا سکتے ہو؟ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں عصا پھینکا جو بہت بڑا اژدھا بن گیا جس سے درباری سہم گئے۔ آخر کار فرعون نے سیدنا موسیٰ سے التجا کی کہ وہ اژدھا سنبھال لیں چنانچہ انہوں نے آگے بڑھ کر اژدھے کو پکڑا تو وہ ان کے ہاتھ میں عصا بن گیا۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ (۱۰۷) وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَاۗءُ لِلنّٰظِرِيْنَ (۱۰۸)﴾ ''تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی پھینکی تو اچانک وہ ایک ظاہر اژدھا تھی۔ اور اُس نے اپنا ہاتھ نکالا تو اچانک وہ دیکھنے والوں کے لیے سفید چمکتا ہوا تھا۔'' (الاعراف: 108،107)

﴿فَكَذَّبَ وَعَصٰى﴾

''تو اُس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی'' (21)

سوال 1: ﴿فَكَذَّبَ وَعَصٰى﴾ ''تو اُس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَكَذَّبَ﴾ ''تو اُس نے جھٹلایا'' فرعون نے حق کو جھٹلایا۔

(2) ﴿وَعَصٰى﴾ ''اور نافرمانی کی'' اور اس بات کی مخالفت کی کہ وہ اطاعت کرے اور حاصل یہ ہے کہ اس کے دل نے کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ کے نبی سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دل موہ لینے والی نصیحتوں اور دلائل نے اس کے دل کو نرم نہ کیا۔ وہ اپنی ظاہری اور باطنی گندگیوں میں ہی لتھڑا رہا۔

(3) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ''اگرچہ اس کے دل میں آپ کی صداقت کا یقین تھا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ آپ پر ایمان بھی لاتا کیونکہ معرفت اور چیز ہے اور ایمان اور چیز۔ اگر ایمان لے آتا تو حق کے آگے جھک جاتا اور انکار نہ کرتا''۔ (مختصر ابن کثیر:2/2182)

﴿ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى﴾

''پھر واپس پلٹا کہ بھاگ دوڑ کرتا تھا'' (22)

سوال 1: ﴿ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى﴾ ''پھر واپس پلٹا کہ بھاگ دوڑ کرتا تھا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى﴾ ''پھر واپس پلٹا کہ بھاگ دوڑ کرتا تھا'' یعنی وہ حق کا مقابلہ کرنے اور اس کے خلاف جنگ کرنے کے لئے سامان فراہم کرنے چلا تاکہ جادوگروں کو جمع کر کے ان کا سیدنا موسیٰ سے مقابلہ کروائے۔

﴿فَحَشَرَ فَنَادٰى﴾

''پھر اس نے جمع کیا، پس پکارا'' (23)

سوال 1: ﴿فَحَشَرَ فَنَادٰى﴾ ''پھر اس نے جمع کیا، پس پکارا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَحَشَرَ﴾ ''پھر اس نے جمع کیا'' اس نے لوگوں کو جمع کیا۔ (2) اس کے پیروکار اور قوم کے لوگ جمع ہو گئے۔ (تفسیر جامع البیان 30/43)

(3) ﴿فَنَادٰى﴾ ''پس پکارا'' پھر اس نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جنگ کا اعلان کیا۔

﴿فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾

''پس اس نے کہا: ''میں تمہارا سب سے بلند رب ہوں'' (24)

سوال 1: ﴿فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ ''پس اس نے کہا: ''میں تمہارا سب سے بلند رب ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ ''پس اس نے کہا: ''میں تمہارا سب سے بلند رب ہوں'' فرعون نے جادوگروں کا سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کروایا اور وہ مات کھا گئے تو بہت سے لوگ سیدنا موسیٰ پر ایمان لانے لگے اس وقت فرعون نے کہا کہ تم میرے مقابلے میں اس کی پیروی کرنے لگے ہو جو ایک کمزور انسان ہے میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

(2) چالیس سال پہلے فرعون نے کہا تھا:﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ ''اور فرعون نے کہا'' اے اہلِ دربار! میں تو اپنے سوا تمہارے لیے کسی معبود کو نہیں جانتا۔ تو اے ہامان! میرے لیے مٹی پر آگ جلاؤ، پھر میرے لیے ایک محل بنوادو تاکہ میں موسیٰ کے معبود کو جھانک کر دیکھوں، اور یقیناً میں ضرور اُسے جھوٹوں میں سے سمجھتا ہوں۔'' (القصص:38)

(3) اب اس نے یہ دعویٰ کیا کہ میں ہی تمہارا سب سے اونچا رب ہوں۔

﴿فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى﴾

''تو اللہ تعالیٰ نے اُسے آخرت اور دنیا کے عذاب میں پکڑ لیا'' (25)

سوال1: ﴿فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى﴾ ''تو اللہ تعالیٰ نے اُسے آخرت اور دنیا کے عذاب میں پکڑ لیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى﴾ ''تو اللہ تعالیٰ نے اُسے آخرت اور دنیا کے عذاب میں پکڑ لیا'' اللہ تعالیٰ نے فرعون سے انتقام لیا اور اس کی سزا کو دنیا میں سرکشوں کے لئے باعث عبرت بنایا اور آخرت کے عذاب کے لئے دلیل بنایا۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ﴾ اور ہم نے اس دنیا میں بھی اُن کے پیچھے لعنت لگادی ہے اور قیامت کے دن وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے۔ (القصص:42)

(3) اللہ رب العزت نے فرعون کی سزا کو تنبیہ کرنے والا بنادیا۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى﴾

''بلاشبہ اس میں یقیناً ہر اُس شخص کے لیے بڑی عبرت ہے جو ڈرتا ہے'' (26)

سوال1: ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى﴾ ''بلاشبہ اس میں یقیناً ہر اُس شخص کے لیے بڑی عبرت ہے جو ڈرتا ہے۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً﴾ ''بلاشبہ یقیناً اس میں بڑی عبرت ہے'' یعنی فرعون کی عبرت ناک سزا میں نصیحت ہے۔

(2) ﴿لِّمَنْ يَّخْشٰى﴾ ''ہر اُس شخص کے لے جو ڈرتا ہے'' یعنی ڈر کر نصیحت ماننے والوں کے لئے عبرت ہے۔ (مختصر ابن کثیر:2/2218)

(3) یعنی اس قصہ میں بہت سی باتیں سوچنے اور عبرت پکڑنے کی ہیں۔ بشرطیکہ آدمی کے دل میں تھوڑا بہت ڈر ہو۔ (ربط) موسیٰ اور فرعون کا قصہ درمیان میں استطرادًا آگیا تھا۔ آگے پھر اسی مضمون قیامت کی طرف عود کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی:2/855)

(4) کیونکہ جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہی آیات الٰہی اور عبرتوں سے مستفید ہوتا ہے۔لہٰذا جب وہ فرعون کی سزا پر غور کرے گا تو اسے اس حقیقت کی معرفت حاصل ہو جائے گی کہ جو کوئی تکبر اور نافرمانی کرتا ہے اور مالک اعلیٰ کا مقابلہ کرتا ہے اسے دنیا و آخرت میں سزا ملتی ہے۔جس کسی دل سے خشیت الٰہی رخصت ہو جاتی ہے تو اس کے پاس چاہے ہر قسم کی نشانی کیوں نہ آجائے وہ ایمان نہیں لاتا۔(سعدی:2609/3)

رکوع نمبر 4

﴿ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰهَا﴾

''کیا تم تخلیق میں زیادہ مشکل ہو یا آسمان؟ اللہ تعالیٰ نے اُس کو بنایا'' (27)

سوال 1:﴿ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰهَا﴾''کیا تم تخلیق میں زیادہ مشکل ہو یا آسمان؟ اللہ تعالیٰ نے اُس کو بنایا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰهَا﴾''کیا تم تخلیق میں زیادہ مشکل ہو یا آسمان؟ اللہ تعالیٰ نے اُس کو بنایا'' رب العزت نے فرعون کا واقعہ بیان کرنے کے بعد اصل موضوع عقیدہ آخرت کی طرف رجوع کرتے ہوئے موت کے بعد کی زندگی کا انکار کرنے والوں سے سوال کیا ہے۔

(2) سوال یہ ہے کہ آسمانوں کی اور کائنات کی تخلیق زیادہ مشکل کام ہے یا تمہاری تخلیق؟ رب العزت نے فرمایا:﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾''یقیناً آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسانوں کو پیدا کرنے سے زیادہ بڑا کام ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔''(غافر:57)﴿اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۚ بَلٰى ۤ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ﴾''اور کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اُس پر قادر نہیں ہے کہ اُن جیسوں کو پیدا کر سکے؟ کیوں نہیں! اور وہ سب کچھ پیدا کرنے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''(یٰسین:81)

(3) اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے اظہار کے لئے تخلیق کا سوال کیا ہے کہ یہ بتاؤ تمہیں پیدا کرنا مشکل ہے یا وسیع آسمانوں کو۔

(4) اللہ تعالیٰ نے دوسری زندگی کو ثابت کرنے کے لئے تخلیق کا سوال کیا ہے کہ جو پہلی بار پیدا کر سکتا ہے اُس کے لئے دوسری بار پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

﴿رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا﴾

''اس نے اُس کی چھت بلند کی، پھر اسے ٹھیک ٹھاک ہموار بنا دیا'' (28)

سوال 1:﴿رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا﴾''اس نے اُس کی چھت بلند کی، پھر اسے ٹھیک ٹھاک ہموار بنا دیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿رَفَعَ سَمْكَهَا﴾''اس نے اُس کی چھت بلند کی'' آسمان محض حدِ نگاہ کا نام نہیں جیسا کہ موجودہ ہیئت دانوں کا خیال ہے بلکہ آسمان ایک ٹھوس اور موٹی یا دبیز چیز ہے جس میں دروازے بھی ہیں اور آسمان کی اونچائی زمین کے ہر مقام سے یکساں ہے کیونکہ اس کی نچلی اور اوپر دونوں سطحوں کو ہموار بنایا گیا ہے۔(تیسیر القرآن:592/4)

(2)﴿فَسَوّٰىهَا﴾''پھر اسے ٹھیک ٹھاک ہموار بنادیا'' اللہ تعالیٰ نے اس کی چھت بلند کی، اس کو درست اور ہموار کیا۔ اب اس میں کوئی کجی نہیں، کوئی خلل نہیں۔(3) یعنی اس کو محکم اور مضبوط بنا کر جو عقل کو حیران اور خرد کو گم کر دیتا ہے۔(تفسیر سعدی:2906/3)

﴿وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا﴾

''اور اس کی رات کو تاریک کیا اور اس کے دن کی روشنی کو نکالا''(29)

سوال1:﴿وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا﴾''اور اس کی رات کو تاریک کیا اور اس کے دن کی روشنی کو نکالا۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا﴾''اور اس کی رات کو تاریک کیا'' یعنی اللہ تعالیٰ رات کو تاریک کرتا ہے تو یہ تاریکی آسمان پر پھیلتی ہے اور زمین کو تاریک کر دیتی ہے۔

(2)﴿وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا﴾''اور اس کے دن کی روشنی کو نکالا'' یعنی آسمان میں سورج پیدا کیا ہے۔ جب تک وہ اہل زمین کے سامنے رہتا ہے تو یہ ان کے لیے دھوپ کا وقت اور دن ہوتا ہے اور جب وہ غروب ہو جاتا ہے اور چھپا رہتا ہے تو یہ ان کے لیے رات کا وقت ہوتا ہے۔
(تیسیر القرآن:592/4)

﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا﴾

''اور اس کے بعد اُس نے زمین کو بچھایا''(30)

سوال1:﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا﴾''اور اس کے بعد اُس نے زمین کو بچھایا'' زمین کو ہموار کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب:(1)﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ﴾''اور اس کے بعد اُس نے زمین کو'' یعنی آسمان کی تخلیق کے بعد زمین کو تخلیق کیا۔

(2)﴿دَحٰهَا﴾''اس کو بچھایا'' زمین کو بچھانے اور ہموار کرنے سے مراد اس کو رہائش کے قابل بنانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے سارے انتظامات کئے مثلاً پانی اور خوراک پیدا کی اور زمین کا توازن پہاڑوں کے ذریعے قائم کیا۔

(3) یعنی اس کے اندر منافع ودیعت کیے۔(تفسیر سعدی:906/32)

﴿اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا﴾

''اس سے اُس کا پانی اوراُس کا چارہ نکالا'' (31)

سوال1:﴿اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا﴾ ''اس سے اُس کا پانی اوراُس کا چارہ نکالا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا﴾ ''اس سے اُس کا پانی نکالا'' اللہ تعالیٰ نے زمین سے اس کا پانی نکالا۔زمین کے تین حصے پانی اور ایک حصہ خشکی ہے۔وہ پانی جوسمندروں سے بھاپ بن کر اڑتا ہے اوپر جاکر ٹھنڈا ہوتا ہے بادلوں کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوائیں اسی پانی کواس علاقے تک اڑا کرلے جاتی ہیں جہاں بارش برسانے کا حکم ہوتا ہے۔یوں زمین کا پانی بارش کے ذریعے زمین کے مختلف حصوں میں پہنچا دیا جاتا ہے پھر کچھ پانی جواوپر رک جاتا ہے اور کچھ پانی زمین کے اندر جذب ہوجاتا ہے جس کو بوقت ضرورت نکالا جاتا ہے۔

(2)﴿وَمَرْعٰهَا﴾ ''اوراُس کا چارہ'' یعنی طرح طرح کے پھل، پھول، سبزیاں اور جانورں کے لئے چارہ پیدا کیا۔

﴿وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا﴾

''اور پہاڑ، اس نے انہیں گاڑھ دیا'' (32)

سوال1:﴿وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا﴾ ''اور پہاڑ، اس نے انہیں گاڑ دیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا﴾ ''اور پہاڑ، اس نے انہیں گاڑ دیا'' یعنی زمین پر پہاڑوں کا بوجھ ڈال دیا۔

(2) یعنی انہیں زمین پر مضبوطی سے جمایا، آسمانوں کی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ نے زمین کو پھیلا کر ہموار کیا۔جیسے کہ ان آیات کریمہ میں منصوص ہے اور رہی خود زمین کی تخلیق تو یہ آسمان کی تخلیق سے متقدم ہے۔﴿قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (9) وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ (10) ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۭ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَاۗىِٕعِيْنَ (11) فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَاۗءٍ اَمْرَهَا ۭ وَزَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ڰ وَحِفْظًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (12)﴾ ''آپ کہہ دیں کہ کیا واقعی تم اُس ذات کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں بنایا اور تم اُس کے لیے شریک بناتے ہو؟ وہی تو سارے جہانوں کا رب ہے۔اوراُس نے زمین میں اُس کے اوپر سے گڑے ہوئے پہاڑ بنادیے اوراُس میں برکتیں رکھ دیں اوراُس میں اُس کی غذائیں اندازے سے رکھ دیں چار دنوں میں، (جواب) برابر ہے سوال کرنے والوں کے لیے۔پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ ایک دُھواں تھا تو اُس نے اس سے اور زمین سے کہا: ''تم دونوں آجاؤ خوشی سے یا ناخوشی سے۔'' دونوں نے کہا: ''ہم خوش ہوکر آگئے ہیں تو اُس نے دو دنوں میں اُن کو پورا سات آسمان بنادیا اوراُس نے ہر

آسمان میں اُس کا کام وحی کر دیا اور ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے زینت دی اور محفوظ کر دیا، یہ اندازہ ہے سب پر غالب، سب کچھ جاننے والے کا۔" (حم السجدۃ:9،12)(تفسیر سعدی:2910/3)

(3) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا وہ ہلنے لگی پروردگار نے پہاڑوں کو پیدا کر کے زمین پر گاڑ دیا جس سے وہ ٹھہر گئی فرشتوں کو اس سے سخت تر تعجب ہوا اور پوچھنے لگے اللہ تعالیٰ تیری مخلوق میں ان پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت چیز کوئی اور ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں لوہا، پوچھا اس سے بھی زیادہ سخت؟ فرمایا آگ، اس سے بھی زیادہ سخت؟ فرمایا ہاں پانی، پوچھا اس سے بھی زیادہ سخت؟ فرمایا ہوا، پوچھا پروردگار کیا تیری مخلوق میں اس سے بھاری کوئی اور چیز ہے؟ فرمایا ہاں ابن آدم وہ یہ ہے کہ اپنے دائیں ہاتھ سے جو خرچ کرتا ہے اس کی خبر بائیں ہاتھ کو بھی نہیں ہوتی۔ (تفسیر ابن کثیر:493/5)

﴿مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ﴾

"جو تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لیے زندگی کا سامان ہیں" (33)

سوال1: ﴿مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ﴾ "جو تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لیے زندگی کا سامان ہیں" اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَتَاعًا لَّكُمْ﴾ "جو تمہارے لیے زندگی کا سامان ہیں" یعنی زمین سے چشموں کا نکالنا غلے، پھل، پھول اگانا، پہاڑوں سے اس کا توازن برقرار رکھنا یہ ساری بہاریں انسان کے لئے ہیں۔

(2) ﴿وَلِاَنْعَامِكُمْ﴾ "اور تمہارے مویشوں کے لئے" اور تمہارے جانوروں سے فائدہ اٹھانے کے لیے ہیں۔ جانور بھی بالآخر انسانوں ہی کے کام آتے ہیں۔

(3) جس نے بڑے بڑے آسمان، ان کی روشنیاں، اجرام فلکی، گرد بھری اور کثیف زمین، اس کے اندر مخلوق کی ضروریات اور ان کی منفعتیں ودیعت کر دیں، وہ ضرور مکلف مخلوق کو دوبارہ زندہ کرے گا اور ان کو ان کے اعمال کی جزا سزا دے گا۔ پس جس نے نیکی کی اس کے لیے بھلائی ہے اور جس نے برائی کی وہ صرف اپنے نفس کو ملامت کرے۔ (تفسیر سعدی:2907/3)

﴿فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى﴾

"پھر جب ہر چیز پر چھا جانے والی بہت بڑی مصیبت آجائے گی" (34)

سوال1: ﴿فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى﴾ "پھر جب ہر چیز پر چھا جانے والی بہت بڑی مصیبت آجائے گی۔" اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى﴾ ''پھر جب ہر چیز پر چھا جانے والی بہت بڑی مصیبت آجائے گی۔'' یعنی جب وہ سب سے بڑی مصیبت یعنی قیامت کا دن آجائے گا۔

(2) قیامت کی سختی کے سامنے ہر مصیبت کم ہے اس وقت انسان اپنے ہر رشتے سے غافل ہو جائے گا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ﴾ ''بلکہ قیامت اُن کے وعدے کا وقت ہے اور قیامت زیادہ بڑی آفت اور زیادہ تلخ ہے۔'' (القمر:46)

﴿يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى﴾

''جس دن انسان یاد کرے گا جو اس نے کوشش کی'' (35)

سوال1:﴿يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى﴾ 'جس دن انسان یاد کرے گا جو اس نے کوشش کی' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى﴾ 'جس دن انسان یاد کرے گا جو اس نے کوشش کی'' قیامت کے دن انسان کو اپنے اعمال یاد آئیں گے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى﴾ ''اور اُس دن جہنم کو لایا جائے گا، اُس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا اور اب اُس کے لیے نصیحت کہاں؟'' (الفجر:23)

(2) یعنی دنیا کے اندر اس نے اچھے اور برے جو کام کیے تھے۔ پس وہ اپنی نیکیوں میں ذرہ بھر نیکی کے اضافے کی تمنا کرے گا اور اپنی برائیوں میں ذرہ بھر اضافے پر غم زدہ ہو جائے گا۔ تب اسے اپنے اس نفع اور خسارے کی حقیقت معلوم ہوگی جو اس نے دنیا کے اندر کمایا۔ اعمال کے سوا تمام اسباب اور تعلقات منقطع ہو جائیں گے جو وہ دنیا کے اندر رکھتا تھا۔ (تفسیر السعدی:2907/3، 2908)

(3) سیدنا عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک اعرابی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! لوگوں میں سے سب سے بہتر شخص کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس کی عمر لمبی ہو اور عمل نیک ہو۔ (سنن ترمذی:2329)

(4) مسند امام احمد میں معتبر سند سے محمد بن ابی عمیرہ کی روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص عمر بھر نیک کاموں میں جہاں تک ہو سکا لگا رہا اس کو بھی اس دن یہ پچھتاوا ہوگا کہ اس نے اور زیادہ نیک عمل کیوں نہیں کیے کہ زیادہ ثواب کا مستحق ٹھہرتا۔ (ترمذی ابواب صفۃ القیامۃ:82/2)

﴿وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى﴾

''اور ہر شخص کے لیے جو دیکھتا ہے، اس پر جہنم ظاہر کر دی جائے گی'' (36)

سوال1:﴿وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى﴾ ''اور ہر شخص کے لیے جو دیکھتا ہے، اس پر جہنم ظاہر کر دی جائے گی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَبُرِّزَتِ الۡجَحِيۡمُ لِمَنۡ يَّرٰى﴾ ''اور ہر شخص کے لیے جو دیکھتا ہے، اس پر جہنم ظاہر کردی جائے گی'' اس دن جہنم کو ہر ایک کے سامنے ظاہر کردیا جائے گا خواہ وہ نیک ہو یا بد۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتۡمًا مَّقۡضِيًّا﴾ ''اور تم میں سے ہر شخص اس پر سے گزرنے والا ہے، یہ ہمیشہ سے آپ کے رب کی حتمی بات ہے جس کا فیصلہ کیا ہوا ہے''۔(مریم:71)

(2) اس دن لوگ اپنی آنکھوں سے جہنم دیکھ لیں گے۔ کیونکہ وہ ان کے سامنے گھسیٹ کر لائی جائے گی۔ (مختصر ابن کثیر:2/2183)

(3) جہنم ان لوگوں کو پکڑنے کے لئے تیار ہوگی جن کے لئے اسے تیار کیا گیا۔

(4) سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک ضرور اللہ تعالیٰ سے اس حال میں کلام کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔ بندہ دائیں دیکھے گا تو اسے اپنے اعمال نظر آئیں گے، بائیں دیکھے گا تو اپنے اعمال نظر آئیں گے، پھر اپنے آگے دیکھے گا تو سوائے آگ کے کچھ نہیں دیکھ پائے گا۔ جو اس کے چہرے کے سامنے ہوگی۔ سو تم آگ سے بچو، چاہے کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر ہی سہی۔ (مسلم:2348)

سوال 2: جہنم کو دیکھنے والوں کے لئے کیوں ظاہر کیا جائے گا؟

جواب:(1) کافروں کے لئے جہنم یوں ظاہر کی جائے گی کہ وہ دیکھ لیں کہ ان کا ہمیشہ ہمیشہ کا ٹھکانہ کون سا ہے۔ کافر اسے دیکھ کر دہشت زدہ ہوجائیں گے اور غم میں مبتلا ہوجائیں گے۔

(2) مومنوں کے لئے جہنم ظاہر کی جائے گی تو وہ شکر کریں گے کہ ایمان اور عملِ صالح کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں بچالیا۔

﴿فَاَمَّا مَنۡ طَغٰى﴾

''مگر جس نے سرکشی کی'' (37)

سوال 1: ﴿فَاَمَّا مَنۡ طَغٰى﴾ ''مگر جس نے سرکشی کی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿فَاَمَّا مَنۡ طَغٰى﴾ ''مگر جس نے سرکشی کی'' یعنی جس نے سرکشی کی، حد سے تجاوز کیا، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کیں، بڑے بڑے گناہ کیے اور اللہ تعالیٰ کی حدود توڑ دیں۔

﴿وَاٰثَرَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا﴾

''اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی'' (38)

سوال 1: ﴿وَاٰثَرَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا﴾ ''اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) ﴿وَاٰثَرَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا﴾ ''اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی'' یعنی دنیا کی زندگی کو ہمیشہ رہنے والی آخرت کی زندگی پر ترجیح دی اور

دنیا کی خواہشات کے پیچھے بھاگتا رہا اس کا وقت، صلاحیتیں، قوتیں، مال اور اولاد دنیا کے لئے ہی رہے اور اس نے آخرت اور اس کے لئے عمل کو بھلا دیا۔

(2) جو اپنی دنیا سے محبت رکھتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے اور جو اپنی آخرت سے محبت رکھتا ہے وہ اپنی دنیا کو نقصان پہنچاتا ہے۔ (احمد، بزار، طبرانی۔ حاکم) (3) دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔ (ابن ابی الدنیا، بیہقی)

(4) زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے آپ نے پانی منگوایا' لوگوں نے شہد کا شربت پیش کر دیا، جب وہ شربت کا پیالہ منہ کے قریب لے گئے تو بے اختیار رونے لگے' انہیں روتا ہوا دیکھ کر رفقاء بھی رونے لگے رفقاء تو کچھ دیر رو کر چپ ہو گئے لیکن آپ روتے ہی رہے رفقاء کو خیال ہوا کہ شاید ہم نے رونے کا سبب دریافت نہ کر سکیں گے، راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ نے اپنی آنکھیں پونچھیں، ہم نے دریافت کیا: اے خلیفہ رسول! آپ کو کس چیز نے اتنا رونے پر مجبور کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا' میں نے دیکھا کہ آپ اپنے جسم مبارک سے کسی چیز کو ہٹا رہے ہیں لیکن وہ چیز نظر نہیں آ رہی تھی' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آپ اپنے جسم مبارک سے کیا چیز ہٹا رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ دنیا مجسم ہو کر میرے سامنے آئی' میں نے اس سے کہا مجھ سے دور رہ' پھر آئی اور مجھ سے کہنے لگی کہ اگر آپ مجھ سے بچے رہیں گے تو آپ کے بعد والے لوگ تو نہیں بچیں گے۔ (بزار، حاکم، بیہقی)

(5) دنیا کو ترجیح دینے کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''بڑا تعجب اس شخص پر ہوتا ہے جو دائمی گھر (آخرت) کی تصدیق کرنے کے باوجود دنیا کے لئے کوشاں ہو۔'' (ابن ابی الدنیا)

(6) دنیا کی حقیقت کو رسول اللہ ﷺ نے مختلف جگہ واضح کیا۔ رسول اللہ ﷺ ایک کوڑی پر کھڑے ہوئے اور لوگوں سے ارشاد فرمایا: ''ھلموا الی الدنیا'' آؤ دیکھو دنیا کیسی ہوتی ہے آپ نے اس کوڑی سے ایک سڑا ہوا کپڑا اور گلی سڑی ہڈیاں لیں' اور فرمایا: ''ھذہ الدنیا'' یہ ہے دنیا۔ (ابن ابی الدنیا)

(7) نبی ﷺ نے فرمایا: دنیا میٹھی اور سرسبز ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں خلیفہ بناتا ہے تاکہ دیکھے کہ تم کس طرح عمل کرتے ہو۔ بنی اسرائیل کے لیے جب دنیا وسیع ہوئی تو وہ زیور' عورتوں' خوشبو اور کپڑوں کے سلسلے میں حیران رہ گئے۔ (ترمذی)

(8) دنیا اس کا گھر ہے جس کے پاس گھر نہ ہو اور اس کا مال ہے جس کے پاس مال نہ ہو' دنیا کے لیے وہ جمع کرتا ہے جس کو عقل نہ ہو اور اس پر وہ جھگڑتا ہے جس کو علم نہ ہو اور وہ اس پر حسد کرتا ہے جس کو سمجھ نہ ہو اور اس کے لیے وہ کوشاں رہتا ہے جسے یقین نہ ہو۔ (احمد)

(9) سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے تین جز بنائے ہیں ایک جز مومن کے لیے ایک جز منافق کے لیے' اور ایک جز کافر کے لیے۔ مومن اس دنیا سے راہ آخرت کے لیے توشہ لیتا ہے' منافق ظاہر کی آرائش پر توجہ دیتا ہے، اور کافر دنیا میں کامیابی

حاصل کرتا ہے۔کسی کا مقولہ ہے کہ دنیا مردار ہے، اگر کوئی دنیا چاہے تو اسے کتوں کی معاشرت پر صبر کر لینا چاہیے۔

(10) سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی ذلت کے لیے صرف اتنی بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی دنیا ہی کے سلسلے میں ہوتی ہے اور رضائے الٰہی دنیا ترک کر کے ہی حاصل ہوتی ہے۔

(11) سیدنا ابوامامۃ الباہلی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ابلیس کے پاس اس کے چیلے آئے اور کہنے لگے کہ ایک نئے نبی مبعوث ہوئے ہیں اور ایک نئی امت ظہور میں آئی ہے، ابلیس نے دریافت کیا کہ کیا وہ لوگ دنیا سے محبت رکھتے ہیں شیاطین نے جواب دیا، ہاں ان کے دلوں میں دنیاوی مال ومتاع کی محبت ہے ابلیس نے کہا تب مجھے کوئی اندیشہ نہیں ہے، اگر وہ بت پرستی نہ کریں تب بھی کوئی مضائقہ نہیں میں صبح وشام انہیں تین باتیں سکھلاؤں گا، ایک کسی کا مال ناحق لینا، دوسرے اسے بے موقع صرف کرنا، تیسرے ان مواقع پر خرچ نہ کرنا جہاں خرچ کرنا واجب ہے، اور مال کی محبت ہی شر کا اصل منبع ہے۔

(12) ایک شخص نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے دنیا کے بارے میں کچھ بتائیں آپ نے ارشاد فرمایا: میں ایسے مکان کی کیا تعریف کروں جس میں صحت مند بیمار ہو جاتا ہے، جو محفوظ رہتا ہے وہ ندامت اٹھاتا ہے جو محتاج ہوتا ہے وہ غم کرتا ہے اور جو اس میں بے نیازی سے کام لیتا ہے وہ آزمائش میں مبتلا ہو جاتا ہے اس کے حلال میں حساب ہے اور حرام میں عذاب ہے اور مشتبہ میں عقاب ہے، ایک مرتبہ اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا: مختصر بتلاؤں یا مفصل عرض کیا گیا مختصر بتلائیے، دنیا کے حلال میں حساب ہے اور حرام میں عذاب ہے۔

(13) مالک ابن دینار کہتے ہیں جتنا تم دنیا کے لیے غم کرو گے اتنا ہی آخرت کی فکر کم ہو گی اور جتنی تمھیں آخرت کی فکر ہو گی اتنا ہی دنیا کا غم کم ہو گا۔

(14) سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: خدا کی قسم! میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جن کی نگاہوں میں دنیا کی وقعت اس مٹی سے زیادہ نہیں تھی جن پر تم چلتے ہو انہیں یہ پروا نہیں تھی کہ دنیا طلوع ہو گئی ہے یا غروب یا کدھر سے آئی تھی اور کدھر چلی گئی۔ سیدنا لقمان نے اپنے صاحبزادے کو نصیحت کی کہ اے بیٹے! جب سے تو پیدا ہوا ہے دنیا پیچھے ہٹ رہی ہے اور آخرت سامنے آ رہی ہے اپنے آپ کو ایسی جگہ پہنچا جو منزل کے قریب تر ہو۔ ﴿قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰى (۱۴) وَذَكَرَ اسۡمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (۱۵) بَلۡ تُؤۡثِرُوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا (۱۶) وَالۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى (۱۷)﴾ ’’یقیناً کامیاب ہو گیا وہ جو پاک ہو گیا۔ اور اس نے اپنے رب کا نام یاد کیا، پھر اس نے نماز پڑھی۔ بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت بہت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ (الاعلیٰ:14,17) (حاکم، احمد، ابن حبان)

﴿فَاِنَّ الۡجَحِيۡمَ هِىَ الۡمَاۡوٰى﴾

’’تو یقیناً جہنم اُس کا ٹھکانہ ہو گی‘‘ (39)

سوال1:﴿فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوٰى﴾ ''تو یقیناً جہنم اُس کا ٹھکانہ ہوگی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوٰى﴾ ''تو یقیناً جہنم اُس کا ٹھکانہ ہوگی'' یعنی جہنم اس کا ٹھکانا ہوگی جہاں زقوم کے تلخ اور ناگوار پھل اور کھولتا ہوا پانی، زخموں کا کچ لہو اور پیپ پینے کے لئے ہوگی۔

﴿وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى﴾

''لیکن جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور جس نے نفس کو بری خواہشات سے روکا'' (40)

سوال1:﴿وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ﴾ ''لیکن جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا'' ربّ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب:(1)﴿وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ﴾ ''لیکن جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا'' ربّ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرنے سے مراد اس کے سامنے حساب کتاب کے لئے کھڑے ہونے سے ڈرنا ہے۔ رب العزت نے فرمایا:﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ﴾ اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اُس کے لیے دو باغ ہیں۔'' (الرحمٰن:46)

(2) یعنی وہ جو دنیا میں ہر وقت اپنے اعمال کی جواب دہی کا خطرہ رکھتے ہیں۔

(3) رب العزت نے فرمایا:﴿وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ۗ إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ﴾ ''اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور مویشیوں کے رنگ بھی مختلف ہیں، درحقیقت اللہ تعالیٰ کے بندوں میں صرف علم رکھنے والے ہی اُس سے ڈرتے ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب، بے حد بخشنے والا ہے۔'' (فاطر:28)

سوال2: ربّ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرنے والے کی سوچ کیا ہو جاتی ہے؟

جواب: رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرنے والا ہمیشہ یہی سوچتا ہے کہ اگر میں نے نافرمانی کی تو مجھے ربّ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔

سوال3: ربّ کے سامنے کھڑے ہونے کے خوف سے انسان کے اندر کیا تبدیلی آتی ہے؟

جواب:(1) اس خوف سے انسان گناہوں سے بچتا ہے۔(2) اپنے آپ کو خواہشات سے روکتا ہے۔

سوال4:﴿وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى﴾ ''اور جس نے نفس کو بری خواہشات سے روکا'' نفس کو بری خواہشات سے روکنے سے کیا مراد ہے؟

(1)﴿وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى﴾''اور جس نے نفس کو بری خواہشات سے روکا''نفس کو بری خواہشات سے روکنے سے مراد اپنے آپ کو حرام کام کرنے سے روکنا ہے، جن کی طرف نفس کا میلان ہوتا ہے۔

(2)یعنی جنہوں نے اپنی آخرت کے لئے دنیا اپنے آپ کو خواہشات میں گھر جانے سے روکے رکھا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے محتاط زندگی گزاری۔

(3)یعنی جو اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا ہونے اور عدل وانصاف پر مبنی اس کی جزا سے ڈر گیا اور اس ڈر نے اس کے دل کو متاثر کیا اور اپنے نفس کو ان خواہشات سے روک لیا جو اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روکتی ہیں اور اس کی خواہشات اس چیز کے تابع ہوگئیں جو رسول ﷺ لے کر آئے ہیں اور ان خواہشات کے خلاف جدوجہد کی جو بھلائی سے روکتی ہیں۔(تفسیر سعدی:2809/3)

سوال5:نفس کو بری خواہشات سے روکنے والے کی ترجیحات کیا ہوجاتی ہیں؟

جواب:نفس کو بری خواہشات سے روکنے والا موجودہ دنیا کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔

﴿فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾

''تو یقیناً جنت اُس کا ٹھکانہ ہوگی''(41)

سوال1:﴿فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾''تو یقیناً جنت اُس کا ٹھکانہ ہوگی''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَاِنَّ الْجَنَّةَ﴾''تو یقیناً جنت''یعنی وہ مقام جو ہر نعمت پر مشتمل ہے جہاں کبھی کسی کو غم نہیں آئے گا، جہاں کبھی بڑھاپا نہیں آئے گا، جہاں کسی کی زندگی کو موت نہیں آئے گی، جہاں جو چاہیں گے ملے گا، جو مقام خوشی کا ہے، جہاں ہر نعمت ہوگی۔

(2)﴿هِيَ الْمَاْوٰى﴾''اُس کا ٹھکانہ ہوگی''ان لوگوں کا ٹھکانہ ہوگی جنہوں نے دنیا میں محتاط اور ذمہ دارانہ زندگی گزاری ہوگی۔

(3)سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت تکلیفوں سے گھری ہوئی ہے جبکہ دوزخ نفسانی خواہشات سے گھری ہوئی ہے۔(صحیح مسلم:7130)

سوال2:جنت کی قیمت انسان کو دنیا میں چُکانا پڑتی ہے۔وہ قیمت کیا ہے؟

جواب:(1)جنت کی قیمت اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔(2)جنت کی قیمت نفس کو خواہشات سے روکنا ہے۔

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا﴾

''وہ لوگ تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اُس کا وقوع کب ہوگا؟''(42)

سوال 1: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا﴾ ''وہ لوگ تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اُس کا وقوع کب ہوگا؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ﴾ ''وہ پوچھتے ہیں تم سے'' آخرت کا انکار کرنے والے اور دنیا کو ترجیح دینے والے سوال کرتے ہیں۔

(2) ﴿عَنِ السَّاعَةِ﴾ ''قیامت کے بارے میں'' یعنی قیامت، حساب اور جزا کے بارے میں۔ (ایسر التفاسیر: 5172)

(3) ﴿اَيَّانَ مُرْسٰهَا﴾ ''کہ اُس کا وقوع کب ہوگا'' اس کا وقوع، اس کا قیام کب ہوگا؟

(4) قیامت کے وقوع کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ ''وہ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کا قیام کب ہوگا؟ آپ کہہ دیں: ''یقیناً اس کا علم میرے رب ہی کے پاس ہے اس کے وقت پر اس کے سوا اسے کوئی ظاہر نہیں کرے گا، وہ (حادثہ) آسمانوں اور زمین میں بھاری ہے، تم پر وہ اچانک ہی آئے گی۔ وہ آپ سے سوال کرتے ہیں گویا آپ اس کی پوری تحقیق کرنے والے ہیں۔ آپ کہہ دیں: ''بلاشبہ اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' (الاعراف: 187)

﴿فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا﴾

''آپ کو اس کے بتانے سے کیا تعلق؟'' (43)

سوال 1: ﴿فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا﴾ ''آپ کو اس کے بتانے سے کیا تعلق؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا﴾ ''آپ کو اس کے بتانے سے کیا تعلق؟'' یعنی اس کے ذکر اور اس کی آمد کے وقت کی معرفت حاصل کرنے میں آپ کو اور ان کو کیا فائدہ؟ پس اس کا کوئی نتیجہ نہیں۔ اس لیے کہ قیامت کے وقت کے بارے میں بندوں کے علم میں کوئی دینی مصلحت ہے نہ دنیاوی مصلحت، بلکہ قیامت کے وقت کے اخفا ہی میں مصلحت ہے، اس لیے اس کے علم کو تمام مخلوق سے مخفی رکھا اور اس کے علم کو صرف اپنے لیے مخصوص رکھا۔ (تفسیر سعدی: 2909/3،2908)

سوال 2: رسول اللہ ﷺ کو قیامت کے بارے میں بتانے کی فکر کرنے سے کیوں روکا ہے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ کو بتانے کی فکر کرنے سے اس لئے روکا ہے کہ انہیں اس کے بارے میں یقینی علم نہیں تھا اور جب علم نہ ہو تو بتانے سے تعلق نہیں رہ جاتا۔

﴿اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا﴾

''تیرے رب کے پاس اُس (کے علم) کی انتہا ہے'' (44)

سوال 1: ﴿اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا﴾ ''تیرے رب کے پاس اُس (کے علم) کی انتہا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا﴾ ''تیرے رب کے پاس اُس (کے علم) کی انتہا ہے'' یعنی قیامت کا علم نہ آپ کو ہے نہ کسی اور کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اس بارے میں کوئی نہیں جانتا۔

(2) قیامت کا حتمی علم رب العزت کے پاس ہے اس نے فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ ''یقینا اللہ تعالیٰ کے پاس ہی قیامت کا علم ہے اور وہی بارش برساتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا؟ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا؟ یقینا اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ جاننے والا، پوری خبر رکھنے والا ہے۔'' (لقمان:34)

(3) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے وقت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے اس کا جواب یہ دیا تھا: ''اس کے بارے میں مسئول کو سائل سے زیادہ علم نہیں ہے۔'' (بخاری:50)

(4) ایک اور جگہ رب العزت نے فرمایا: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ ''وہ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کا قیام کب ہوگا؟ آپ کہہ دیں: ''یقینا اس کا علم میرے رب ہی کے پاس ہے اس کے وقت پر اس کے سوا اسے کوئی ظاہر نہیں کرے گا، وہ (حادثہ) آسمانوں اور زمین میں بھاری ہے، تم پر وہ اچانک ہی آئے گی۔ وہ آپ سے سوال کرتے ہیں گویا آپ اس کی پوری تحقیق کرنے والے ہیں۔ آپ کہہ دیں: ''بلاشبہ اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' (الاعراف:187)

﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا﴾

''یقینا جو اس سے ڈرتا ہے آپ اس کو ڈرانے والے ہیں'' (45)

سوال 1: ﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا﴾ ''یقینا جو اس سے ڈرتا ہے آپ اس کو ڈرانے والے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا﴾ ''یقینا جو اس سے ڈرتا ہے آپ اس کو ڈرانے والے ہیں'' یعنی آپ کا کام تو محض چوکنا کرنا ہے۔

(2) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ کا فائدہ صرف اسی شخص کو ہوتا ہے جو اس گھڑی کی آمد سے ڈرتا اور اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا ہونے سے خائف

ہے۔پس یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے سب سے اہم چیز اس کے لیے تیاری اور اس کے لیے عمل ہے۔جو کوئی قیامت پر ایمان نہیں رکھتا تو وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا اور نہ وہ اس تکلیف میں پڑتا ہے، کیونکہ یہ ایسا تعنت ہے جو تکذیب اور عناد پر مبنی ہے اور جب سائل اس حال کو پہنچ جائے تو اس کے بارے میں جواب دینا عبث ہے، احکم الحاکمین اس عبث کام سے منزہ ہے۔(تفسیر سعدی:2909/3)

(3) رب العزت نے واضح فرمایا ہے کہ:﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ ''آپ کہہ دیں: ''میں اپنی جان کے لیے کسی نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں، مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو میں ضرور بھلائیوں میں سے بہت زیادہ حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف تک نہ چھوتی، نہیں ہوں میں مگر ایک ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔'' (الاعراف:188)

(4) سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اپنی بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کے قریب والی انگلی کے اشارے سے فرمارہے تھے کہ میں ایسے وقت میں مبعوث ہوا ہوں کہ میرے اور قیامت کے درمیان صرف ان دو کے برابر فاصلہ ہے۔'' (بخاری:4936)

﴿كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا﴾

''جس دن وہ اُسے دیکھ لیں گے تو (سمجھیں گے) گویا کہ وہ نہیں ٹھہرے مگر ایک شام یا اُس کی ایک صبح'' (46)

سوال1:﴿كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا﴾ ''جس دن وہ اُسے دیکھ لیں گے تو (سمجھیں گے) گویا کہ وہ نہیں ٹھہرے مگر ایک شام یا اُس کی ایک صبح'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا﴾ ''جس دن وہ اُسے دیکھ لیں گے تو (سمجھیں گے) گویا کہ وہ نہیں ٹھہرے مگر ایک شام یا اُس کی ایک صبح'' میدان حشر میں دنیا کی زندگی بہت تھوڑی معلوم ہوگی۔

(2)﴿لَمْ يَلْبَثُوْٓا﴾ ''وہ نہیں ٹھہرے'' یعنی اپنی قبروں میں نہیں ٹھہرے﴿اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا﴾ ''مگر ایک شام یا اُس کی ایک صبح''۔ (ایسر التفاسیر:1725)

(3) دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے رب العزت نے اس وقت کے بارے میں بتایا کہ جب جہنمیوں سے پوچھا جائے گا:﴿قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ (۱۱۲) قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔـلِ الْعَاۗدِّيْنَ (۱۱۳) قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۱۱۴)﴾ ''اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تم سالوں کی گنتی میں زمین میں کتنا رہے ہو؟'' وہ کہیں گے: ''ہم ایک دن یا اس دن کا کچھ حصہ رہے ہیں، پس آپ شمار کرنے والوں سے پوچھ لیں۔'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تم تھوڑی ہی مدت رہے ہو، کاش واقعی تم بات کو جانتے ہوتے!'' (المومنون:112،114)

(4) یعنی دنیا کی زندگی ایسے لگے گی جیسے صبح یا شام کا کچھ حصہ گزرا ہو۔

سوال 2: ﴿عَشِیَّۃً﴾ کسے کہتے ہیں؟

جواب: ﴿عَشِیَّۃً﴾ ظہر سے لے کر غروبِ آفتاب تک کے وقت کو کہتے ہیں۔

سوال 3: ﴿ضُحٰی﴾ کسے کہتے ہیں؟

جواب: ﴿ضُحٰی﴾ طلوعِ شمس سے نصف النہار تک کے لئے بولا جاتا ہے۔

سوال 4: کافر جہنم کو دیکھیں گے تو ان کی کیا کیفیت ہو جائے گی؟

جواب: (1) جہنم کو دیکھ کر کافروں کو لگے گا شاید دن کا پہلا یا آخری حصہ دنیا میں رہے ہیں۔

(2) جہنم کے عذاب کو دیکھ کر دنیا کے عیش و عشرت بھول جائیں گے۔

(3) جہنم کے عذاب کو دیکھ کر دنیا کی زندگی کی اصل حقیقت سمجھ آجائے گی لیکن عمل کا وقت گزر چکا ہوگا۔

ایاتھا ۴۲ | ۸۰ سُوْرَۃُ عَبَسَ مَکِّیَّۃٌ ۲۴ | رکوعھا ۱

سوال 1: یہ سورت کب نازل ہوئی؟ اس کی کتنی آیات اور کتنے رکوع ہیں؟

جواب: یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی؟ اس کی 29 آیات اور ایک رکوع ہے۔

سوال 2: ترتیب نزولی اور مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: نزولی ترتیب کے اعتبار سے یہ آٹھویں سورت ہے اور مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 81 ہے۔

رکوع نمبر 5

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰی﴾

''اس نے تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا'' (1)

سوال 1: ﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰی﴾ ''اس نے تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿عَبَسَ﴾ ''اس نے تیوری چڑھائی'' یعنی اے نبی آپ ﷺ کے چہرے کے تاثرات بدلے آپ نے ناگواری محسوس کی۔

(2) ﴿وَتَوَلّٰی﴾ ''اور منہ پھیر لیا'' اور آپ نے اپنا رخ موڑ لیا یعنی آپ ﷺ کی شان اور آپ کے اعلیٰ اخلاق کے لائق نہیں کہ اس نابینا سے منہ پھیر لیں جو ہمارے خوف کی وجہ سے دین سیکھنے کے لیے دوڑا آیا ہے اسے چھوڑ کر مغروروں سے بات کرتے ہیں۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰی﴾ ابن ام مکتوم کے واسطے نازل ہوئی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ مجھے دین کی راہ بتائیے اور آپ ﷺ کے پاس ایک بہت بڑا مشرک تھا اور آپ اسے سمجھا رہے تھے اور آپ ﷺ عبداللہ سے کنارہ کر رہے تھے اور اُس کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور عبداللہ کہتے تھے کہ کیا میری بات میں کچھ برائی ہے آپ ﷺ فرماتے تھے نہیں پھر آپ پر یہ سورت اتری۔ (جامع ترمذی:3331)

﴿اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی﴾

''کہ اس کے پاس ایک اندھا آیا'' (2)

سوال 1: ﴿اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی﴾ ''کہ اس کے پاس ایک اندھا آیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی﴾ ''کہ اس کے پاس ایک اندھا آیا'' نبی ﷺ کے پاس ابن ام مکتوم آئے تھے اور کہتے رہے اے اللہ کے رسول! مجھے دین کے راستے کے بارے میں بتایئے، اس وقت آپ کے پاس مشرکوں میں سے کوئی بڑا آدمی بیٹھا تھا، آپ عبداللہ ابن مکتوم سے اعراض کرتے تھے اور مشرک کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور عبداللہ کہتے تھے میری بات میں کوئی برائی ہے اور آپ کہتے تھے نہیں۔ اس بارے میں یہ سورت نازل ہوئی۔ (ترمذی، ابواب التفسیر)

(2) یعنی یہ آپ کے اخلاق کے مطابق نہیں کہ آپ ﷺ ایک اندھے سے منہ موڑ لیں جو اپنی اصلاح چاہتا ہے۔

﴿وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰی﴾

''اور آپ کو کیا چیز معلوم کرواتی شاید کہ وہ پاکیزگی حاصل کرتا'' (3)

سوال 1: ﴿وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰی﴾ ''اور آپ کو کیا چیز معلوم کرواتی شاید کہ وہ پاکیزگی حاصل کرتا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ﴾ ''اور آپ کو کیا چیز معلوم کرواتی شاید کہ وہ'' ممکن ہے یہی نابینا شخص۔

(2) ﴿يَزَّكّٰی﴾ ''پاکیزگی حاصل کرتا'' پاکیزہ زندگی گزارے۔ وہ اپنے آپ کو برے اخلاق سے پاک کر لے، اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت کرے اور برائیوں سے بچ جائے۔

(3) رب العزت نے فرمایا ﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۭ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ ''اور آپ ان لوگوں کو اپنے سے دور نہ

ہٹاؤ جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں، وہ اُس کی رضا چاہتے ہیں، اُن کے حساب میں سے آپ پر کچھ نہیں اور نہ ہی آپ کے حساب میں سے ان پر کچھ ہے، کہ آپ ان کو اپنے سے دور ہٹا دیں، پس آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔'' (الانعام:52)

(4) رب کی رضا چاہنے والوں پر توجہ دینے کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾ ''آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھیں جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں، وہ اُس کی رضا چاہتے ہیں اور آپ کی نگاہیں اُن سے آگے نہ بڑھیں، آپ دنیا کی زندگی کی زینت چاہتے ہیں اور آپ ایسے شخص کی اطاعت نہ کریں جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے چلا ہے اور جس کا معاملہ حد سے گزرا ہوا ہے''۔ (الکہف:28)

﴿اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى﴾

''یا وہ نصیحت حاصل کرتا تو نصیحت اُس کو فائدہ دیتی'' (4)

سوال 1: ﴿اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى﴾ ''یا وہ نصیحت حاصل کرتا تو نصیحت اُس کو فائدہ دیتی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَوْ يَذَّكَّرُ﴾ ''یا وہ نصیحت حاصل کرتا'' پاکیزگی اختیار کرنے کے لیے راہ نمائی اور نصیحت کی ضرورت ہوتی ہے۔

(2) ﴿فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى﴾ ''تو نصیحت اُس کو فائدہ دیتی'' جو نصیحت قبول کرتا ہے نصیحت اسے فائدہ دیتی ہے۔

(3) یا وہ کسی چیز سے نصیحت پکڑتا۔ یہ بہت بڑا فائدہ ہے (تفسیر سعدی: 3/2910) ﴿اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ﴾ ''تو کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ اُن کے لیے ایسے دل ہوں جن سے وہ سمجھتے ہوں؟ یا ایسے کان ہوں جن سے وہ سنتے ہوں، پس یقیناً آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔'' (الحج:46)

﴿اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى﴾

''لیکن جو شخص بے پروائی کرے'' (5)

سوال 1: ﴿اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى﴾ ''لیکن جو شخص بے پروائی کرے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى﴾ ''لیکن جو شخص بے پروائی کرے'' جو ایمان اور علم دین سے مال اور جاہ کے لیے بے نیازی برتے۔ (ایسر التفاسیر:1726) (2) یعنی مال اور قوت کی وجہ سے قرآن سننے سے، ہدایت اور نصیحت سے بے نیازی برتے۔ (تفسیر قاسمی: 54/17)

﴿فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى﴾

''تو آپ اُس کے پیچھے پڑتے ہیں''(6)

سوال 1:﴿فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى﴾''تو آپ اُس کے پیچھے پڑتے ہیں''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى﴾''تو آپ اُس کے پیچھے پڑتے ہیں''یعنی آپ اس کے پیچھے پڑتے ہیں اور اس کی طرف توجہ کرتے ہیں۔(2) آپ کا بے پرواہ دولت مند کی ہدایت کے لیے کوشش کرنا جو بھلائی میں دلچسپی نہیں رکھتا آپ کے لیے مناسب نہیں۔

سوال 2: رسول اللہ ﷺ کو کس طرف توجہ کرنے پر تنبیہ کی گئی؟

جواب: رسول اللہ ﷺ کو مخلص لوگوں کو چھوڑ کر اعتراض کرنے والوں کی طرف توجہ کرنے پر تنبیہ کی گئی۔

﴿وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى﴾

''حالانکہ آپ پر ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ پاک نہیں ہوتا''(7)

سوال 1:﴿وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى﴾''حالانکہ آپ پر ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ پاک نہیں ہوتا''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى﴾''حالانکہ آپ پر ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ پاک نہیں ہوتا''یعنی آپ پر اس کا کوئی بوجھ نہیں اگر وہ اسلام کے ذریعے پاکیزگی اختیار نہ کرنا چاہے کیونکہ آپ کا کام پہنچا دینا ہے۔(الاساس:6373/11)

(2) آپ پر اس کے پاکیزگی اختیار نہ کرنے کا کوئی گناہ نہیں (3) اگر وہ پاک نہیں ہونا چاہتا تو آپ اس برائی کا محاسبہ کرنے والے نہیں۔

(4) ایک مشہور شرعی قاعدہ ہے کسی امر معلوم کو کسی امر موہوم کی خاطر اور کسی مصلحت مستحققہ کو کسی مصلحت موہومہ کی خاطر ترک نہ کیا جائے۔

(تفسیر السعدی:2910/3)

﴿وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى﴾

''اور جو شخص کوشش کرتا ہوا آپ کے پاس آیا ہے''(8)

سوال 1:﴿وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى﴾''اور جو شخص کوشش کرتا ہوا آپ کے پاس آیا ہے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى﴾''اور جو شخص کوشش کرتا ہوا آپ کے پاس آیا ہے''یعنی جو علم خیر اور ہدایت کا طلب گار ہے۔(ایسر التفاسیر:1727)(2) جو اللہ تعالیٰ کے لیے علم حاصل کرتا ہے۔(قرطبی:151/10)

(3) جو اپنے دین کے کاموں میں تیزی اختیار کرتا ہے۔(البحر المحیط:407/10)

(4) مناسب یہ ہے کہ وہ طالب علم جو علم کا حاجت مند اور حصول علم کا حریص ہے اس پر دوسروں کی نسبت زیادہ توجہ دی جائے۔

(تفسیر السعدی:2910/2)

﴿وَهُوَ يَخْشٰى﴾

''اور وہ ڈرتا بھی ہے''(9)

سوال1:﴿وَهُوَ يَخْشٰى﴾''اور وہ ڈرتا بھی ہے'' آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَهُوَ يَخْشٰى﴾''اور وہ ڈرتا بھی ہے''یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور اس کی حرام کردہ چیزوں سے بچتا ہے۔(صفوۃ التفاسیر 495/3)

(2)خشیت کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے سے ڈر جائے اور اس کے خوف کے ذریعے سے اپنے نفس کو ہر اس کام سے روک لے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔(تفسیر السعدی)

﴿فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى﴾

''تو آپ اُس سے بے رُخی اختیار کرتے ہیں؟''(10)

سوال1:﴿فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى﴾''تو آپ اُس سے بے رُخی اختیار کرتے ہیں''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى﴾''تو آپ اُس سے بے رُخی اختیار کرتے ہیں''یعنی اے محمد ﷺ! تم اس نابینا سے بے رخی برت کر کفر اور گمراہی کے سرداروں کی طرف توجہ کرتے ہو۔(صفوۃ التفاسیر:495/3)

(2)یہ آیت نبی ﷺ کے ابن ام مکتوم کے اعراض اور رخ پھیرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہے۔ یہاں تک کہ آپ فقراء کے دل نہ توڑیں اور تاکہ وہ جان لیں کہ فقیر مومن غنی کافر سے بہتر ہے(تفسیر منیر:430/15)

(3)یہ آیت اسلام میں مساوات کی دلیل ہے حتیٰ کہ دعوت و تبلیغ میں فقیر اور غنی کے درمیان بھی مساوات ہے رب العزت نے فرمایا:﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۭ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾''اور آپ ان لوگوں کو اپنے سے دور نہ ہٹاؤ جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں، وہ اُس کی رضا چاہتے ہیں، اُن کے حساب میں سے آپ پر کچھ نہیں اور نہ ہی آپ کے حساب میں سے ان پر کچھ ہے، کہ آپ ان کو اپنے سے دور ہٹا دیں، پس آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔''(الانعام:52)

سوال2:رسول اللہ ﷺ کو بے رُخی برتنے کا احساس کیسے دلایا گیا؟

جواب:رسول اللہ ﷺ کے سامنے صورتِ حال رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے شعور دلایا ہے کہ ایسے لوگوں کی تو قدر کی ضرورت ہے نہ کہ ان سے بے رُخی برتی جائے۔

سوال3: ان آیات سے دعوت و تبلیغ کے بارے میں کیا راہ نمائی ملتی ہے؟

جواب: ان آیات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دعوت خاص افراد ہی کے لئے نہیں ہے۔ ہر امیر اور غریب، گورے اور کالے کو، چھوٹے اور بڑے کو، مرد و عورت کو یکساں دینی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا ہدایت سے نواز دے گا۔

﴿كَلَّآ إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ﴾

''ہرگز نہیں! یقیناً یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے'' (11)

سوال1: ﴿كَلَّآ إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ﴾ ''ہرگز نہیں! یقیناً یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كَلَّآ﴾ ''ہرگز نہیں!'' یعنی دوبارہ ایسا نہیں کرنا۔ (ایسر التفاسیر: 1728)

(2) ''ہرگز نہیں'' کہہ کر توجہ دلائی گئی ہے کہ اندھے اور غریب سے بے رُخی درست نہیں اور صاحبِ حیثیت کی طرف خصوصی توجہ دینا ٹھیک نہیں، اس لئے آئندہ ایسی بات نہ ہو۔

(3) ﴿إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ﴾ ''یقیناً یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے'' یعنی قرآن تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یاددہانی اور نصیحت ہے۔

(4) یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یاددہانی ہے جس سے اس کے بندے نصیحت کو یاد رکھتے ہیں۔ اس نے اپنی کتاب میں ہر وہ چیز بیان کردی ہے جس کی بندوں کو ضرورت ہے، اس نے گمراہی میں سے ہدایت کو واضح کردیا ہے۔

سوال2: قرآنِ مجید کی نصیحت سے کون فائدہ اُٹھاتا ہے؟

جواب: (1) جو نصیحت سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہو۔ (2) جو رب کے آگے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہو۔

(3) جو اپنے آپ کو خواہشات سے روک کر رکھتا ہو۔

﴿فَمَن شَآءَ ذَكَرَهُۥ﴾

''تو جو چاہے اُس کو یاد رکھے'' (12)

سوال1: ﴿فَمَن شَآءَ ذَكَرَهُۥ﴾ تو جو چاہے اُس کو یاد رکھے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَمَن شَآءَ﴾ ''تو جو چاہے'' یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے جو چاہے۔

(2) ﴿ذَكَرَهُۥ﴾ ''اُس کو یاد رکھے'' اس وحی کو یاد رکھے یعنی اس پر عمل کرے۔

(3) رب العزت نے واضح فرمایا ہے کہ کتاب حق ہے اور اس دنیا میں اس پر ایمان لانے یا نہ لانے کا اختیار ہے لیکن نہ ماننے والوں کا انجام رب العزت نے بتایا: ﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَن شَآءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ إِنَّآ أَعْتَدْنَا لِلظَّٰلِمِينَ نَارًا

﴿أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۚ وَإِن يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ ۚ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا﴾

''اور آپ کہہ دیں تمہارے رب کی جناب سے یہی حق ہے پھر جو چاہے سو وہ ایمان لے آئے اور جو چاہے سو وہ کفر کرے۔ یقیناً ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی لپٹیں انہیں گھیرے میں لے چکی ہیں اور اگر وہ پانی مانگیں گے تو انہیں پگھلے ہوئے تانبے جیسا پانی دیا جائے گا جو چہروں کو بھون ڈالے گا، بڑا ہی بُرا مشروب ہے اور بہت ہی بری آرام گاہ ہے۔'' (الکھف:29)

(4) جو چاہے قرآن کی باتوں کا بار بار تذکرہ کرتا رہے اور یہ بھی کہ قرآن کو زبانی یاد کر لے۔ غرض قرآن کو پڑھنا اور اس کی نصیحت پر عمل کرنا اور اسے زبانی یاد کرنا سب بڑے اجر و ثواب کے کام ہیں۔ (تیسیر القرآن:596,597/4)

(5) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور وہ اس کا حافظ ہے وہ قیامت کے دن لکھنے والے معزز فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔ اور جو قرآن اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اسے مشکل ہوتا ہے اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر)

﴿فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ﴾

''ان صحیفوں میں ہے جو قابلِ احترام ہیں'' (13)

سوال 1: ﴿فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ﴾ ''ان صحیفوں میں ہے جو قابلِ احترام ہیں'' قابلِ احترام صحیفوں سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) ﴿فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ﴾ ''ان صحیفوں میں ہے جو قابلِ احترام ہیں'' قابلِ احترام صحیفوں سے مراد ہے جو بلند قدر و گرامی شان ہیں۔ (مختصر ابن کثیر 2185/2)

(2) قرآن قابلِ احترام صحیفوں میں یعنی لوحِ محفوظ میں ہے جن کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت ہے۔ اسی میں سے قرآن نازل ہوتا رہا ہے۔

(3) قابلِ احترام صحیفوں سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان صحیفوں کا بڑا احترام ہے کیونکہ وہ علم اور حکمت سے بھرے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس تذکیر کا محل، اس کی عظمت اور اس کی رفعت قدر کا ذکر کیا۔

﴿مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ﴾

''بلند مرتبہ ہیں، پاکیزہ ہیں'' (14)

سوال 1: ﴿مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ﴾ ''بلند مرتبہ ہیں، پاکیزہ ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَّرْفُوعَةٍ﴾ ''بلند مرتبہ ہیں'' یعنی آسمان میں۔

(2) ﴿مُّطَهَّرَةٍ﴾ ''پاکیزہ ہیں'' یعنی شیطان کے چھونے سے محفوظ ہیں۔ (ایسر التفاسیر:1727)

(3) یعنی قدر و منزلت میں بلند، تمام آفات سے سلامت اور اس بات سے محفوظ کہ شیاطین کے ہاتھ اس تک پہنچ سکیں یا وہ اسے چرا سکیں۔ (تفسیر سعدی:3/2911)

(4) یعنی کیا ان مغرور سر پھروں کے ماننے سے قرآن کی عزت و وقعت ہوگی؟ قرآن تو وہ ہے جس کی آیتیں آسمان کے اوپر نہایت معزز، بلند مرتبہ اور صاف ستھرے ورقوں میں لکھی ہوئی ہیں اور زمین پر مخلص ایماندار بھی اس کے اوراق نہایت عزت و احترام اور تقدیس و تطہیر کے ساتھ اونچی جگہ رکھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی:2/858)

﴿بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ﴾

''ایسے کاتبوں کے ہاتھوں میں ہیں'' (15)

سوال 1: ﴿بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ﴾ ''ایسے کاتبوں کے ہاتھوں میں ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ﴾ ''ایسے کاتبوں کے ہاتھوں میں ہیں'' یعنی فرشتوں کے پاک ہاتھوں میں ہیں۔ (مختصر ابن کثیر:2/785)

(2) سفرہ سافر کی جمع ہے۔ (تیسیر القرآن:4/597)

(3) اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان سفیر ہیں۔ (سعدی 3/2911)

(4) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا: ''اس شخص کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے اور وہ اس کا حافظ بھی ہے، مکرم اور نیک فرشتوں جیسی ہے اور جو شخص قرآن مجید بار بار پڑھتا ہے، پھر بھی وہ اس کے لئے دشوار ہے تو اسے دوگنا ثواب ملے گا۔'' (بخاری:4937)

﴿كِرَامٍ بَرَرَةٍ﴾

''جو معزز ہیں، نیک ہیں'' (16)

سوال 1: ﴿كِرَامٍ بَرَرَةٍ﴾ ''جو معزز ہیں، نیک ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كِرَامٍ﴾ ''جو معزز ہیں'' یعنی بہت زیادہ خیر و برکت والے۔

(2) ﴿بَرَرَةٍ﴾ ''نیک ہیں'' ان کے دل اور اعمال نیک ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی کتاب کی حفاظت کے لیے ہے۔ اس نے بزرگ، طاقتور اور نیک فرشتوں کو رسولوں کے پاس بھیجنے کے لیے سفیر بنایا اور شیاطین کو اس پر کوئی اختیار نہیں دیا۔ (تفسیر السعدی:3/2911)

(3) یہ مقدس فرشتے ظاہر و باطن میں پاکیزہ اخلاق و افعال کے مالک ہیں۔ معلوم ہوا کہ قرآن پڑھنے والوں کو خلیق و کریم ہونا چاہیے۔ (مختصر ابن کثیر:2/2185)

(4) آسمان پر قرآن کو فرشتے لکھتے تھے اور اسی تحریر کے مطابق وحی اترتی تھی اور اسے دنیا میں بھی اوراق میں جمع کرنے والے بزرگ ترین پاکباز اور فرشتہ سیرت صحابہ کرام تھے جنہوں نے ہر طرح کی کمی بیشی، تغیر و تبدل اور تحریف سے اسے محفوظ رکھا۔ (مختصر ابن کثیر:2/2185)

سوال 2: حاملِ قرآن کو کیسا ہونا چاہئے؟

جواب: حاملِ قرآن کو بھی اپنے اَخلاق اور کردار کے اعتبار سے، اپنے افعال اور طور طریقوں کے اعتبار سے کِرَام ِبَرَرَة جیسا ہونا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو قرآن پڑھتا ہے اور اس کا ماہر ہے وہ معزز اور نیک فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔'' (صحیح بخاری)

﴿قُتِلَ الۡاِنۡسَانُ مَاۤ اَکۡفَرَہٗ﴾

''اللہ کی مار ہو انسان پر کس قدر وہ ناشکرا ہے!'' (17)

سوال 1: ﴿قُتِلَ الۡاِنۡسَانُ مَاۤ اَکۡفَرَہٗ﴾ ''اللہ کی مار ہو انسان پر کس قدر وہ ناشکرا ہے!'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُتِلَ الۡاِنۡسَانُ مَاۤ اَکۡفَرَہٗ﴾ ''اللہ کی مار ہو انسان پر کس قدر وہ ناشکرا ہے!'' رب العزت نے موت کے بعد کی زندگی نہ ماننے والوں کی برائی کی ہے کہ اس نے کیسے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی ہے۔ آخر کس چیز نے اسے بلا دلیل حق کو جھٹلانے پر آمادہ کیا ہے؟

(2) یہاں انسان سے مراد قرآن کو جھٹلانے والا ہے۔

(3) ﴿مَاۤ اَکۡفَرَہٗ﴾ ''کس قدر وہ ناشکرا ہے!'' کس چیز نے اسے کفر پر آمادہ کیا ہے! وہ کتنا کمزور ہے پھر کس بل بوتے پر وہ ناشکری کرتا ہے۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے کیسے انسان پر لعنت کی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اس انسان پر لعنت کی ہے جو قیامت کو جھٹلاتا ہے۔

﴿مِنۡ اَیِّ شَیۡءٍ خَلَقَہٗ﴾

''اللہ تعالیٰ نے اُسے کس چیز سے پیدا کیا ہے؟'' (18)

سوال 1: ﴿مِنۡ اَیِّ شَیۡءٍ خَلَقَہٗ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے اُسے کس چیز سے پیدا کیا ہے؟ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿مِنۡ اَیِّ شَیۡءٍ خَلَقَہٗ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے اُسے کس چیز سے پیدا کیا ہے'' انسان کو یہ دیکھنا چاہیے کہ جس رب کا وہ انکار کرتا ہے۔ اس نے اسے کتنی حقیر چیز سے بنایا ہے جس نے اسے پہلی بار بنایا کیا وہ دوبارہ بنانے پر قادر نہ ہوگا؟

﴿مِنۡ نُّطۡفَۃٍ ؕ خَلَقَہٗ فَقَدَّرَہٗ﴾

''اُسے ایک نطفے سے پیدا کیا، پس اُس کی تقدیر مقرر کی'' (19)

سوال 1: ﴿مِنۡ نُّطۡفَۃٍ ؕ خَلَقَہٗ فَقَدَّرَہٗ﴾ ''اُسے ایک نطفے سے پیدا کیا، پس اُس کی تقدیر مقرر کی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مِنۡ نُّطۡفَۃٍ ؕ خَلَقَہٗ﴾ ''اُسے ایک نطفے سے پیدا کیا'' یعنی اللہ رب العزت نے نطفے سے اس کی شکل وصورت بنائی۔ کس جگہ

اسے رکھا، پھر کتنی بے بسی کی حالت میں ماں کے پیٹ سے اسے باہر نکالا۔ اگر انسان اپنی پیدائش پر غور کرے تو کبھی اپنے خالق کا انکار نہ کرے۔

(2) انسان کی حقیقت رب العزت نے ایک اور جگہ اس طرح بیان فرمائی: ﴿اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ (٧٧) وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ (٧٨)﴾ اور کیا انسان نے دیکھا نہیں کہ یقیناً ہم نے اُسے نطفے سے پیدا کیا؟ اچانک وہ کھلم کھلا جھگڑا کرنے والا ہے۔ اور اُس نے ہمارے لیے ایک مثال بیان کی اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، اس نے کہا کہ اُن ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا حالانکہ وہ بوسیدہ ہوں گی؟ (یٰسین:77,78)

(3) ﴿فَقَدَّرَهٗ﴾ ''پس اُس کی تقدیر مقرر کی'' اللہ تعالیٰ نے ماں کے پیٹ میں نشوونما پانے کے دوران تقدیر بنائی جیسے اس کی عمر کتنی ہوگی، وہ کب اور کہاں وفات پائے گا، بدحال ہوگا یا خوش حال، وہ کفر کی حالت میں مرے گا یا ایمان کی حالت میں۔

﴿ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ﴾

''پھر اس نے اُس کے لیے راستہ آسان کر دیا'' (20)

سوال 1: ﴿ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ﴾ ''پھر اس نے اُس کے لیے راستہ آسان کر دیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ﴾ ''پھر اس نے اُس کے لیے راستہ آسان کر دیا'' ابو صالح نے کہا: سبیل سے مراد سبیل الرحم ہے یعنی رحم کا راستہ۔ (جامع البیان:52) (2) یعنی ماں کے پیٹ سے بچے کے لیے باہر آنا آسان بنا دیا۔

(3) یعنی حق اور باطل کا راستہ اس کے لیے واضح کر دیا اور اس پر عمل کرنا آسان بنا دیا۔

(4) یعنی اس کے لیے دینی اور دنیاوی اسباب آسان کر دیے اس کو سیدھا راستہ دکھایا اور اس کو واضح کر دیا اور امر و نہی کے ذریعے سے اس کو امتحان میں ڈالا۔ (تفسیر السعدی:2911/3)

(5) رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ ''بلاشبہ ہم نے اُس کو راستہ دکھا دیا خواہ وہ شکر کرنے والا ہو یا ناشکرا۔'' (الدھر:3) (6) یعنی شقاوت اور سعادت کا راستہ آسان کر دیا۔

(7) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾ ''اور ہم نے اُس کو دو راستے بتا دیے ہیں۔'' (البلد:10)

﴿ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ﴾

''پھر اُسے موت دی، پھر اُسے قبر میں رکھوایا'' (21)

سوال 1: ﴿ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ﴾ ''پھر اُسے موت دی'' پھر اُسے قبر میں رکھوایا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ اَمَاتَهٗ﴾ ''پھر اُسے موت دی'' اس آیت سے معلوم ہوا کہ انسان کو موت دینا بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ جب کوئی

مریض بستر مرگ پر ایڑیاں رگڑ رہا ہوتا ہے، تکلیف سے سخت بے تاب ہوتا ہے مگر اسے موت نہیں آتی۔ گھر والے اس کی مرض الموت کی وجہ سے الگ پریشان ہوتے ہیں۔ بیماری پر بے بہا مصارف اٹھتے ہیں اور وہ کوئی دوسرا کام کرنے کے قابل بھی نہیں رہتے۔ اس وقت دل سے دعا مانگتے ہیں کہ مرنے والے کو موت آجائے تاکہ اسے بھی تکلیف سے نجات ملے اور اس کے گھر والے بھی پریشانیوں سے نجات پاجائیں اگر انسان کو موت نہ آتی تو یہ زمین بنی نوع انسان کے لیے تنگ ہوجاتی۔ (تیسیر القرآن:4/598)

(2) ﴿فَاَقْبَرَهٗ﴾ ''پھر اُسے قبر میں رکھوایا'' یعنی زمین کے ذریعے اس کے مردہ جسم کی تکریم کی۔ تمام حیوانات کی طرح اس کے ساتھ سلوک نہیں کیا جن کی لاشیں سطح زمین پر پڑی رہتی ہیں۔ (تفسیر السعدی:3/2912)

(3) قبر سے مراد صرف گڑھا ہی نہیں بلکہ سمندر کی گہرائی، آگ کا الاؤ، درندوں کا پیٹ سب قبر کے حکم میں ہے (تیسیر القرآن:4/598)

سوال 2: موت کے بعد قبر میں دفنانے کا حکم کیوں دیا گیا؟

جواب: دفن کرنے کے حکم میں بڑی حکمت ہے۔ یہ انسان کے احترام کے لئے ہے ورنہ درندے اور پرندے اس کو نوچ کر کھا جاتے جس سے اُس کی بے حرمتی ہوتی۔

﴿ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ﴾

''پھر جب وہ چاہے گا اُسے دوبارہ زندہ کرے گا'' (22)

سوال 1: ﴿ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ﴾ ''پھر جب وہ چاہے گا اُسے دوبارہ زندہ کرے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ﴾ ''پھر جب وہ چاہے گا اُسے دوبارہ زندہ کرے گا'' یعنی جیسے انسان اپنی پیدائش اور موت کے بارے میں بے بس ہے اسی طرح دوبارہ زندگی سے پہلے اس سے کچھ بھی پوچھا نہیں جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اسے زندہ کر کے اٹھا کھڑا کرے گا۔

(2) پھر اس کی موت کے بعد وہ جب چاہے گا جزا و سزا کے لیے اس کو اٹھا کھڑا کرے گا۔ پس انسان کی تدبیر کرنے اور ان کے تصرفات میں اللہ تعالیٰ متفرد ہے، اس میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ بایں ہمہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے وہ اس کی تعمیل نہیں کرتا اور نہ وہ اس فرض ہی کو پورا کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر عائد کیا ہے بلکہ اس کے برعکس، وہ طلب کے تحت، ہمیشہ کوتاہی کا مرتکب رہتا ہے۔ (تفسیر السعدی:3/2912)

﴿اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ ۫ وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا

تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ''یا اس شخص کی مانند جس کا گزر ایک بستی پر ہوا جو اپنی چھتوں کے اوپر اوندھی پڑی تھی، اُس نے کہا: ''اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو کیسے زندہ کرے گا؟'' تو اللہ تعالیٰ نے اس کو سو سال تک موت دے دی، پھر اس کو زندہ کیا اور پوچھا: ''تم کتنی دیر رہے؟'' اُس نے کہا: ''میں ایک دن یا اس کا کچھ حصہ رہا،'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بلکہ تم سو سال تک رہے، سو اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو وہ بالکل بھی خراب نہیں ہوئیں اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو اور تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لیے نشانی بنائیں اور ہڈیوں کی طرف دیکھو کیسے ہم ان کو اٹھا کر جوڑتے ہیں پھر ان کو گوشت پہناتے ہیں۔'' پھر جب اس پر خوب واضح ہو گیا تو اس نے کہا: ''میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر واقعتاً پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔'' (البقرۃ:259)

(4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابنِ آدم کی ریڑھ کی ہڈی کے علاوہ سارے جسم کو مٹی کھا جاتی ہے۔ اسی سے پیدا کیا گیا اور اسی میں جمع کیے جائیں گے۔ (مسلم:7415، بخاری:4974) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے ابن آدم نے جھٹلایا حالانکہ اس کے لئے یہ مناسب نہیں تھا۔ مجھے اس نے گالی دی۔ حالانکہ اس کے لئے یہ بھی مناسب نہیں تھا۔ مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ کہتا ہے کہ میں اس کو دوبارہ نہیں پیدا کروں گا حالانکہ میرے لئے دوبارہ پیدا کرنا اس کے پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ مشکل نہیں۔ اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا بیٹا بنایا ہے۔ حالانکہ میں ایک ہوں، بے نیاز ہوں نہ میرے کوئی اولاد ہے اور نہ میں کسی کی اولاد ہوں اور نہ کوئی میرے برابر کا ہے۔ (بخاری:4974)

﴿كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ﴾

''ہرگز نہیں! اِس نے ابھی وہ پورا نہیں کیا جس کا اللہ تعالیٰ نے اُسے حکم دیا تھا'' (23)

سوال 1: ﴿كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ﴾ ''ہرگز نہیں! اِس نے ابھی وہ پورا نہیں کیا جس کا اللہ تعالیٰ نے اُسے حکم دیا تھا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ﴾ ''ہرگز نہیں! اِس نے ابھی وہ پورا نہیں کیا جس کا اللہ تعالیٰ نے اُسے حکم دیا تھا'' یعنی انسان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار بندہ بن کر رہے عبودیت اس کی فطرت میں رکھی گئی۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کے ذریعے اسے اپنے مقصدِ زندگی سے آگاہ کیا گیا۔ مگر اس نے اپنے مالک کا حق نہیں پہنچانا اسے جو حکم دیا گیا تھا اس نے اسے پورا نہیں کیا۔

سوال 2: كَلَّا ''ہرگز نہیں'' سے یہاں کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ معاملہ ایسا نہیں جیسا کفر کرنے والے کہتے ہیں۔

﴿فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ﴾

''تو انسان اپنے کھانے کی طرف ضرور دیکھے'' (24)

سوال1:﴿فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ﴾ ''تو انسان اپنے کھانے کی طرف ضرور دیکھے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ﴾ ''تو انسان اپنے کھانے کی طرف ضرور دیکھے'' یعنی اگر انسان اپنے کھانے کی چیزوں میں غور کرلیتا تو وہ اپنے رب کی ناشکری کبھی نہ کرتا۔

(2) اللہ تعالیٰ نے کھانے کو کتنے مراحل سے گزارنے کے بعد انسان تک پہنچایا اور اس کے استعمال کو اس کے لیے آسان کیا ہے۔

﴿اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا﴾

''کہ یقیناہم نے خوب پانی برسایا'' (25)

سوال1:﴿اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا﴾ ''کہ یقیناہم نے خوب پانی برسایا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا﴾ ''کہ یقیناہم نے خوب پانی برسایا'' زمین کا پانی زمین پر کیسے برسایا جاتا ہے؟ سمندر کا پانی سورج کی دھوپ سے کیسے بھاپ میں بدل دیا جاتا ہے پھر اوپر جا کر وہ بھاپ ٹھنڈی ہوتی ہے پھر وہ بادلوں کی صورت میں ہواؤں کے ذریعے ایسے علاقے میں پہنچائے جاتے ہیں جہاں بارش برسانی مطلوب ہوتی ہے پھر یہی پانی ندی نالوں، دریاؤں اور نہروں سے حاصل ہوتا ہے کبھی کنوؤں سے یہ پانی نکالا جاتا ہے وہ بارش کا پانی ہی جمع شدہ ہوتا ہے۔

سوال2: اچھی طرح پانی برسانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد خوب بارشیں برسانا ہے۔

﴿ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا﴾

''پھر ہم نے زمین کو اچھی طرح پھاڑا'' (26)

سوال1:﴿ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا﴾ ''پھر ہم نے زمین کو اچھی طرح پھاڑا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا﴾ ''پھر ہم نے زمین کو اچھی طرح پھاڑا'' پھر نباتات اگانے کے لیے زمین کو پھاڑا۔ (تفسیر السعدی:2913/3)

(2) پانی اور زمین کی اوپر کی سطح جب مل جاتے ہیں تو ایسی مٹی میں اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ وہ بیج کو کھول دیتی ہے۔ اس مردہ اور بے جان بیج میں زندگی کی رمق پیدا ہوجاتی ہے اور وہ کونپل کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ (تیسیر القرآن:599/4) ﴿اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ (٦٣) ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ (٦٤) لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ (٦٥) اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ (٦٦) بَلْ نَحْنُ

مَحْرُوْمُوْنَ (۶۷)﴾ ''پھر کیا تم نے دیکھا جو کچھ تم بوتے ہو؟ کیا تم ہی اُس کو اُگاتے ہو یا اُگانے والے ہم ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو ضرور اُس کو ریزہ ریزہ کر دیں۔ پھر تم تعجب سے باتیں ہی بناتے رہ جاؤ۔ یقیناً ہم پر تو ضرور تاوان ڈال دیا گیا۔ بلکہ ہم بالکل ہی محروم رہ گئے۔ (الواقعۃ:63,67)

﴿فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا﴾

''پھر ہم نے اُس میں اناج اُگایا'' (27)

سوال1: ﴿فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا﴾ ''پھر ہم نے اُس میں اناج اُگایا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا﴾ ''پھر ہم نے اُس میں اُگایا'' یعنی ہم نے مختلف قسم کی چیزیں اگائیں یعنی انسانوں، جانوروں اور پرندوں کے کھانے کے لیے۔ (2) ﴿حَبًّا﴾ ''اناج'' یہ اناج کے مختلف قسم کے دانوں کو شامل ہے۔

(3) ہر بیج میں درخت کی خصوصیات ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ نے بیج میں بالیدگی کی ایسی قوت بھر دی ہے کہ وہ دو دن بعد اوپر کی زمین کو پھاڑ کر اندر سے یوں باہر نکل آتا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے بچہ پھر آہستہ آہستہ بیج مکمل پودا یا تناور درخت بن جاتا ہے۔

سوال2: اللہ تعالیٰ نے اناج اُگانے سے انسان کو کیا شعور دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے انسان کو شعور دلایا ہے کہ تمہاری خوراک ہم اُگاتے ہیں اور تم تک پہنچاتے ہیں، ضروریات ہم پوری کرتے ہیں۔ لہٰذا ربّ کی طرف لوٹ آؤ۔

﴿وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا﴾

''اور انگور اور سبزیاں بھی'' (28)

سوال1: ﴿وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا﴾ ''اور انگور اور سبزیاں بھی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا﴾ ''اور انگور اور سبزیاں بھی'' زمین کی مٹی اور پانی ایک ہے۔ سورج کی حرارت بھی وہی ہے۔ لیکن رب العزت نے کس طرح سے بیج میں ایسی خصوصیات رکھ دیں کہ اس سے نکلنے والے پودے پر وہی پھل اور سبزیاں لگتی ہیں جس کا وہ بیج ہوتا ہے۔ اسی سے انگور اور سبزیاں پیدا ہوتی ہیں۔

﴿وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا﴾

''اور زیتون اور کھجوریں بھی'' (29)

سوال1:﴿وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا﴾ ''اور زیتون اور کھجوریں بھی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا﴾ ''اور زیتون اور کھجوریں بھی'' زیتون جس کا تیل انتہائی مفید ہے اور جس کو غذا کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے اور کھجور جن کے کچے اور پکے پھل استعمال کیے جاتے ہیں ان کا شیرہ بھی بنایا جاتا ہے اور سرکہ بھی۔

سوال2: انگور اور سبزیاں پیدا کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد یہ ہے کہ پھل اور سبزیاں اللہ تعالیٰ کی پیداوار ہیں۔

سوال3: زیتون اور کھجوروں کی پیدائش سے رب نے کس طرف توجہ دلائی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے احسانات کی طرف توجہ دلائی ہے۔

﴿وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا﴾

''اور گھنے باغات بھی'' (30)

سوال1:﴿وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا﴾ ''اور گھنے باغات بھی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا﴾ ''اور گھنے باغات بھی'' گھنے باغات انسان کو اس کے رب کے احسانات یاد دلاتے ہیں۔ یعنی باغات جن کے اندر بکثرت گھنے درخت ہیں۔ (تفسیر السعدی:2912/3)

﴿وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا﴾

''اور پھل اور چارہ بھی'' (31)

سوال1:﴿وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا﴾ ''اور پھل اور چارہ بھی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَّفَاكِهَةً﴾ ''اور پھل'' ان پھلوں کو کہا جاتا ہے جن کو انسان قوت حاصل کرنے کے لیے کھاتا ہے، مثلاً: انجیر، انگور، آڑو اور انار وغیرہ۔ (تفسیر السعدی:2912/3) (2) ''الاب'' جسے بہائم اور مویشی کھاتے ہیں۔ (تفسیر السعدی:2912/3)

(3) پھل اور چارے یہ شعور دلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف انسان کے لئے بلکہ اس کے جانوروں کے لئے بھی خوراک کا اہتمام کیا ہے۔ ابن جریر میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے منبر پر سورہ عبس پڑھی اور یہاں تک پہنچ کر فرمایا کہ فاکھہ تو ہم جانتے ہیں لیکن یہ اب کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی فرمایا اس تکلیف کو چھوڑ، اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی شکل وصورت اور اسکی تعیین معلوم نہیں ورنہ اتنا تو صرف آیت پڑھنے سے ہی صاف معلوم ہو رہا ہے کہ یہ زمین سے اگنے والی چیز ہے۔ (تفسیر ابن کثیر:499)

﴿مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ﴾

''جو تمہارے لیے اور تمہارے جانوروں کے لیے سامانِ زندگی ہے'' (32)

سوال 1: ﴿مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ﴾ ''جو تمہارے لیے اور تمہارے جانوروں کے لیے سامانِ زندگی ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَّتَاعًا لَّكُمْ﴾ ''جو تمہارے لیے سامانِ زندگی ہے'' یہ سب کچھ تمہاری زندگی قائم رکھنے کے لیے ہے

(2) ﴿وَلِاَنْعَامِكُمْ﴾ ''اور تمہارے جانوروں کے لیے'' اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لیے بھی ہے۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے ﴿مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ﴾ ''جو تمہارے لیے اور تمہارے جانوروں کے لیے سامانِ زندگی ہے۔'' سے کیا شعور دلایا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے شعور دلایا ہے کہ سامانِ زندگی رب فراہم کرتا ہے۔ جس کو تمہاری مادّی ضروریات کا اتنا خیال ہے اسے تمہاری شعوری اور روحانی ضروریات کا خیال نہ ہوگا؟ (2) اُس نے یہ بھی شعور دلایا ہے کہ جو متاع دیتا ہے وہ واپس لینے کا بھی حق رکھتا ہے۔

﴿فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ﴾

''پس جب کان بہرے کر دینے والی آجائے گی'' (33)

سوال 1: ﴿فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ﴾ ''پس جب کان بہرے کر دینے والی آجائے گی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ﴾ ''پس جب کان بہرے کر دینے والی آجائے گی'' ابن عباس فرماتے ہیں کہا ﴿الصَّآخَّةُ﴾ قیامت کا نام ہے اور اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس کی نفخہ کی آواز اور ان کا شور وغل کانوں کے پردہ کو پھاڑ دے گا۔ (تفسیر ابن کثیر: 499)

(2) یعنی جب قیامت کی چنگھاڑ آئے گی، جس کے ہول سے کان بہرے ہو جائیں گے۔ اس روز لوگ قیامت کی ہولناکیاں دیکھیں گے اور انھیں اعمال کی سخت ضرورت ہوگی تو دل دہل جائیں گے۔ (تفسیر السعدی: 2913/3)

سوال 2: قیامت کو ﴿الصَّآخَّةُ﴾ کیوں کہا گیا ہے؟

جواب: قیامت کو ﴿الصَّآخَّةُ﴾ اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ صور پھونکنے کی آواز ایک نہایت تند و تیز چیخ کی طرح ہوگی جو کانوں کو بہرا کر دے گی۔

﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ﴾

''اُس دن آدمی اپنے بھائی سے دور بھاگے گا'' (34)

سوال1: ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ﴾ ''اُس دن آدمی اپنے بھائی سے دور بھاگے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ﴾ ''اُس دن آدمی اپنے بھائی سے'' اس دن انسان اپنے عزیز واقارب سے بھاگے گا، یعنی اس بھائی سے بھی جو اس کے لیے سب سے زیادہ شفیق ہے۔

سوال2: قیامت کے دن انسان اپنے بھائی سے کیوں بھاگے گا؟

جواب: قیامت کے دن اپنے بھائی سے اس لئے بھاگے گا کہ کسی انسان کو دوسرے کی طرف توجہ کرنے کی ہوش ہی نہ ہوگی۔

﴿وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ﴾

''اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے'' (35)

سوال1: ﴿وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ﴾ ''اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ﴾ ''اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے'' اس دن اپنے ماں باپ بھی کام نہیں آئیں گے اور انسان خود بھی اپنے ماں باپ کے کام نہیں آئے گا۔

سوال2: انسان اپنی ماں اور اپنے باپ سے کیوں بھاگے گا؟

جواب: (1) اُس دن کی ہولناکی رشتوں کو بھلا دے گی۔ (2) انسان اس لئے بھی بھاگے گا کہ میری تکلیف کی شدت دوسرے نہ دیکھیں۔

﴿وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ﴾

''اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے دور بھاگے گا'' (36)

سوال1: ﴿وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ﴾ ''اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے دور بھاگے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَصَاحِبَتِهٖ﴾ ''اور اپنی بیوی سے'' شوہر بیوی سے کہے گا میں نے زندگی میں تمہیں سہولت بہم پہنچائی آج صرف ایک نیکی کا محتاج ہوں آج میرے ساتھ ایک نیکی کر دو اور بیوی بولے گی آج مجھے تم سے زیادہ اس نیکی کی ضرورت ہے۔

(2) ﴿وَبَنِيْهِ﴾ ''اور اپنے بیٹوں سے دور بھاگے گا'' بیٹے جو دنیا کی زندگی میں سب سے زیادہ دل کو اطمینان دیتے ہیں۔ وہ بیٹے باپ سے اور باپ بیٹوں سے بھاگے گا۔

(3) اس دن کے بارے رب العزت نے فرمایا: ﴿يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ﴿٨﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿٩﴾ وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ﴿١٠﴾ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ بِبَنِيْهِ ﴿١١﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ﴿١٢﴾ وَفَصِيْلَتِهِ

الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ (۱۳) وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ (۱۴)﴾ ''اس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا۔اور پہاڑ دُھنکی ہوئی رنگین اُون کی طرح ہو جائیں گے۔اور کوئی دلی دوست کسی دلی دوست کو نہ پوچھے گا۔(حالانکہ) وہ انہیں دکھائے جائیں گے، مجرم چاہے گا کہ اُس دن کے عذاب سے (بچنے کے لیے) کاش وہ فدیے میں دے دے اپنے بیٹوں کو۔اور اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو۔ اور اپنے قریبی خاندان کو جواُسے جگہ دیتا تھا۔اور اُن سب کو جو زمین میں ہیں۔پھر وہ (فدیہ) اس کو نجات دلا دے۔'' (المعارج:8،14)

سوال2: انسان اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے کیوں بھاگے گا؟

جواب: (1) انسان کو اپنی جان کی اتنی زیادہ فکر ہوگی کہ کسی دوسرے کا اسے ہوش ہی نہ ہوگا۔

(2) انسان اس لئے بھی بھاگے گا کہ وہ جان لے گا کہ وہ اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے اور اس کے کسی کام نہیں آسکتے۔

﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ﴾

''اُس دن اُن میں سے ہر شخص کی ایسی حالت ہوگی جو اُسے (دوسروں سے) بے نیاز کر دے گی'' (37)

سوال1: ﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ﴾ ''اُس دن اُن میں سے ہر شخص کی ایسی حالت ہوگی جو اُسے (دوسروں سے) بے نیاز کر دے گی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ﴾ ''اُس دن اُن میں سے ہر شخص کی ایسی حالت ہوگی جو اُسے (دوسروں سے) بے نیاز کر دے گی'' یعنی ہر انسان کو اپنی فکر لاحق ہوگی۔وہ کسی دوسرے کی طرف توجہ نہیں کر پائے گا۔

(2) ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگ حشر کے میدان میں ننگے سر ننگے بدن بے ختنہ آئیں گیا ایک عورت نے کہا کہ ہر ایک دوسرے کا ستر دیکھے گا آپ ﷺ نے فرمایا اے فلانی ہر ایک کو اس دن ایسا ایک دھندا ہوگا کہ اسے دوسرے سے غیر کر دے گا۔ (جامع ترمذی:3332)

(3) قیامت کے دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا رب العزت نے فرمایا: ﴿يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾ ''جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہیں آئے گا اور نہ ہی اُن کی مدد کی جائے گی۔'' (الدخان:41) ﴿وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا﴾ ''اور کوئی دلی دوست کسی دلی دوست کو نہ پوچھے گا'' (المعارج:10)

﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ﴾

''کچھ چہرے اُس دن چمکنے والے ہوں گے'' (38)

سوال1: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ﴾ ''کچھ چہرے اُس دن چمکنے والے ہوں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ مُّسۡفِرَةٌ﴾ ''کچھ چہرے اُس دن چمکنے والے ہوں گے''اس دن خوش نصیب لوگوں کے چہروں پر تازگی اور خوشی ہوگی۔ان کے چہرے نعمتوں سے فیض یاب ہونے کے بارے میں جان کر روشن ہوں گے۔

(2)ابن عباس کہتے ہیں یہ قیام اللیل کی وجہ سے ہوں گے۔

(3)رات کی نماز کی کثرت کی وجہ سے چہرے دن کی طرح چمکیں گے۔(ابن ماجہ باب:174)ضحاک کہتے ہیں وضو کے آثار کی وجہ سے چمکیں گے اور یہ بھی کہا گیا اللہ کے راستے کے غبار کی وجہ سے (تفسیر ابی السعود:381,382)رب العزت نے فرمایا﴿وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ (۲۲) اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (۲۳)﴾ ''بعض چہرے اُس دن تروتازہ ہوں گے۔اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے۔''(القیامۃ:22,23)

﴿ضَاحِكَةٌ مُّسۡتَبۡشِرَةٌ﴾

''مسکراتے ہوئے،ہشاش بشاش''(39)

سوال1:﴿ضَاحِكَةٌ مُّسۡتَبۡشِرَةٌ﴾ ''مسکراتے ہوئے،ہشاش بشاش'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ضَاحِكَةٌ مُّسۡتَبۡشِرَةٌ﴾ ''مسکراتے ہوئے،ہشاش بشاش''فرماں بردار لوگوں کے چہرے ہشاش بشاش کھلاتے،مسکراتے ہوں گے۔(2)حشر کے دن ہنسی اور خوشی کامیابی کی دلیل ہوگی۔

﴿وَوُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ عَلَيۡهَا غَبَرَةٌ﴾

''اور اُس دن کچھ چہروں پر خاک اُڑ رہی ہوگی''(40)

سوال1:﴿وَوُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ عَلَيۡهَا غَبَرَةٌ﴾ ''اور اُس دن کچھ چہروں پر خاک اُڑ رہی ہوگی''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَوُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ عَلَيۡهَا غَبَرَةٌ﴾ ''اور اُس دن کچھ چہروں پر خاک اُڑ رہی ہوگی''نافرمانوں اور بدبختوں کے چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے۔(2)غم سے سیاہ اور دھویں میں اٹے ہوں گے۔

(3)غم سے سیاہ اور دھویں میں اٹے ہوں گے۔(4)﴿وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ خَاشِعَةٌ (۲) عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ (۳) تَصۡلٰى نَارًا حَامِيَةً (۴)﴾ ''کئی چہرے اُس دن ذلیل ہوں گے۔محنت کرنے والے،تھک جانے والے۔وہ دہکتی آگ میں داخل ہوں گے''۔(الغاشیۃ:2,4)

سوال2:حشر کے دن کن لوگوں کے چہروں پر خاک اُڑ رہی ہوگی؟

جواب:حشر کے دن ان لوگوں کے چہروں پر خاک اُڑ رہی ہوگی جن کے اعمال نامے اُن کے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔

﴿تَرۡهَقُهَا قَتَرَةٌ﴾

''اُن پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی'' (41)

سوال1:﴿تَرۡهَقُهَا قَتَرَةٌ﴾ ''اُن پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿تَرۡهَقُهَا قَتَرَةٌ﴾ ''اُن پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی'' یعنی کافروں کے چہروں پر کفر کی کدورت چھائی ہوگی اوراوپر سے فسق وفجور کی ظلمت اورزیادہ تیرہ وتاریک کردے گی۔(تفسیر عثمانی:2/860)

(2) کچھ چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہوں گی ،رنگ فق اور چہرے بگڑے ہوئے اور بے رونق ہوں گے۔(تیسیر القرآن:4/601)

سوال2: حشر کے دن چہروں کی سیاہی کس بات کی دلیل ہوگی؟

جواب: حشر کے دن چہروں کی سیاہی ناکامی کی دلیل ہوگی۔

﴿أُولَٰٓئِكَ هُمُ الۡكَفَرَةُ الۡفَجَرَةُ﴾

''یہی لوگ کافر، بدکردار ہیں'' (42)

سوال1:﴿أُولَٰٓئِكَ هُمُ الۡكَفَرَةُ الۡفَجَرَةُ﴾ ''یہی لوگ کافر، بدکردار ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿أُولَٰٓئِكَ هُمُ الۡكَفَرَةُ﴾ ''یہی لوگ کافر ہیں'' جو اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرنے والے ہوں گے یعنی حقوق اللہ میں کمی کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے والے، اس کے حرام کو حلال کرنے والے۔

(2)﴿الۡفَجَرَةُ﴾ ''بدکردار ہیں'' یعنی حقوق العباد میں کمی کرنے والے۔

(3) حافظ ابن کثیر نے کہا﴿الۡكَفَرَةُ﴾ ''کافر'' یعنی جو کفران کے دلوں میں ہے اور الفجرہ جو ان کے اعمال کا فجور ہے۔(الاساس:2/6381)

(4) ان کے دلوں میں کفر اور عملوں میں کھوٹ تھا (مختصر ابن کثیر:2/2188)

(4) رب العزت نے فرمایا:﴿إِنَّكَ إِن تَذَرۡهُمۡ يُضِلُّواْ عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوٓاْ إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (۲۷)﴾ ''اگر تو نے اُن کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور وہ بدکاروں اور ڈھیٹ کافروں کے سوا کسی کو جنم نہ دیں گے''۔(نوح:27)

(5) لوگ گروہوں میں بٹنے سے پہلے ہی پہچانے جائیں گے کہ کون کس گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔

سوال2: ناکام لوگوں کے بارے میں رب العزت نے کیا وضاحت کی ہے؟

جواب: ناکام لوگ کافر اور فاجر ہوں گے یعنی اللہ تعالیٰ اور قیامت کا انکار کرنے کے اثرات ان کے کردار پر مرتب ہوئے اور اسی کی وجہ سے وہ بدکردار ہوں گے۔

ایاتھا ۲۹ ۸۱ سُوۡرَۃُ التَّکۡوِیۡرِ مَکِّیَّۃٌ ۷ رکوعھا ۱

سوال1: یہ سورت کب نازل ہوئی؟ اس کی کتنی آیات اور کتنے رکوع ہیں؟

جواب: یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ اس کی 29 آیات اور ایک رکوع ہے۔

سوال2: ترتیب نزولی اور مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: نزولی ترتیب کے اعتبار سے یہ آٹھویں سورت ہے اور مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 81 ہے۔

سوال3: اس سورت کے بارے میں نبی ﷺ نے کیا فرمایا ہے؟

جواب: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو یہ پسند ہو کہ وہ قیامت کو آنکھوں سے دیکھ لے تو اسے چاہیے کہ **سورۃ التکویر، الانفطار اور انشقاق** پڑھ لے۔ (ترمذی، ابواب التفاسیر: 3333)

رکوع نمبر 6

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ﴾

''جب سورج لپیٹ دیا جائے گا'' (1)

سوال1: ﴿اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ﴾ ''جب سورج لپیٹ دیا جائے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ﴾ ''جب سورج لپیٹ دیا جائے گا'' کورت بمعنی کسی چیز کو عمامہ یا پگڑی کی طرح لپیٹنا اور اوپر تلے گھمانا۔ اور اس میں گولائی اور تجمع کے دونوں تصور موجود ہوتے ہیں یعنی کسی چیز کو گولائی میں لپیٹنا، جماتے جانا۔ مطلب یہ ہے کہ سورج کی شعاعیں، اس کی روشنی اور اس کی حرارت سب کچھ سمیٹ لیا جائے گا اور وہ بس ایک بے نور جسم رہ جائے گا۔ سیدنا ابوہریرہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن سورج اور چاند دونوں تاریک (بے نور) ہو جائیں گے۔ (بخاری: 3200)

﴿وَاِذَا النُّجُوۡمُ انۡکَدَرَتۡ﴾

''اور جب تارے بے نور ہو جائیں گے'' (2)

سوال1: ﴿وَاِذَا النُّجُوۡمُ انۡکَدَرَتۡ﴾ ''اور جب تارے بے نور ہو جائیں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ﴾ ''اور جب تارے بے نور ہو جائیں گے''یعنی جب تارے ماند پڑ جائیں گے اور آسمان سے ٹوٹ کر بکھر جائیں گے۔

سوال2: تارے کیسے بے نور ہو جائیں گے؟

جواب: آسمان سے تاروں کا وجود ختم ہو جائے گا۔

﴿وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ﴾

''اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے''(3)

سوال1:﴿وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ﴾ ''اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ﴾ ''اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے''یعنی زمین کی کشش ثقل ختم ہو جائے گی تو پہاڑوں کی زمین میں جڑیں ڈھیلی پڑ جائیں گی۔ پہلے تو ٹوٹ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے بعد ازاں کی بھربھری ریت کو ہوا ادھر ادھر اڑاتی پھرے گی۔ (تیسیر القرآن:602/4)

(2) رب العزت نے فرمایا:﴿وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا﴾ ''اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ سراب ہو جائیں گے۔''(النبا:20)

(3)﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا﴾ ''اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو بالکل صاف میدان دیکھیں گے اور ہم ان سب کو جمع کریں گے، چنانچہ ہم ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے۔''(الکھف:47)

﴿وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ﴾

''اور جب دس مہینے کی حاملہ اُونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی''(4)

سوال1:﴿وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ﴾ ''اور جب دس مہینے کی حاملہ اُونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ﴾ ''اور جب دس مہینے کی حاملہ اُونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی''اہل عرب کے نزدیک اونٹ ایک قیمتی متاع سمجھا جاتا تھا اور دس ماہ کی حاملہ اونٹنی تو ان کے ہاں نہایت عزیز متاع تھی اس لیے کہ وہ ایک دو ماہ بعد بچہ بھی جنے گی اور دودھ بھی دیا کرے گی۔ اس آیت میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ قیامت کی دہشت اتنی زیادہ ہوگی کہ انسان کو اپنی قیمتی متاع سنبھالنے کا بھی ہوش نہیں رہے گا۔ (تیسیر القرآن:602/4)

(2)﴿عِشَارٌ﴾ ایسی اونٹنیوں کو کہا جاتا ہے جن کے پیچھے ان کے بچے ہوتے ہیں، یہ عربوں کا بہترین مال تصور کیا جاتا ہے جو اس وقت ان

کے پاس ہوتا تھا، اس معنی کے مطابق ہر نفیس مال یعنی جب لوگ اپنے بہترین اموال کو بے کار چھوڑ دیں گے جن کا وہ ہر وقت بہت اہتمام اور دھیان رکھا کرتے تھے۔ پس ان پر ایسا وقت آئے گا جو ان کو ان اموال سے غافل کر دے گا۔ (تفسیر السعدی:2914/3)

﴿وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ﴾

''اور جب وحشی جانور اکٹھے کر دیے جائیں گے'' (5)

سوال 1: ﴿وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ﴾ اور جب وحشی جانور اکٹھے کر دیے جائیں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ﴾ ''اور جب وحشی جانور اکٹھے کر دیے جائیں گے'' یعنی جنگل کے وحشی جانور جو آدمی کے سایہ سے بھاگتے ہیں مضطرب ہو کر شہر میں آ گھسیں گے اور پالتو جانوروں میں مل جائیں گے جیسا کہ اکثر خوف کے وقت دیکھا گیا ہے۔ ابھی چند سال ہوئے گنگا جمنا میں سیلاب آیا تھا تو لوگوں نے دیکھا کہ ایک چھپر بہتا جا رہا ہے اس پر آدمی بھی ہیں اور سانپ وغیرہ بھی لیٹ رہے ہیں ایک دوسرے سے کچھ تعرض نہیں کرتا۔ نفسا نفسی پڑی ہوئی ہے بلکہ زیادہ سردی کے زمانہ میں درندے جنگل سے شہر میں گھس آتے ہیں۔ مفسرین نے ''حشرت'' کے معنی مارنے کے اور بعض نے مار کر اٹھانے کے کیے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی:862/2)

(2) یعنی قیامت کے روز جمع کیے جائیں گے تاکہ اللہ تعالیٰ ان میں سے ایک کو دوسرے سے قصاص لے کر دے اور بندے اس کے کمال عدل کا مشاہدہ کریں حتیٰ کہ وہ بے سینگ بکری کو سینگ والی بکری سے قصاص دلائے گا، پھر اس سے کہا جائے گا کہ مٹی ہو جا۔ (تفسیر السعدی:2914/3)

(3) عربوں کا قیمتی اور محبوب مال پورے دنوں کی اونٹنیاں ہیں انہیں اس کا بھی ہوش نہیں، پتے پانی ہوں گے اور کلیجے منہ کو آئیں گے۔ (مختصر ابن کثیر:2189/1) قیامت کے دن وحشی بھی اپنے ہوش کھو بیٹھیں گے انسانوں کے پاس آ کر جمع ہو جائیں گے۔ رب العزت نے فرمایا:

﴿وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم ۚ مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ﴾ ''اور کوئی جانور زمین میں اور نہ کوئی پرندہ کہ وہ اپنے دونوں پروں سے اُڑتا ہے مگر تمہاری طرح کی اُمتیں ہیں، ہم نے اپنی کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی، پھر یہ اپنے رب ہی کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔ (الانعام:38)

﴿وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ﴾

''اور جب سمندر بھڑکا دیے جائیں گے'' (6)

سوال: ﴿وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ﴾ ''اور جب سمندر بھڑکا دیے جائیں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ﴾ ''اور جب سمندر بھڑکا دیے جائیں گے'' یعنی ان کو گرم کیا جائے گا اور اتنے بڑے ہونے کے

باوجود وہ آگ بن کر بھڑک اٹھیں گے۔(تفسیر السعدی:2914/3)

(2)﴿سُجِّرَتْ﴾ سجر میں کسی چیز کے بھرے ہوئے ہونے اور اس میں مخالطت یا تلاطم کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ البحر المسجور سے مراد وہ سمندر ہے جو بھرا ہوا بھی ہو اور جوش طلاطم سے ابل بھی رہا ہو۔(تیسیر القرآن:603/4)

(3) پانی دو گیسوں ہائیڈروجن اور آکسیجن کا مجموعہ ہے۔ ہائیڈروجن آگ دکھانے سے فوراً بھڑک اٹھتی ہے اور آکسیجن آگ کو بھڑکنے میں مدد دیتی ہے یہی دو گیسیں جب کیمیائی طریقے سے ملائی جاتی ہیں تو اس سے پانی بنتا ہے جو آگ کو بجھا دیتا ہے۔ قیامت کے دن سمندروں کے پانی کو پھر ان دو گیسوں میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ پھر ایک بھڑکے گی اور دوسری گیس بھڑکائے گی۔

(4) رب العزت نے فرمایا:﴿وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ﴾''اور لبالب بھرے ہوئے سمندر کی!''(الطور:6)

(5) سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قیامت سے پہلے چھ نشانیاں ہوں گی لوگ اپنے بازاروں میں ہوں گے کہ اچانک سورج کی روشنی جاتی رہے گی پھر ناگہاں ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگیں گے، پھر اچانک پہاڑ زمین پر گر پڑیں گے اور زمین زور زور سے جھٹکے لینے لگے گی اور بری طرح ہلنے لگے گی بس پھر کیا انسان، کیا جنات، کیا جانور، کیا چھپکلی سب آپس میں خلط ملط ہو جائیں گے، جانور بھی جو انسانوں سے بھاگتے پھرتے ہیں انسانوں کے پاس آجائیں گے لوگوں کو اس قدر بدحواسی اور گھبراہٹ ہوگی کہ بہتر سے بہتر مال اونٹیاں جو بیاہنے والیاں ہوں گی ان کی بھی خیر خبر نہ لیں گے۔ جنات کہیں گے کہ ہم جاتے ہیں کہ تحقیق کریں کیا ہو رہا ہے، لیکن وہ آئیں گے تو دیکھیں گے کہ سمندروں میں بھی آگ لگ رہی ہے، اسی حال میں ایک دم زمین پھٹنے لگے گی اور آسمان بھی ٹوٹنے لگیں گے، ساتوں زمینیں اور ساتوں آسمانوں کا یہی حال ہوگا ادھر سے ایک تند ہوا چلے گی جس سے تمام جاندار مرجائیں گے۔(ابن ابی حاتم وغیرہ)(ابن کثیر:501/5)

﴿وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ﴾

''اور جب رُوحیں (جسم سے) ملادی جائیں گی''(7)

سوال 1:﴿وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ﴾''اور جب رُوحیں (جسم سے) ملادی جائیں گی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ﴾''اور جب رُوحیں (جسم سے) ملادی جائیں گی'' قیامت کے دن جرائم کے لحاظ سے لوگوں کے گروہ بنائے جائیں گے مثلاً مومنوں کا گروہ کافروں کا گروہ، مشرکوں کا گروہ، منافقوں کا گروہ، قاتلوں کا گروہ، زانیوں کا گروہ وغیرہ۔

(2) رب العزت نے فرمایا:﴿اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ﴾''جمع کرو اُن سب لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا اور اُن کے جوڑوں کو بھی اور اُن کو بھی جن کی وہ عبادت کرتے تھے''۔(الصافات:22)

(3) نبی ﷺ نے فرمایا:''ہر شخص کا اس قوم کے ساتھ حشر ہوگا جو اس قوم کے سے عمل کرتا ہوگا''۔(مختصر ابن کثیر:2189/2)

(4)﴿وَّ كُنۡتُمۡ اَزۡوَاجًا ثَلٰثَةً (٧) فَاَصۡحٰبُ الۡمَيۡمَنَةِ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَيۡمَنَةِ (٨)﴾ ''اور تم تین قسموں میں ہوجاؤ گے۔پس دائیں ہاتھ والے، کیا ہی خوب ہیں دائیں ہاتھ والے!'' (الواقعۃ:7,8)

(5) ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خطبے میں یہ آیت پڑھ کر فرمایا: ہر جماعت اپنے جیسوں سے مل جائے گی۔(مختصر ابن کثیر:2/2189)

(6) اس دن کافروں اور مومنوں کے الگ گروہ بن جائیں گے اسی بارے میں رب العزت نے ارشاد فرمایا:﴿وَسِيۡقَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوۡهَا فُتِحَتۡ اَبۡوَابُهَا وَقَالَ لَهُمۡ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ رُسُلٌ مِّنۡكُمۡ يَتۡلُوۡنَ عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِ رَبِّكُمۡ وَيُنۡذِرُوۡنَكُمۡ لِقَآءَ يَوۡمِكُمۡ هٰذَا ؕ قَالُوۡا بَلٰى وَلٰـكِنۡ حَقَّتۡ كَلِمَةُ الۡعَذَابِ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ﴾ ''اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے، حتیٰ کہ جب وہ اُس کے پاس پہنچیں گے تو اُس کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور اُس کے نگران اُن سے کہیں گے: ''کیا تمہارے پاس خود تم ہی میں سے کچھ رسول نہیں آئے تھے جو تمہیں تمہارے رب کی آیات پڑھ کر سناتے ہوں اور تمہیں اُس دن کی ملاقات سے ڈراتے ہوں؟'' وہ کہیں گے: ''کیوں نہیں! لیکن عذاب کی بات کافروں پر ثابت ہوگئی۔'' (الزمر:71)

(7)﴿وَسِيۡقَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ اِلَى الۡجَـنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوۡهَا وَفُتِحَتۡ اَبۡوَابُهَا وَقَالَ لَهُمۡ خَزَنَـتُهَا سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ طِبۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡهَا خٰلِدِيۡنَ﴾ ''ان لوگوں کو جو اپنے رب سے ڈر کر رہے، گروہ در گروہ جنت کی طرف لایا جائے گا، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے اور جنت کے دروازے کھول دیے گئے ہوں گے اور اُس کے نگران اُن سے کہیں گے: ''سلام ہو تم پر! پاکیزہ رہے تم، چنانچہ اس میں داخل ہوجاؤ، ہمیشہ رہنے والے ہو۔'' (الزمر:73)

﴿وَاِذَا الۡمَوۡءٗدَةُ سُئِلَتۡ﴾

''اور جب زندہ دفن کی جانے والی لڑکی سے سوال کیا جائے گا'' (8)

سوال1:﴿وَاِذَا الۡمَوۡءٗدَةُ سُئِلَتۡ﴾ ''اور جب زندہ دفن کی جانے والی لڑکی سے سوال کیا جائے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاِذَا الۡمَوۡءٗدَةُ سُئِلَتۡ﴾ ''اور جب زندہ دفن کی جانے والی لڑکی سے سوال کیا جائے گا'' عرب میں رسم تھی۔(تفسیر عثمانی:2/862)

(2) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سنگ دل قاتلوں کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرے گا اور ان سے بات بھی نہیں کرے گا۔ان زندہ گاڑی لڑکیوں سے سوال کیا جائے گا کہ تم کو کس جرم کی پاداش میں قتل کیا گیا۔(3) یہ اندازِ تخاطب مجرموں پر اللہ تعالیٰ کے غضبناک ہونے کی دلیل ہے۔

(4) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ان بیٹیوں کی پیدائش سے آزمائش میں ڈالا جائے پھر وہ ان سے نیک

سلوک کرے تو یہ لڑکیاں اس کے لیے جہنم کے عذاب سے بچاؤ کا ذریعہ بنیں گی۔(ترمذی، ابواب البر والصلۃ:1913)عزل کا حکم: نبی ﷺ نے فرمایا میں نے چاہا کہ لوگوں کو حمل اور رضاعت کی حالت میں صحبت سے روک دوں لیکن روم اور فارس والے ایسا کرتے ہیں جس سے ان کی اولاد کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عزل کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: وہ چھپ کر زندہ گاڑنا ہے(مختصر ابن کثیر:290/1،مسند احمد)

سوال 2: عرب اتنے سنگدل کیوں تھے کہ اپنی بیٹیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے؟

جواب: (1) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ (۵۸) يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (۵۹)﴾ ''اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم سے بھرا ہوتا ہے۔اس خوش خبری کی برائی کی وجہ سے جو اسے دی گئی ہے وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کیا ذلت کے باوجود ہی اُسے رکھ چھوڑے یا اُسے مٹی میں دبا دے؟ سن لو! بہت ہی بُرا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔'' (النحل:58,59)

(2) بیٹیوں کے معاملے میں عربوں کی سنگدلی کی تین وجوہات ہیں: (i) تنگ دست اور مفلس ہونے کے ڈر کی وجہ سے اولاد کو مار ڈالتے تھے اس اعتبار سے لڑکی اور لڑکے میں کوئی فرق نہیں تھا رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا﴾ اور اپنی اولاد کو مُفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی، یقیناً اُن کا قتل ہمیشہ سے بہت بڑا گناہ ہے۔(بنی اسرائیل:31) (ii) وہ کسی کو اپنا داماد بنانا باعث ننگ و عار سمجھتے تھے۔(iii) اہل عرب جنگوں میں مصروف رہتے تھے اس لیے بیٹیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے (بخاری:2408) جن میں بیٹے تو مددگار بنتے تھے مگر بیٹیاں نہیں۔ وہ دوسرے قبیلوں میں بیاہی جاتی تھی اور انہیں اس قبیلے کا ساتھ دینا پڑتا تھا لڑکی کے والدین کے قبیلے کو بھی اپنا سر نیچا رکھنا پڑتا تھا اسی وجہ سے انہوں نے لڑکیوں کو وراثت سے محروم رکھا تھا اسی وجہ سے وہ لڑکی کو زندہ رکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔(سنن ابی داؤد:5146)

سوال 3: بچوں کے زندہ گاڑنے کے گناہ کی تلافی کیا ہے؟

جواب: قیس بن عاصم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: میں نے جاہلیت میں بچیوں کو زندہ گاڑا ہے کیا کروں؟ فرمایا: ہر بچی کے بدلے کا ایک غلام آزاد کرو۔ بولے میرے پاس غلام نہیں ہے فرمایا: تو ہر ایک کے بدلے ایک اونٹ کی قربانی کر۔(مختصر ابن کثیر:2190/1)(سنن کبریٰ:16424)

﴿بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ﴾

''کہ کس گناہ کے بدلے میں وہ قتل کی گئی'' (9)

سوال 1: ﴿بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ﴾ ''کہ کس گناہ کے بدلے میں وہ قتل کی گئی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ﴾ ''کہ کس گناہ کے بدلے میں وہ قتل کی گئی'' قیامت کے دن جب زندہ گاڑی گئی معلوم لڑکی سے سوال ہوگا۔(2) زندہ گاڑی گئی بچیاں خود پوچھیں گی کہ انہیں زندہ کیوں گاڑا گیا تھا۔(مختصر ابن کثیر:2190/1)

سوال2:اسلام نے قتل اولاد اور قتل بنات کو روکنے کے لیے کیا اقدامات کیے؟

جواب:(1) اسلام نے اس جرم کو قتل سے زیادہ شدید جرم قرار دیا اور لوگوں کے اس خیال کی تردید کی کہ وہ اپنی اولاد کو مارنے کا حق رکھتے ہیں۔

(2) لڑکیوں کی تربیت اور پرورش کو صالح عمل قرار دیا اور اس کی ترغیب دلائی ''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہوگئیں۔ میں اور وہ قیامت کے دن اس طرح (اکٹھے) ہوں گے اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ملا کر بتایا۔'' (صحیح مسلم:6695)

(3) سراقہ بن مالک سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کیا میں تجھ کو افضل صدقہ نہ بتاؤں اپنی بیٹی کو صدقہ دے دے جو پھر تیرے پاس واپس آگئی خاوند کی موت یا طلاق کی وجہ سے اور اس کا کوئی کمانے والا نہیں سوا تیرے۔(ابن ماجہ:3667)

(4) سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے سنا نبی ﷺ سے آپ فرماتے تھے جس کی تین بیٹیاں ہوں وہ ان کے ہونے پر صبر کرے یعنی نہ روئے، پیٹے اور نہ دکھ درد بیان کرے اور اپنی طاقت اور کمائی سے ان کو کھلائے اور پلائے اور کپڑا پہنائے تو وہ تینوں قیامت کے دن دوزخ کے عذاب سے اس کی آڑ ہوں گی۔(ابن ماجہ:3669)

سوال3:﴿بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ﴾ ''کہ کس گناہ کے بدلے میں وہ قتل کی گئی'' اس سوال سے اللہ تعالیٰ کس کو سرزنش کریں گے؟

جواب: اس سوال سے اللہ تعالیٰ قاتل کو سرزنش کریں گے۔

﴿وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ﴾

''اور جب اعمال نامے پھیلائے جائیں گے'' (10)

سوال:﴿وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ﴾ ''اور جب اعمال نامے پھیلائے جائیں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاِذَا الصُّحُفُ﴾ ''اور جب اعمال نامے'' اعمال نامے جو لوگوں کے نیک اور برے اعمال پر مشتمل ہوں گے۔

(2)﴿نُشِرَتْ﴾ ''پھیلائے جائیں گے'' نشر کے معنی کسی چیز کو کھولنا اور کھول کر پھیلا دینا کسی خبر کو مشہور کرنا ہے۔

(3) آج جو کچھ ہم کر رہے ہیں اس کو لکھ کر لپیٹا جا رہا ہے اور کل قیامت کے دن یہی کھول کر ہمارے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ یا ارحم الراحمین صالح اعمال کی توفیق عطا فرمانا اور کل ہمارا نامہ اعمال ہمارے دائیں ہاتھ میں پہنچانا۔(آمین)

﴿وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتۡ﴾

''اور جب آسمان کی کھال اتار دی جائے گی'' (11)

سوال1:﴿وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتۡ﴾ ''اور جب آسمان کی کھال اتار دی جائے گی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتۡ﴾ ''اور جب آسمان کی کھال اتار دی جائے گی'' کشطت، کشط البعیر کے معنی ہیں اونٹ کی کھال اتارنا۔

(2) آسمان کے بارے میں اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ محض ایک ٹھوس جسم نہیں اس پر پردہ بھی ہے اور جیسے کسی جانور کی کھال اتارنے پر اس کا جسم اور اندرونی اعضاء نظر آنے لگتے ہیں ایسے آسمان کے پار عالم بالا جو ہم سے پوشیدہ ہے وہ سب کچھ جو پردے کے پیچھے ہے نظر آنے لگے گا۔

(3) یعنی آسمان کو برباد کر دیا جائے گا جیسا کہ فرمایا:﴿يَوۡمَ نَطۡوِى السَّمَآءَ كَطَىِّ السِّجِلِّ لِلۡكُتُبِ‌ؕ كَمَا بَدَاۡنَاۤ اَوَّلَ خَلۡقٍ نُّعِيۡدُهٗ‌ؕ وَعۡدًا عَلَيۡنَا‌ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيۡنَ﴾ ''جس دن ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے جیسے کتابوں کے لکھے ہوئے کاغذات لپیٹ دیے جاتے ہیں، جیسا کہ ہم نے پہلی تخلیق کی ابتدا کی تھی اسی طرح ہم اس کا اعادہ کریں گے، یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے، یقیناً ہم کرنے ہی والے ہیں۔'' (الانبیاء:104)

(4) قیامت کے دن آسمان کی کیفیت کے بارے مزید مقامات پر رب العزت نے فرمایا:﴿وَيَوۡمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالۡغَمَامِ وَنُزِّلَ الۡمَلٰۤـئِكَةُ تَنۡزِيۡلًا﴾ ''اور جس دن آسمان بادل کے ساتھ پھٹ جائے گا اور فرشتے نازل کیے جائیں گے، لگا تار نازل کیا جانا۔ (الفرقان:25)

(5)﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدۡرِهٖ‌ۖ وَالۡاَرۡضُ جَمِيۡعًا قَبۡضَتُهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطۡوِيّٰتٌۢ بِيَمِيۡنِهٖ‌ؕ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ﴾ ''اور اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر ہی نہ کی جیسا کہ اُس کی قدر کرنے کا حق ہے حالانکہ زمین ساری کی ساری قیامت کے دن اُس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اُس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔'' (الزمر:67)

﴿وَاِذَا الۡجَحِيۡمُ سُعِّرَتۡ﴾

''اور جب جہنم دہکا دی جائے گی'' (12)

سوال1:﴿وَاِذَا الۡجَحِيۡمُ سُعِّرَتۡ﴾ ''اور جب جہنم دہکا دی جائے گی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَاِذَا الۡجَحِيۡمُ سُعِّرَتۡ﴾ ''اور جب جہنم دہکا دی جائے گی'' جب جہنم اللہ تعالیٰ کے قہر اور بندوں کے گناہوں کی وجہ سے شعلے مار رہی ہوگی یہ وہ وقت ہوگا جب لوگوں کا حساب کتاب لیا جا رہا ہوگا۔ اور جہنم دیکھ کر وہ سمجھ لیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی فرمان برداری

نہ کرتے تو یہ بھڑکتی ہوئی جہنم ان کا ٹھکانا ہوتی۔ اس پر وہ اللہ تعالیٰ کا مزید شکر بجالائیں گے۔ جس نے دنیا میں انہیں راہ راست پر رکھا اور مجرم لوگ جب جنت کی نعمتوں کو دیکھیں گے۔ اور خیال کریں گے کہ ان کا اصلی ٹھکانہ دوزخ ہے تو ان کی حسرت و یاس میں مزید اضافہ ہوگا۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَآ اَدْرٰكَ مَا سَقَرُ﴾ ''اور تمہیں کس نے خبر دی کہ وہ دوزخ کیا ہے؟'' (المدثر:27) ﴿فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى﴾ ''پس میں نے تمہیں شعلہ مارتی آگ سے ڈرادیا ہے'' (اللیل:14)

(4) سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میں نے آج رات خواب میں دیکھا ہے جس میں دو شخص میرے پاس آئے اور دونوں نے کہا کہ یہ جو آگ بھڑکا رہا ہے جہنم کے داروغے کا مالک ہے میں جبریل ہوں اور یہ میکائیل ہیں''۔ (بخاری)

(5) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمہاری یہ (دنیا کی) آگ جسے ابن آدم جلاتا ہے، جہنم کی آگ کی گرمی کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔'' صحابہ نے عرض کی، واللہ! یا رسول اللہ! (انسانوں کو جلانے کے لیے تو) یہی کافی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ آگ تو دنیا کی آگ سے انہتر درجے زیادہ گرم ہے اور اس کا ہر حصہ اس دنیا کی آگ کے برابر (گرم) ہے۔'' (مسلم:7165)

﴿وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ﴾

''اور جب جنت قریب لائی جائے گی'' (13)

سوال 1: ﴿وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ﴾ ''اور جب جنت قریب لائی جائے گی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ﴾ ''اور جب جنت قریب لائی جائے گی'' یعنی جنت اہل تقویٰ کے قریب کردی جائے گی اور ابن زید نے کہا قریب کرنے سے مراد ان کے لیے مزین کردی جائے گی۔ (فتح القدیر:479/5)

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ﴾ ''اور جنت پرہیزگاروں کے قریب لائی جائے گی، کچھ دور نہیں رہے گی۔'' (ق:31)

﴿عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ﴾

''تو ہر جان، جان لے گی کہ وہ کیا لے کر آئی ہے'' (14)

سوال: ﴿عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ﴾ ''تو ہر جان، جان لے گی کہ وہ کیا لے کر آئی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿عَلِمَتْ نَفْسٌ﴾ تو ہر جان، جان لے گی'' ہر انسان جان لے گا کیونکہ وہ اپنے اعمال کا ٹھیک محاسب ہوتا ہے اگر وہ اپنے آپ کی طرف داری نہ کرے۔

(2) ﴿مَّآ اَحۡضَرَتۡ﴾ ''کہ وہ کیا لے کر آئی ہے'' ہر شخص کا اعمال نامہ کھول دیا جائے گا اور جو اعمال اس نے آگے بھیجے وہ وہاں موجود پائے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿وَوَجَدُوۡا مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظۡلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾ ''اور جو بھی انہوں نے کیا تھا وہ سب اس کو سامنے پائیں گے اور آپ کا رب کسی ایک پر ظلم نہیں کرتا۔'' (الکہف:49) ﴿يَوۡمَ تَجِدُ كُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ مِنۡ خَيۡرٍ مُّحۡضَرًا ۖۚ وَّمَا عَمِلَتۡ مِنۡ سُوۡٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوۡ اَنَّ بَيۡنَهَا وَبَيۡنَهٗۤ اَمَدًاۢ بَعِيۡدًا ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفۡسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ﴾ ''جس دن ہر نفس اس کو موجود پائے گا۔ جو اس نے نیکی کی اور جو اس نے برائی کی، اُس دن آدمی تمنا کرے گا کاش! اس کے اور اس کی برائیوں کے درمیان میں بہت دور کا فاصلہ ہوتا، اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ بندوں پر بے حد نرمی کرنے والا ہے''۔ (آل عمران:30)

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿يُنَبَّؤُا الۡاِنۡسَانُ يَوۡمَئِذٍۢ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ﴾ ''اُس دن انسان کو بتایا جائے گا جو کچھ اُس نے آگے بھیجا اور جو اُس نے پیچھے چھوڑا ہے۔'' (القیامۃ:13)

(4) یہ اوصاف جن سے اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کو موصوف کیا ہے، ایسے اوصاف ہیں جن سے دل دہل جاتے ہیں، کرب میں شدت آجاتی ہے، جسم کانپنے لگتا ہے، خوف چھا جاتا ہے، یہ اوصاف خردمند لوگوں کو اس دن کے لیے تیاری کرنے پر آمادہ کرتے ہیں اور ہر اس کام سے روکتے ہیں جو ملامت کا موجب ہے۔ اسی لیے سلف میں سے کسی کا قول ہے: جو کوئی قیامت کے دن کو اسی طرح دیکھنا چاہے، گویا وہ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے تو وہ سورہ تکویر میں تدبر کرے۔ (تفسیر السعدی:2915/3)

﴿فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالۡخُنَّسِ﴾

''پس میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے (ستاروں) کی!'' (15)

سوال: ﴿فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالۡخُنَّسِ﴾ ''پس میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے (ستاروں) کی!'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالۡخُنَّسِ﴾ ''پس میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے (ستاروں) کی'' اس سے مراد وہ ستارے ہیں جو مشرق کی جہت میں، کواکب کی عادی رفتار سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور ہفت سیارگان یہ ہیں: سورج، چاند، زہرہ، مشتری، مریخ، زحل اور عطارد۔ ان ساتوں سیاروں کا چلنا دو جہتوں میں ہے۔ ایک چلنا مغرب کی جہت میں تمام کواکب اور فلک کے ساتھ اور ایک چلنا اس جہت کے برعکس، مشرق کی جہت میں، یہ چلنا صرف انہی سات سیاروں کے ساتھ مختص ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کے پیچھے ہٹنے کے حال میں، ان کے چلنے اور ان کے چھپ جانے، یعنی دن کے وقت مستور ہونے کے حال کی قسم کھائی ہے اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد تمام کواکب اور سیارے وغیرہ ہوں۔ (تفسیر السعدی:2916/3)

(2) تاروں کی قسمیں کھائی گئیں جو دن میں ڈوب جاتے ہیں اور رات کو نکل آتے ہیں۔

﴿الْجَوَارِ الْكُنَّسِ﴾

''جو چلتے رہنے والے، چھپ جانے والے ہیں'' (16)

سوال:﴿الْجَوَارِ الْكُنَّسِ﴾ ''جو چلتے رہنے والے، چھپ جانے والے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿الْجَوَارِ الْكُنَّسِ﴾ ''جو چلتے رہنے والے، چھپ جانے والے ہیں'' کئی سیاروں (مثلاً زحل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد) کی چال اس ڈھب سے ہے کہ کبھی مغرب سے مشرق کو چلیں یہ سیدھی راہ ہوئی، کبھی ٹھٹک کر الٹے پھریں اور کبھی سورج کے پاس آ کر کتنے دنوں تک غائب رہیں۔ (تفسیر عثمانی:862/2)

(2) تاروں کے طلوع کے وقت کو خنس اور غروب کے وقت کو کنس کہتے ہیں پھر یہ طلوع اور غروب کے درمیان اپنے اپنے فلک میں گردش کرتے رہتے ہیں۔ (مختصر ابن کثیر:2191/1)

﴿وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ﴾

''اور رات کی جب وہ رخصت ہوتی ہے!'' (17)

سوال:﴿وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ﴾ ''اور رات کی جب وہ رخصت ہوتی ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ﴾ ''اور رات کی جب وہ رخصت ہوتی ہے'' عسعس کے معنی دھندلکا کے ہیں خواہ شام کا ہو یا جیسے غروب آفتاب کے بعد رات کا اندھیرا چھانے لگتا ہے اور خواہ صبح کا دھندلکا ہو یعنی رات کی تاریکی غائب اور صبح کی روشنی اس پر غالب ہونے لگے اس لحاظ سے ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے اور رات کی جب وہ جانے لگے۔ (تیسیر القرآن:605/4)

(2) امام راغب کہتے ہیں کہ عسعس کے معنی معمولی تاریکی کے ہیں۔ جو ابتدائی اور آخری شب دونوں حصوں میں صادق آتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ لفظ دونوں معنی میں مشترک معنوی ہے۔ (تفسیر کمالین جلالین:195/7)

﴿وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ﴾

''اور صبح کی جب وہ سانس لیتی ہے!'' (18)

سوال:﴿وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ﴾ ''اور صبح کی جب وہ سانس لیتی ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ﴾ ''اور صبح کی جب وہ سانس لیتی ہے'' گویا آفتاب کو دریا میں تیرنے والی مچھلی سے تشبیہ دی اور طلوع سے پہلے اس کے نور کے منتشر ہونے کو دم ماہی سے نسبت کی۔ جیسے مچھلی دریا میں آنکھوں سے پوشیدہ گزرتی ہے اور اس کے سانس لینے سے پانی اڑتا اور منتشر ہوتا ہے۔ اسی طرح آفتاب کی حالت قبل طلوع اور قبل روشنی پھیلنے کے ہے۔ (تفسیر عثمانی:863/2)

(2) یعنی صبح جب اس کی علامات ظاہر ہونے لگیں اور روشنی تھوڑی تھوڑی پھوٹنے لگے، یہاں تک کہ مکمل ہوجائے اور سورج نکل آئے۔ یہ بڑی بڑی نشانیاں جن کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے، قرآن کی سند کی قوت، اس کی جلالت اور ہر شیطان مردود سے اس کی حفاظت کی بنا پر ہے۔(تفسیر سعدی:2916/3) (3) یعنی جب سحر کی روشنی پھیلنے لگے۔

﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ﴾

''بلاشبہ یقیناً یہ ایک معزز پیغام پہنچانے والے کا قول ہے''(19)

سوال: ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ﴾ ''بلاشبہ یقیناً یہ ایک معزز پیغام پہنچانے والے کا قول ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ﴾ ''بلاشبہ یقیناً یہ ایک معزز پیغام پہنچانے والے کا قول ہے'' قرآن جبرائیل کا لایا ہوا ہے جو بزرگ اور شریف ہیں۔ اس قرآن کو محمد رسول اللہ پر نازل کیا گیا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (١٩٢) نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ (١٩٣) عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ (١٩٤)﴾ ''اور بلاشبہ یہ یقیناً جہانوں کے رب کا نازل کیا ہوا کلام ہے۔ اسے روح الامین لے کر اُترا ہے۔ آپ کے دل پر تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں۔(الشعراء:192,194)

(2) اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے اچھے اخلاق اور قابل تعریف خصائل کی وجہ سے کَرِیْم کی صفت سے موصوف کیا ہے، کیونکہ یہ فرشتوں میں سب سے افضل اور اپنے رب کے ہاں سب سے بڑے رتبے کا حامل ہے(تفسیر السعدی:2916,2917/3)

﴿ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ﴾

''جو قوت والا ہے، عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہے''(20)

سوال: ﴿ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ﴾ ''جو قوت والا ہے، عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ذِيْ قُوَّةٍ﴾ ''جو قوت والا ہے، یعنی جبرائیل بڑے طاقت ور ہیں'' جیسا کہ فرمایا: ﴿عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى (٥) ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى (٦)﴾ اُس کو نہایت مضبوط قوتوں والے (فرشتے) نے تعلیم دی ہے۔ جو بڑی طاقت والا ہے، چنانچہ وہ بلند ہوا۔(النجم:5,6)

(2) اللہ تعالیٰ نے اسے جو حکم دیا، اس کی تعمیل کی قوت اور طاقت رکھنے والا ہے۔ یہ جبریل علیہ السلام کی قوت تھی کہ انھوں نے سیدنا لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کو ان پر الٹ کر ان کو ہلاک کر دیا۔

(3) ﴿عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ﴾ ''عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہے'' یعنی جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت مقرب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی خاص اور بلند قدر و منزلت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو مختص کیا ہے ﴿مَكِيْنٍ﴾ یعنی تمام ملائکہ سے بڑھ

کران کی قدرومنزلت ہے۔(تفسیر السعدی:2916,2917/3)

(4)مالک عرش کے نزدیک بلند مقام وعزت والا ہے آپ کو نور کے ستر پردوں تک جانے کی اجازت ہے۔

﴿مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ﴾

''وہاں اُس کی بات مانی جاتی ہے، امانت دار ہے''(21)

سوال:﴿مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ﴾''وہاں اُس کی بات مانی جاتی ہے، امانت دار ہے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿مُّطَاعٍ ثَمَّ﴾''وہاں اُس کی بات مانی جاتی ہے''آسمانوں میں جبرائیل کی بات مانی جاتی ہے۔فرشتے ان کی اطاعت کرتے ہیں۔ان کے پاس مقرب فرشتوں کی ایک جماعت ہے جوان کی تابع ہے ان فرشتوں پر جبرائیل کا حکم نافذ ہوتا ہے۔وہ ان کے سردار ہیں۔(2)﴿اَمِیْنٍ﴾''امانت دار ہے''وہ وحی پر امین ہیں۔(ایسر التفاسیر:1732)

(3)یعنی امانت دار ہیں، ان کو جو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں، اس میں کمی بیشی نہیں کرتے اور جو حدود ان کے لیے مقرر کی گئی ہیں ان سے تجاوز نہیں کرتے۔

(4)یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں قرآن کریم کے شرف پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ اس کے ساتھ ایک عالی مرتبہ فرشتے کو بھیجا جو ان صفات کاملہ سے موصوف ہے۔عام عادت یہ ہے کہ بادشاہ کسی عالی مرتبہ ہستی کو اہم ترین مہم اور بلند مرتبہ پیغام ہی کے لیے بھیجا کرتے ہیں۔(تفسیر السعدی:2917/3)

﴿وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ﴾

''اور تمہارا ساتھی ہرگز کوئی دیوانہ نہیں ہے''(22)

سوال:﴿وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ﴾اور تمہارا ساتھی ہرگز کوئی دیوانہ نہیں ہے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَمَا صَاحِبُكُمْ﴾''اور تمہارا ساتھی ہرگز کوئی''یعنی محمد ﷺ کی فضیلت بیان فرمائی ہے جن پر قرآن نازل ہوا ہے جس کی طرف انہوں نے لوگوں کو دعوت دی۔(2)﴿بِمَجْنُوْنٍ﴾''کوئی دیوانہ نہیں ہے''یعنی محمد دیوانے نہیں ہیں۔

(3)جیسا کہ آپ کی رسالت کو جھٹلانے والے، آپ کے دشمن کہتے ہیں، آپ کے بارے میں طرح طرح کے جھوٹ گھڑتے ہیں جن کے ذریعے سے وہ اس نور کو بجھا دینا چاہتے ہیں جسے لے کر آپ آئے ہیں، بلکہ آپ تو عقل میں سب سے زیادہ کامل، رائے میں سب سے زیادہ صائب اور قول میں سب سے زیادہ سچے ہیں۔(تفسیر السعدی:2917/3)

(4)رب العزت نے ان کے الزامات کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:﴿اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ

مُّبِيْنٌ (۱۳) ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ (۱۴)﴾ ''اُن کے لیے نصیحت کہاں؟ حالانکہ بلاشبہ اُن کے پاس وضاحت سے بیان کرنے والا رسول آ چکا ہے۔ پھر بھی اُنہوں نے اُس سے منہ موڑا اور کہا: ''سکھایا ہوا دیوانہ ہے۔'' (الدخان:13,14)

(5) رب العزت نے مزید کئی مقامات پر رسول اللہ ﷺ کا دفاع کیا، فرمایا: ﴿اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۔ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ ''کیا بھلا انہوں نے کبھی غور نہیں کیا کہ ان کے ساتھی (پیغمبر) میں کوئی جنون نہیں ہے۔ وہ تو بس صاف صاف ڈرانے والے کے سوا کچھ نہیں''۔ (الاعراف:184)

(6) ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۗ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ﴾ ''آپ کہہ دیں کہ میں تمہیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کے واسطے دو دو اور ایک ایک کھڑے ہو جاؤ پھر غور کرو کیا تمہارے ساتھی کو کوئی جنون ہے؟ وہ تو محض ایک سخت عذاب سے پہلے تمہیں خبردار کرنے والا ہے۔'' (سبا:46)

﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ﴾

''اور بلاشبہ یقیناً اُس (محمد) نے اس (جبرئیل) کو (آسمان کے) روشن کنارے پر دیکھا ہے'' (23)

سوال: ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً اُس (محمد) نے اس (جبرئیل) کو (آسمان کے) روشن کنارے پر دیکھا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً اُس (محمد) نے اس (جبرئیل) کو (آسمان کے) روشن کنارے پر دیکھا ہے'' یہ واقعہ بطحا کا ہے اس وقت رحمت عالم نے آپ ﷺ کو آسمان کے بلند اور صاف کنارے پر پہلی بار دیکھا تھا جس کا بیان سورۃ نجم میں ہے (مختصر ابن کثیر:2191/2)

(2) دوسری بار دیکھنے کا بیان سورۃ نجم میں ہے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى (۱۳) عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى (۱۴) عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى (۱۵)﴾ ''حالانکہ بلاشبہ یقیناً اُس (رسول) نے ایک مرتبہ اور بھی اُسے (جبریل) اُترتے ہوئے دیکھا تھا۔ انتہائی حد کی بیری کے پاس۔ اسی کے پاس ہمیشہ رہنے کی جنت ہے۔'' (النجم:13,15)

(3) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے جبریل امین کو اس حال میں دیکھا تھا کہ پوری فضا میں ایک سبز فرش نظر آ رہا تھا اور اس نے آسمان کا کنارہ ڈھانپ لیا تھا اور آپ ﷺ نے جبریل کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا تھا۔ ان کے چھ سو پر تھے۔ (بخاری، کتاب التفسیر)

(4) سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آپ ﷺ وحی کے رک جانے کے زمانہ کا تذکرہ فرما رہے تھے کہ میں ایک مرتبہ جا رہا تھا کہ میں نے آسمان سے ایک آواز سنی۔ میں نے سر اُٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ (سیدنا جبریل علیہ السلام) ہے

جو غارِ حرا میں میرے پاس وحی لے کر آیا تھا۔ آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں یہ دیکھ کر گھبرا گیا (مجھ پر ہیبت طاری ہوگئی) پھر میں لوٹ کر گھر آیا اور میں نے کہا مجھے کپڑا اوڑھا دو، مجھے کپڑا اوڑھا دو تو مجھے گھر والوں نے کپڑا اوڑھا دیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ سورت: ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (۱) قُمْ فَأَنْذِرْ (۲) وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (۳) وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (۴) وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (۵)﴾ ''اے کپڑے میں لپٹنے والے اٹھو اور (کافروں کو) ڈراؤ اور اپنے کپڑے کو صاف رکھو اور بتوں سے علیحدہ رہو۔'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر برابر وحی آنے لگی۔ (بخاری:4926)

﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ﴾

''اور وہ غیب پر ہرگز بخیل نہیں ہے'' (24)

سوال 1: ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ﴾ ''اور وہ غیب پر ہرگز بخیل نہیں ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ﴾ ''اور وہ غیب پر ہرگز بخیل نہیں ہے'' یعنی اللہ نے غیب کی جو خبریں آپ ﷺ کی طرف وحی کی ہیں، آپ ﷺ نے اس میں سے کچھ نہیں چھپایا آپ ﷺ اس کے بارے میں بخیل نہیں ہیں۔

(2) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا' جو شخص بھی تم سے یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر جو کچھ نازل تھا' اس میں سے آپ نے کچھ چھپا لیا تھا' تو وہ جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ ''اے پیغمبر! جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف نازل ہوا ہے' یہ (سب) آپ (لوگوں تک) پہنچا دیں''۔ (بخاری:4612) (3) آپ ﷺ آسمان والوں اور زمین والوں کے امین ہیں۔

(4) آپ ﷺ نے اپنے رب کے پیغام کو کھلے طور پر ہر ایک کو پہنچایا۔

(5) آپ ﷺ نے شہری، دیہاتی میں، مرد، عورت میں، مال دار اور فقیر میں پہنچایا۔

(6) جب آپ ﷺ نے وفات پائی تو یہ لوگ علمائے ربانی اور دانش مندان ذی فراست بن چکے تھے۔ تمام علوم کی غایت وانتہا یہی لوگ تھے اور دقائق ومفاہیم کے استخراج میں یہی منتہی تھے، یہ لوگ اساتذہ تھے اور دیگر لوگوں کی انتہا یہ ہے کہ وہ ان کے تلامذہ تھے۔ (تفسیر سعدی:2981/3)

سوال 2: غیبی معاملات کے بارے میں نبی ﷺ کے کس رویئے کو ظاہر کیا جا رہا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے واضح کیا کہ آپ ﷺ کو جن معاملات کی وحی کے ذریعے سے تعلیم دی جاتی ہے، ان احکامات پر آپ ﷺ عمل کرتے ہیں۔ سب دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ رسالت کی ذمہ داریوں کا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔

﴿وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ﴾

''اور وہ ہرگز کسی شیطان مردود کا قول نہیں ہے'' (25)

سوال1:﴿وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ﴾''اور وہ ہرگز کسی شیطان مردود کا قول نہیں ہے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ﴾''اور وہ ہرگز کسی شیطان مردود کا قول نہیں ہے'' قرآن شیطانی کلام نہیں ہے، نہ اس کا کلام ہوسکتا ہے۔ نہ شیطان اس پر قابو پاسکتا ہے، نہ وہ اس کے لائق ہے۔(مختصر ابن کثیر:2192/2)

(2) رب العزت نے فرمایا:﴿وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ (۲۱۰) وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ (۲۱۱) اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ (۲۱۲)﴾''اور اس قرآن کو شیاطین لے کر نہیں اُترے۔ اور نہ ہی یہ اُن کے لائق ہے اور نہ ہی وہ اس کی استطاعت رکھتے ہیں۔ یقیناً وہ اس کے سُننے ہی سے دور رکھے گئے ہیں۔(الشعراء:210,212)

(3) قرآن مجید کی صداقت پر جس بات سے حرف آسکتا تھا اللہ تعالیٰ نے ہر اس نقص کو دور کردیا۔ اسی لیے فرمایا کہ یہ شیطان مردود کا قول نہیں۔

(4) رب العزت نے فرمایا:﴿هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ (۲۲۱) تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ (۲۲۲) يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ (۲۲۳)﴾''کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کس پر اُترتے ہیں؟ وہ ہر زبردست جھوٹے سخت گناہ گار پر اُترتے ہیں۔ وہ سنی ہوئی بات لا ڈالتے ہیں اور اُن میں سے اکثر جھوٹے ہیں۔''(الشعراء:221,223)

سوال2: کفار مکہ آپ ﷺ کو کاہن کیوں کہتے تھے؟

جواب:(1) آپ ﷺ بھی چونکہ غیب کی خبریں دیتے تھے اس لیے کفار مکہ یہ سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ کو بھی کوئی جن یا شیطان ایسی خبریں مہیا کرتا ہے۔

(2) چنانچہ ایک دفعہ آپ ﷺ بیمار ہوگئے اور دو تین راتیں نماز تہجد کے لیے نہ اٹھ سکے پھر ایک عورت ابولہب کی عورت عوراء آئی اور کہنے لگی اے محمد! میرا خیال ہے کہ تمہارے شیطان نے تمہیں چھوڑ دیا ہے۔ دو یا تین راتوں سے دیکھ رہی ہوں کہ تمہارے پاس وہ نہیں آیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی، والضحیٰ سے آخر تک یعنی قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی جب وہ قرار پکڑے کہ آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا ہے اور نہ آپ سے بیزار ہوا۔(صحیح بخاری:4950)

(3) کافروں کو یہ بتایا جارہا ہے کہ تمہارا یہ خیال غلط ہے بھلا شیطان سے کیسے ممکن ہے کہ وہ انسان کو شرک، بت پرستی اور الحاد سے ہٹا کر خالص عبادت اور توحید کی تعلیم دے؟ اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہی کا احساس دلائے، پاکیزہ زندگی، عدل اور تقویٰ اور اخلاق فاضلہ کی طرف راہ نمائی کرے۔(تیسیر القرآن:606,607)

سوال3: قرآنِ مجید کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کیا وضاحت کی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ قرآنِ مجید شیاطین کی طرف سے پھونکی ہوئی بات نہیں جو چوری چھپے باتیں سُن کر پہنچاتے ہیں، اُدھوری باتیں کرتے ہیں اور ایک سچ کے ساتھ 99 جھوٹ شامل کر لیتے ہیں۔

﴿فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ﴾

''پھر تم لوگ کدھر جا رہے ہو؟ (26)

سوال: ﴿فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ﴾ ''پھر تم لوگ کدھر جا رہے ہو'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ﴾ ''پھر تم لوگ کدھر جا رہے ہو'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اس قرآن سے کدھر جا رہے ہو اور اس سے رخ موڑ کر کہاں جا رہے ہو۔ (جامع البیان: 88/30) (2) یعنی تم قرآن کا انکار اور اس سے اعراض کر کے کس راستے پر چل رہے ہو۔ (ایسر التفاسیر: 1732)

(3) جب تم پر قرآن کی صداقت ظاہر ہو چکی تو پھر اسے کیوں جھٹلاتے ہو! کیوں عقلیں ماری گئیں جب بنو حنیفہ کے کچھ آدمی سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس مسلمان ہو کر حاضر ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ مسیلمہ کا جو مدعی نبوت تھا اور تم اسے آج تک نبی مانتے رہے ہو، گھڑا ہوا کلام تو سناؤ۔ سنایا تو انتہائی رکیک اور محض بکواس تھا۔ فرمایا، تمہاری عقلیں کہاں تھیں؟ تم نے ذرا بھی نہیں سوچا کہ اس بکواس کو اللہ کے کلام سے کیا نسبت؟ ناممکن ہے کہ ایسا بے تکا کلام اللہ کا ہو یا تم اللہ کی کتاب اور اس کی فرمانبرداری سے بھاگ رہے ہو۔ (مختصر ابن کثیر: 2192/2)

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾

''یہ تو سارے جہانوں کے لیے نصیحت ہے'' (27)

سوال 1: ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ ''یہ تو سارے جہانوں کے لیے نصیحت ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنْ﴾ یعنی یہ قرآن۔ (2) ﴿هُوَ﴾ یعنی قرآن کے ذکر سے۔

(3) ﴿اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ ''سارے جہانوں کے لیے نصیحت ہے'' یعنی یہ جہان والے جنوں اور انسانوں کے لیے تذکرہ اور نصیحت ہے۔ (جامع البیان: 88/30)

(4) یعنی جس کے ذریعے سے وہ اپنے رب، اس کی صفات کمال اور ان صفات کو یاد رکھتے ہیں جن کے ذریعے سے تمام نقائص، رذائل اور امثال سے اس کی تنزیہہ ثابت ہوتی ہے، اس کے ذریعے سے وہ اوامر و نواہی اور ان کے حکم کو یاد رکھتے ہیں اور اس کے ذریعے سے احکام قدریہ، احکام شرعیہ اور احکام جزائیہ کو یاد رکھتے ہیں۔ وہ بالجملہ دنیا و آخرت کے مصالح کو یاد رکھتے ہیں اور عمل کے ذریعے سے دنیا اور آخرت کی سعادت کو پا لیتے ہیں۔ (تفسیر السعدی: 2918/3)

سوال 2: قرآنِ مجید کس کے لئے نصیحت ہے؟

جواب: قرآنِ مجید اُس کے لئے نصیحت ہے جو سیدھے راستے پر چلنا چاہے۔

﴿لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ﴾

''تم میں سے اُس کے لیے جو چاہے کہ وہ سیدھا چلے'' (28)

سوال 1: ﴿لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ﴾ ''تم میں سے اُس کے لیے جو چاہے کہ وہ سیدھا چلے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ﴾ ''تم میں سے اُس کے لیے جو چاہے'' یعنی جو سیدھے راستے کی تلاش میں ہیں قرآن انہیں سیدھا راستہ بتائے گا۔

(2) ﴿اَنْ يَّسْتَقِيْمَ﴾ ''کہ وہ سیدھا چلے'' یعنی جو اللہ تعالیٰ کی شریعت پر استقامت اختیار کرتا ہے اور نیک لوگوں کے راستے پر چلتا ہے۔ (صفوۃ التفاسیر: 500/3)

(3) یعنی یہ قرآن سارے جہان والوں کے لیے نصیحت تو ہے مگر اس سے فائدہ اسی کو پہنچ سکتا ہے جو خود بھی سیدھے راستے پر چلنا چاہتا ہے اور گمراہی سے بچنا چاہتا ہے۔ (4) قرآن ہی نجات اور ہدایت کا ذریعہ ہے اس پر عمل کر کے اپنی آخرت بناؤ۔ (مختصر ابن کثیر: 2192/2)

﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

''اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے جو سارے جہانوں کا رب ہے'' (29)

سوال 1: ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے جو سارے جہانوں کا رب ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے جو سارے جہانوں کا رب ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ کی مشیت نافذ ہے اس کی مخالفت کی جا سکتی ہے نہ اس کو روکا جا سکتا ہے۔

(2) تمہارا چاہنا وہی ہوتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ کو پہلے سے ہی علم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ علم تمہیں اس بات پر مجبور نہیں کرتا کہ تم وہی کام کرو جو پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ (تیسیر القرآن: 607/4)

(3) ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے سلیمان بن موسیٰ سے روایت کیا ہے کہ جس وقت یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو ابوجہل کہنے لگا یہ چیز تو ہمارے اختیار میں ہے اگر ہم چاہیں تو سیدھے چلیں اور اگر ہماری مرضی نہ ہو تو نہ چلیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ جملہ نازل فرمایا: ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (تفسیر ابن عباس: 458/3)

(4) نیکی کا ارادہ کرنا بھی اس کی مشیت اور توفیق پر موقوف ہے۔ ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ ''اور کسی انسان کے لیے ممکن نہیں کہ وہ ایمان لائے مگر اللہ تعالیٰ کے اذن سے اور وہ اُن پر گندگی ڈال دیتا ہے

جولوگ نہیں سمجھتے۔'' (یونس:100)

(5) ہدایت اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہی ملتی ہے رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ ''یقینا آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے مگر اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور وہ ہدایت پانے والوں کو زیادہ جاننے والا ہے۔'' (القصص:56)

(6) ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ ''اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔'' (الانسان:30)

(7) سیدہ قتیلہ رضی اللہ عنہا، جو جہینہ کی ایک عورت ہیں، بیان کرتی ہیں کہ ایک یہودی نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا تم اللہ کا شریک بناتے ہو اور تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہو۔ تم کہتے ہو جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو آپ چاہیں اور تم کہتے ہو کہ کعبہ کی قسم! تو رسول اللہ ﷺ نے اسی وقت ایمان والوں کو حکم دیا کہ جب وہ قسم کھایا کریں تو اس طرح کہا کریں: ''کعبہ کے رب کی قسم!'' اور ہر شخص کو چاہیے کہ اس طرح کہے۔'' جو اللہ تعالیٰ چاہے پھر جو آپ چاہیں۔'' (نسائی:3804)

سوال 2: انسان کی چاہت کس چیز پر منحصر ہے؟

جواب: انسان کی چاہت اللہ تعالیٰ کی توفیق پر منحصر ہے۔ جب تک انسان کی چاہت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توفیق، اس کی مشیت شامل نہیں ہوتی، اس وقت تک انسان سیدھا راستہ اختیار نہیں کرسکتا۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہدایت انسان اپنی مرضی سے حاصل نہیں کرسکتا، نہ یہ پیغمبر کی وجہ سے نصیب ہوتی ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ملتی ہے۔

ایاتها ١٩ | ٨٢ سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ ٨٢ | ركوعها ١

سوال 1: یہ سورت کب نازل ہوئی؟ اس کی کتنی آیات ہیں اور کتنے رکوع ہیں؟

جواب: یہ مکی سورت ہے۔ اس کی 19 آیات اور ایک رکوع ہے۔

سوال 2: اس سورت کا نزولی ترتیب اور مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے کیا نمبر ہے؟

جواب: نزولی ترتیب کے اعتبار سے 82 ویں نمبر پر ہے اور مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے بھی اس کا نمبر 82 ہے۔

سوال 3: اس سورۃ کی کیا اہمیت ہے؟

جواب: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جسے یہ بات پسند ہو کہ وہ قیامت کے دن کو اس طرح دیکھے گویا آنکھ سے دیکھ رہا ہو تو وہ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ، اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ کی تلاوت کرلے۔'' (ترمذی:3333)

رکوع نمبر 7

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ﴾

''جب آسمان پھٹ جائے گا'' (1)

سوال 1: ﴿اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ﴾ ''جب آسمان پھٹ جائے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿انْفَطَرَتْ﴾ فطر کے معنی کسی چیز کو لمبائی میں یوں پھاڑنا کہ اس میں شگاف پڑ جائے اور فطور شگاف کے معنی میں آتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کے معنی چر جانا بھی درست ہیں اور پھٹ جانا بھی۔ جو صورت بھی ہو اس سے آسمان میں شگاف پڑ جائیں گے۔ (تیسیر القرآن 608/42)

(2) قیامت کے دن آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ فرمایا: ﴿السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ۚ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا﴾ ''آسمان اس میں پھٹ جانے والا ہے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہمیشہ سے پورا ہو کر ہی رہنے والا ہے''۔ (مزمل: 18)

سوال 2: آسمان کیسے پھٹ جائے گا؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے حکم اور رعب سے پھٹ جائے گا۔

﴿وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ﴾

''اور جب ستارے بکھر جائیں گے'' (2)

سوال 1: ﴿وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ﴾ ''اور جب ستارے بکھر جائیں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿انْتَثَرَتْ﴾ ''بکھر جائیں گے'' نثر ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی سے جھڑ کر پراگندہ ہو جائے۔ ستاروں کی باہمی کشش ختم ہونے کی وجہ سے وہ بے ترتیبی سے ادھر ادھر بکھر جائیں گے۔ ان کا حسن زائل ہو جائے گا۔

سوال 2: ستارے کیسے بکھر جائیں گے؟

جواب: ستارے اللہ کے حکم سے بکھر جائیں گے۔

﴿وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ﴾

''اور جب سمندر پھاڑ دیے جائیں گے'' (3)

سوال1:﴿وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ﴾''اور جب سمندر پھاڑ دیے جائیں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ﴾''اور جب سمندر پھاڑ دیے جائیں گے'' فجر کے معنی کسی چیز کو وسیع پیمانے پر پھاڑنا جو کہ سارے افق پر نمودار ہوتی ہے اس لیے اسے فجر کہتے ہیں۔ فجر کے معنی پانی کو پھاڑ کر وسیع علاقے تک چلانا یا جاری کرنا۔ گویا سمندروں کو پھاڑ کر اس کے پانی کو دور دور کے علاقوں پر زمین میں بہا دیا جائے گا۔ سمندروں کے لیے سجرت کا لفظ آیا ہے۔ یعنی ان میں تلاطم بپا ہو جائے گا اور پانی باہر دور دور تک پھیل جائے گا۔ پھر یہی پانی گیسوں میں تبدیل ہو کر جلنے لگے گا۔ (تیسیر القرآن 608/4)

﴿وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ﴾

''اور جب قبریں اکھیڑ دی جائیں گی'' (4)

سوال1:﴿وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ﴾''اور جب قبریں اکھیڑ دی جائیں گی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ﴾''اور جب قبریں اکھیڑ دی جائیں گی'' بعثر کا لغوی مفہوم: بعثرت بعثر دراصل دو لفظوں کا مرکب ہے۔ بعث اور عثر کا۔ بعث کا ایک معنی زمین وغیرہ کا کھودنا اور ڈھونڈنا یا ڈھونڈھ نکالنا بھی ہے۔ اور عثر کے معنی کسی دوسری چیز کے دوران کسی اور چیز کا خود بخود ظاہر ہو جانا، کھل جانا یا سامنے آ جانا۔ مطلب یہ ہے کہ جب قبروں کو الٹ پلٹ کیا جائے گا۔ اور کھودا جائے گا تو مردے خود بخود باہر نکل پڑیں گے۔ (تیسیر القرآن:604/8)

﴿عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ﴾

''ہر شخص جان جائے گا جو اُس نے آگے بھیجا اور جو اُس نے پیچھے چھوڑا ہے'' (5)

سوال1:﴿عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ﴾''ہر شخص جان جائے گا جو اُس نے آگے بھیجا اور جو اُس نے پیچھے چھوڑا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿عَلِمَتْ نَفْسٌ﴾''ہر شخص جان جائے گا'' یعنی ہر شخص یہ دیکھ لے گا کہ اس کے ہاتھوں نے کیا کمائی آگے بھیجی ہے۔ جب بدبختی اور ابدی عذاب کا یقین ہو جائے گا تو وہ حسرت سے اپنے ہاتھوں پر کاٹے گا اور متقیوں نے جو نیک اعمال بھیجے ہوں گے۔ وہ کامیابی اور دائمی نعمتوں سے فیض یاب ہوں گے۔

(2)﴿مَّا قَدَّمَتْ﴾''جو اُس نے آگے بھیجا'' یعنی وہ کون کون سے کام تھے جو اس نے اپنی زندگی میں آگے بھیجے۔

(3)﴿وَأَخَّرَتْ﴾''اور جو اُس نے پیچھے چھوڑا ہے'' اور ایسے کون کون سے کام تھے جن کا عذاب یا ثواب موت کے بعد بھی نامہء اعمال میں درج ہوتا رہا۔

(4) نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس نے اسلام میں کسی نیک کام کی طرح ڈالی اس کے لیے اس کے اپنے عمل کا بھی ثواب ہے اور جو لوگ اس کے بعد بھی اس پر عمل کریں ان کا بھی ثواب ہے بغیر اس کے کہ ان لوگوں کا ثواب کچھ کم ہو اور جس نے اسلام میں کوئی بری طرح ڈالی اس پر اس کے عمل کا بھی بار ہے۔ اور ان لوگوں کا بھی جو اس کے بعد عمل کریں بغیر اس کے کہ ان لوگوں کا بار کچھ کم ہو“۔ (مسلم، کتاب الزکوۃ، باب الحث علی صدقۃ:2351)

(5) ﴿يُنَبَّؤُا الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ﴾ ”اُس دن انسان کو بتایا جائے گا جو کچھ اُس نے آگے بھیجا اور جو اُس نے پیچھے چھوڑا ہے“۔ (القیامہ:13)

(6) ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اُس نے کل کے لیے کیا آگے بھیجا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ یقیناً اُس سے پوری طرح باخبر ہے جو تم عمل کرتے ہو“۔ (الحشر:18)

سوال 2: انسان کیسے جان لے گا جو اُس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا؟

جواب: انسان کائناتی تبدیلیوں کی وجہ سے، پردۂ غیب کے پھٹ جانے کی وجہ سے جان لے گا جو اُس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا۔

﴿يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ﴾

”اے انسان! اپنے رب کریم کے بارے میں تجھے کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا“ (6)

سوال 1: ﴿يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ﴾ ”اے انسان! اپنے رب کریم کے بارے میں تجھے کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ﴾ ”اے انسان! اپنے رب کریم کے بارے میں تجھے کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا“ یہ جبار و قہار کی دھمکی ہے کہ اے انسان! تو کس چیز پر پھول کر اللہ تعالیٰ کو بھول گیا ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے انسان! تجھے کس چیز نے مجھ سے مغرور بنا دیا تھا۔ تو نے میرے نبیوں کی کیا بات مانی؟ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کسی کو یہ آیت پڑھتے ہوئے پایا تو فرمایا: کہ جہالت نے اسے مغرور بنا دیا۔ (مختصر ابن کثیر 2/2193)

(2) کیا تمہاری طرف سے اس کے حقوق سے استہزا کے طور پر یا اس کے عذاب کے تحقیر کے طور پر یا اس کے جزا اور سزا پر تمہارے عدم ایمان کی بنا پر۔

(3) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنا رخ اس کی طرف کر لیتا، پھر آدمی رخ پھیر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم کس کی طرف سے تو رخ پھیرتا ہے مجھ سے بہتر کون ہے، میری

طرف رخ کر جب آدمی دوبارہ رخ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ وہی پہلی بات فرماتا ہے جب تیسری بار آدمی منہ پھیر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی طرف سے رخ پھیر لیتا ہے۔ (تفسیر مظہری 219/12)

سوال 2: انسان رب کریم کی طرف سے کیسے دھوکے میں ہے؟

جواب: انسان کو شیطان دنیا کے دھوکے میں مبتلا کرتا ہے۔ پھر وہ حقیقت جاننے کی خواہش ہی نہیں رکھتا۔ ربّ کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے اس پر احسان کیے، جس نے وجود بخشا اور عقل وفہم عطا کی۔ انسان ربّ کے احسانات کو بھولتا ہے تو ربّ کی طرف سے دھوکے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

﴿الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ﴾

''جس نے تجھے پیدا کیا۔ پھر تجھے درست بنایا، پھر تجھے برابر کیا'' (7)

سوال 1: ﴿الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ﴾ ''جس نے تجھے پیدا کیا۔ پھر تجھے درست بنایا، پھر تجھے برابر کیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿الَّذِیْ خَلَقَكَ﴾ ''جس نے تجھے پیدا کیا'' یعنی وہ تمہیں عدم سے وجود میں لایا۔

(2) ﴿فَسَوّٰىكَ﴾ ''پھر تجھے درست بنایا'' یعنی اس نے تیرے اعضاء درست بنائے ایسا نہیں کیا کہ ایک ٹانگ بڑی ایک چھوٹی۔

(3) ﴿فَعَدَلَكَ﴾ ''پھر تجھے برابر کیا'' اس نے تیرے اعضاء میں برابری اور مناسبت رکھی ہے۔

(4) اس نے تجھے درست اور معتدل ترتیب پر، حسین ترین شکل اور جمیل ترین ہیت میں پیدا کیا۔ تب کیا تمہارے لیے مناسب ہے کہ تم منعم کی نعمت کی ناشکری اور محسن کے احسان کا انکار کرو، بلاشبہ یہ محض تمہاری جہالت، تمہارے ظلم، تمہارے عناد اور تمہاری طرف سے حق کو ٹھیک کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ (پس اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تجھے کتے، گدھے، یا کسی اور حیوان کی شکل وصورت عطا نہیں کی۔ (تفسیر السعدی: 2919/3)

(5) اس سے ان لوگوں کے نظریے کی تردید ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں انسان خود بخود بنا ہے اور یہ سب فطرت کے اتفاقات میں اتنا شعور ہے کہ انسان کے اعضاء کی تخلیق میں اس قدر یکسانیت اور موزنیت کا لحاظ رکھ سکے۔

﴿فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ﴾

''جس صورت میں اُس نے چاہا تجھے جوڑ دیا'' (8)

سوال 1: ﴿فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ﴾ ''جس صورت میں اُس نے چاہا تجھے جوڑ دیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاۗءَ رَكَّبَكَ﴾ ''جس صورت میں اُس نے چاہا تجھے جوڑ دیا'' اس سے مراد ہے کہ چاہے تو باپ، ماں، ماموں، چچا جس کی شکل میں چاہے پیدا کر دے وہ چاہے تو جانوروں جیسی شکل دے لیکن اس کی رحمت ہے کہ وہ انسانی شکل میں پیدا کرتا ہے۔

﴿كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ﴾

''ہرگز نہیں! بلکہ تم جزا کو جھٹلاتے ہو''(9)

سوال1: ﴿كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ﴾ ''ہرگز نہیں! بلکہ تم جزا کو جھٹلاتے ہو'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كَلَّا﴾ ''ہرگز نہیں'' سے مراد ہے کہ رب سے دھوکے میں مبتلا ہونے کا کوئی جواز نہیں۔

(2) ﴿بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ﴾ ''بلکہ تم جزا کو جھٹلاتے ہو'' یعنی تمہارے اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں سے انکار کی وجہ یہ نہیں کہ تمہیں بات کی سمجھ نہیں آتی بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ تم سزا کے قانون الٰہی کے منکر ہو۔ تمہاری خواہش یہ ہے کہ تم جیسے بھی دنیا میں زندگی بسر کرتے رہو تم سے مرنے کے بعد کوئی محاسبہ نہ ہو اور یہ کس قدر ظلم اور بے انصافی کی بات ہے کہ تمہیں تو تیں اور تصرف و اختیار تو تمام مخلوق پر دیا جائے لیکن تم پر ذمہ داری کچھ بھی نہ ہو، یہ دھوکا تمہیں کیسے لگ جاتا ہے۔ (تیسیر القرآن: 610/4)

(3) نافرمانی پر ابھارنے والا قیامت کا عدم یقین ہے۔ اسی وجہ سے بے پرواہ ہو۔ (مختصر ابن کثیر: 2194/2)

﴿وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ﴾

''حالانکہ یقیناً تم پر نگہبان مقرر ہیں''(10)

سوال1: ﴿وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ﴾ ''حالانکہ یقیناً تم پر نگہبان مقرر ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ﴾ ''حالانکہ یقیناً تم پر نگہبان مقرر ہیں'' اللہ تعالیٰ کے جزا اور سزا کا انکار کرنے والے کو شعور دلایا ہے کہ تم مانو یا نہ مانو، تمہاری ہر بات ہر کام نوٹ ہو رہا ہے۔

(2) تمہارے اوپر مکرم فرشتے مقرر ہیں جو تمہارے اعمال پر نگران ہیں اور انہیں تمہارے لیے گن گن کر رکھتے ہیں۔ (3) فرشتے تمہارے ایک ایک فعل کو، ایک ایک قول کو ریکارڈ کرتے جا رہے ہیں اور تمہیں خبر بھی نہیں ہوتی۔ ان میں دل، زبان اور اعضاء کے اعمال شامل ہیں۔

﴿كِرَامًا كَاتِبِيْنَ﴾

''معزز لکھنے والے''(11)

سوال1: ﴿كِرَامًا كَاتِبِيْنَ﴾ ''معزز لکھنے والے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿كِرَامًا كَاتِبِيْنَ﴾ ''معزز لکھنے والے'' اللہ تعالیٰ نے معزز فرشتے انسان پر مقرر کر رکھے ہیں۔

(2) بزرگ فرشتوں کا لحاظ کر کے برائی سے شرماؤ۔ یہ تمہارے اعمال لکھ رہے ہیں۔

(3) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے یہ بزرگ فرشتے تم سے جنابت اور پاخانہ کی حالت کے سوا کسی وقت الگ نہیں ہوتے، تم ان کا احترام کرو، غسل کے وقت بھی پردہ کر لیا کرو یا دیوار سے اوٹ ہی سہی یہ بھی نہ ہو تو اپنے ساتھ کسی ساتھی کو کھڑا کر لیا کرو تا کہ وہی پردہ ہو جائے۔ (ابن ابی حاتم۔ابن کثیر 508/5)

سوال 2: معزز لکھنے والے کیا لکھتے ہیں؟

جواب:(1) انسان کے ہر کام اور ہر بات کو لکھتے ہیں۔(2) ایک نیکی لکھتا ہے اور دوسرا بدی لکھتا ہے۔

(3) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ (۱۷) مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (۱۸)﴾ ''جب کہ دو ضبط کرنے والے اُس کے دائیں اور بائیں بیٹھے ضبط کرتے رہتے ہیں۔ کوئی لفظ وہ نکال نہیں پاتا مگر ایک تیار نگران اُس کے پاس ہوتا ہے'' (ق:17,18)

﴿يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾

''وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو'' (12)

سوال 1: ﴿يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ ''وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) نگران فرشتے وہ سب جانتے ہیں جو انسان کرتا ہے۔

(2) رب العزت نے فرمایا ﴿مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ﴾ ''اس دن جو کوئی اس سے ہٹا دیا گیا تو یقیناً اُسی پر اللہ تعالیٰ نے رحم کیا اور یہی واضح کامیابی ہے۔'' (الانعام:16)

سوال 2: فرشتوں کی نگرانی سے انسان کو کیا شعور دلایا گیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے یہ شعور دلایا ہے کہ ریکارڈ تو بن رہا ہے، اب محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ﴾

''یقیناً نیک لوگ بلاشبہ نعمتوں میں ہوں گے'' (13)

سوال 1: ﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ﴾ ''وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ﴾ ''یقیناً نیک لوگ بلاشبہ نعمتوں میں ہوں گے'' الابرار سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس

کے بندوں کے حقوق قائم کرتے ہیں۔ جو دل، زبان اور اعضاء کے اعمال میں نیکیاں کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا بدلہ یہ ہے کہ ان کو اس دنیا میں، قبر میں اور آخرت میں دل، روح اور بدن کی نعمتیں حاصل ہوں۔

(2) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان کو ابرار اس لئے فرمایا کہ انہوں نے باپ اور بیٹوں کے ساتھ نیک سلوک کیا ہے۔ (تفسیر مظہری:220)

﴿وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ﴾

''اور یقیناً گناہ گار بلاشبہ دوزخ میں ہوں گے'' (14)

سوال 1: ﴿وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ﴾ ''اور یقیناً گناہ گار بلاشبہ دوزخ میں ہوں گے'' اس آیتکی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَإِنَّ الْفُجَّارَ﴾ ''اور یقیناً گناہ گار'' جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق میں کمی کی، جن کے دل بگڑ گئے۔

(2) ﴿لَفِي جَحِيمٍ﴾ ''بلاشبہ دوزخ میں ہوں گے'' یعنی وہ اس دنیا میں، قبر میں اور آخرت میں عذاب میں رہیں گے۔

﴿يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ﴾

''جزا کے دن وہ اُس میں داخل ہوں گے'' (15)

سوال: ﴿يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ﴾ ''جزا کے دن وہ اُس میں داخل ہوں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ﴾ ''جزا کے دن وہ اُس میں داخل ہوں گے'' وہ جزا کے دن اپنے اعمال کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے۔ (2) اس دن انہیں شدید عذاب دیا جائے گا۔

﴿وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ﴾

''اور وہ اُس سے ہرگز غائب ہونے والے نہیں ہوں گے'' (16)

سوال: ﴿وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ﴾ ''اور وہ اُس سے ہرگز غائب ہونے والے نہیں ہوں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ﴾ ''اور وہ اُس سے ہرگز غائب ہونے والے نہیں ہوں گے'' غائب نہ ہونے سے مراد ہے کہ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ نہ اس سے بھاگ کر کسی اور جگہ پناہ لے سکیں گے۔

(2) ان کے عذاب میں ایک سیکنڈ کے لیے بھی تخفیف نہیں ہوگی۔ (3) نہ انہیں موت آئے گی نہ آرام کی زندگی ملے گی۔

﴿وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ﴾

''اور تم کیا جانو کہ جزا کا دن کیا ہے'' (17)

سوال 1: ﴿وَمَآ اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ﴾ ''اور تم کیا جانو کہ جزا کا دن کیا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب (1) ﴿وَمَآ اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ﴾ ''اور تم کیا جانو کہ جزا کا دن کیا ہے'' یعنی آپ خواہ کتنا ہی غور وفکر کرو اس دن کی ہولنا کیوں کی کیفیت کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتے۔ (2) بس اس دن کا ادراک حاصل کرنا تمہارے بس کی بات نہیں۔

(3) بس یہ جان لو کہ اس دن کوئی رشتہ داری کام نہ آئے گی، ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی۔ کوئی اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کسی کی سفارش نہیں کر سکے گا۔

﴿ثُمَّ مَآ اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ﴾

''پھر تم کیا جانو کہ وہ جزا کا دن کیا ہے؟'' (18)

سوال 1: ﴿ثُمَّ مَآ اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ﴾ ''پھر تم کیا جانو کہ وہ جزا کا دن کیا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿ثُمَّ مَآ اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ﴾ ''پھر تم کیا جانو کہ وہ جزا کا دن کیا ہے'' یہ سوال دوبارہ اس لیے کیا گیا ہے کہ اس سخت دن کا ہول دلایا جائے جو انسانوں کو حیران اور ششدر کر دے گا۔

سوال 2: ''پھر تمہیں کیا معلوم'' کا سوال دوبارہ کیوں کیا گیا؟

جواب: یہ سوال جزا کے دن کی اہمیت کا احساس دلانے کے لئے کیا گیا۔

﴿يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ﴾

''جس دن کسی جان کو کسی جان کے لیے کوئی اختیار نہ ہوگا اور اُس دن حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہوگا'' (19)

سوال 1: ﴿يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ﴾ ''جس دن کسی جان کو کسی جان کے لیے کوئی اختیار نہ ہوگا اور اُس دن حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہوگا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَوْمَ﴾ ''جس دن'' جزا کا دن کیسا ہوگا؟

(2) ﴿لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا﴾ ''کسی جان کو کسی جان کے لیے کوئی اختیار نہ ہوگا'' جب کسی کو کسی کی لیے کچھ کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

(3) ﴿وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ﴾ ''اور اُس دن حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہوگا'' فیصلے کے تمام اختیارات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوں گے رب العزت نے فرمایا: ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ ''بدلے کے دن کا مالک ہے'' (الفاتحہ:4)

(4) قیامت کے دن حکم صرف رب العزت کا ہوگا کوئی کسی کے کچھ کام نہ آسکے گا اس بات کو قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر واضح کیا گیا۔

رب العزت نے فرمایا: ﴿يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ڬ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾

''جس دن سب لوگ صاف ظاہر ہوں گے، اللہ تعالیٰ سے اُن کی کوئی چیز پوشیدہ نہ ہوگی۔ آج بادشاہت کس کے لئے ہے؟ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، جو اکیلا ہے، بہت دبدبے والا ہے۔'' (المومن:16)

(5) اسی طرح فرمایا: ﴿اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِۨ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا﴾ ''اُس روز حقیقی بادشاہت رحمن کی ہوگی اور وہ دن کافروں پر بڑا مشکل ہوگا۔ (الفرقان:26)

(6) ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـــًٔـا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾ ''اور ڈرو اُس دن سے جب کوئی جان کسی جان کے کچھ بھی کام نہ آئے گی اور نہ اُس سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ اُس سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ اُن کی مدد کی جائے گی۔'' (البقرہ:48)

(6) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ''اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو بلایا، عام وخاص سب کو جمع فرمایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے کعب بن لوی کے قبیلہ والو! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ۔ اے مرہ بن کعب کے قبیلہ والو! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ۔ اے عبد شمس کے قبیلے والو! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ۔ اے عبد مناف کے قبیلہ والو! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ اے بنی ہاشم کے قبیلہ والو! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ۔ اے بنی عبدالمطلب والو! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ۔ اے فاطمہ! (رضی اللہ عنہا) اپنے آپ کو دوزخ سے بچالے کیونکہ میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔ سوائے اس کے کہ میں تمہارا رشتہ دار ہوں اور بحیثیت رشتہ داری کے میں تم سے صلہ رحمی کرتا رہوں گا۔ (صحیح مسلم:501)

(7) دنیا میں کئی طرح کے لوگوں کا دوسروں پر حکم چلتا ہے مثلاً بادشاہوں کا اپنی رعیت پر، افسروں کا اپنے ماتحتوں پر، ماں باپ کا اپنی اولاد پر، مالک کا اپنے نوکر اور غلام پر مگر اس دن پر یہ سب حکم ختم ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جراءت نہ ہوگی۔ بلاشرکت صرف اس ایک کا حکم چلے گا۔ جسے سب تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے۔

(8) اس دن اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرے گا اور حق دار کو اس کا حق دلوائے گا۔

ایاتها ٣٦ | ٨٣ سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ ٨٦ | رکوعها ١

سوال 1: یہ سورت کب نازل ہوئی؟ اس کی کتنی آیات اور کتنے رکوع ہیں؟

جواب: (1) مکی سورت ہے۔ ایک رکوع اور 36 آیات پر مشتمل ہے۔

(2) ایک روایت میں سیدنا ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ آخری سورت ہے جو مکّہ میں نازل ہوئی۔ (فتح القدیر)

(3) بعض مفسرین اس سورت کو مکی اور بعض مدنی قرار دیتے ہیں۔

سوال 2: اس سورت کا نزولی ترتیب اور مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے کیا نمبر ہے؟

جواب: نزولی ترتیب کے اعتبار سے یہ 86 ویں نمبر پر ہے۔ مصحف میں یہ 83 ویں نمبر پر ہے۔

رکوع نمبر: 8

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ﴾

''ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے'' (1)

سوال 1: ﴿وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ﴾ ''ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَیْلٌ﴾ ''بڑی ہلاکت ہے'' یہ عذاب اور عقاب کا کلمہ ہے۔ (تفسیر السعدی: 2921/3) (2) یعنی خسارہ اور ہلاکت کے لئے۔

(3) ﴿لِّلْمُطَفِّفِیْنَ﴾ ''ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے'' تطفیف کا لغوی مفہوم: طفیف بمعنی معمولی اور حقیر چیز طفّف بمعنی ماپ کا پیمانہ بھرتے وقت تھوڑا سا کم بھرنا یا پیمانہ ہی تھوڑا سا چھوٹا رکھنا تا کہ غلّہ لینے والے کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ اسے اس کا حق تھوڑا سا کم دیا جا رہا ہے۔ عرب میں زیادہ تر اشیاء کو ماپ دینے کا رواج تھا۔

(4) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اس وقت اہل مدینہ ماپ تول کے اعتبار سے بہت برے تھے، تاہم بعدازاں جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ﴾ ''بڑی ہلاکت ہے ماپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے۔'' (المطففین: 1) تو پھر انھوں نے ناپ تول درست کر لیا۔'' (ابن ماجہ: 2223)

(5) ابن ابی حاتم میں ہے کہ سیدنا ہلال بن طلق نے ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مکے مدینے والے بہت ہی عمدہ ناپ تول رکھتے ہیں، آپ نے فرمایا وہ کیوں نہ رکھتے جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ﴾ الخ ہے۔ (ابن کثیر: 509/5)

(6) حدیث میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خمس بخمس یعنی پانچ گناہوں کی سزا پانچ چیزیں ہیں۔ (i) جو شخص عہد شکنی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر اس کے دشمن کو مسلط اور غالب کر دیتا ہے۔

(ii) جو قوم اللہ تعالیٰ کے قانون کو چھوڑ کر دوسرے قوانین پر فیصلے کرتے ہیں ان میں فقر و احتیاج عام ہو جاتا ہے۔

(iii) جس قوم میں بے حیائی عام اور زنا عام ہو جائے اس پر اللہ تعالیٰ طاعون (اور دوسرے وبائی امراض) مسلط کر دیتا ہے۔

(iv) اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کرنے لگیں اللہ تعالیٰ ان کو قحط میں مبتلا کر دیتا ہے۔ (v) جو لوگ زکوۃ ادا نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان سے بارش

کو روک دیتا ہے۔

﴿الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ﴾

''وہ لوگ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں'' (2)

سوال 1: ﴿الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ﴾ ''وہ لوگ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ﴾ ''وہ لوگ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں'' اور جو شخص جھکتا تول کر دے رہا ہے اسے اب اس کا حق ملے گا تو وہ بھی جھکتا ہی ملے گا۔ اور اسے بھی کسر نہ رہے گی۔ پھر ایسے معاشرہ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتوں کا جو نزول ہو گا اس کا اندازہ تجربہ سے ہی کیا جا سکتا ہے۔ (تیسیر القرآن: 611/4)

﴿وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ﴾

''اور جب اُنہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو اُنہیں کم دیتے ہیں'' (3)

سوال 1: ﴿وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ﴾ ''اور جب اُنہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو اُنہیں کم دیتے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ﴾ ''اور جب اُنہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں'' یعنی جب لوگوں کو ان کا حق عطا کرتے ہیں جو کسی ناپ تول کی صورت میں ان کے ذمے ہوتا ہے۔

(2) ﴿يُخْسِرُوْنَ﴾ ''تو اُس میں کمی کرتے ہیں'' یا تو ناپ کے ناقص پیمانے اور تولنے کی ناقص ترازو کے ذریعے سے یا ناپ تول کے پیمانے کو پوری طرح نہ بھرتے ہوئے کمی کرتے ہیں یا اس کے علاوہ دیگر طریقوں سے کمی کرتے ہیں۔ یہ لوگوں کے اموال کی چوری اور ان کے ساتھ بے انصافی ہے۔ جب ان لوگوں کے لیے یہ وعید ہے جو ناپ تول کے ذریعے سے لوگوں کے اموال میں کمی کرتے ہیں تو وہ لوگ اس وعید کے، ناپ تول میں کمی کرنے والوں سے زیادہ مستحق ہیں جو جبراً لوگوں سے چھینتے ہیں یا چوری کرتے ہیں۔ (تفسیر السعدی: 2921/3)

(3) یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ انسان جس طرح لوگوں سے اپنا حق وصول کرتا ہے اسی طرح اس پر فرض ہے کہ وہ اموال و معاملات میں لوگوں کے حقوق ادا کرے، بلکہ اس کے عموم میں دلائل و مقالات بھی شامل ہیں، کیونکہ جیسے آپس میں مناظرہ کرنے والوں کی عادت ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی دلیل بیان کرنے کا حریص ہوتا ہے، اس پر واجب ہے کہ وہ اس دلیل کو بھی بیان کرے جو اس کے مخالف کے علم میں نہیں ہوتی، نیز وہ اپنے مخالف کے دلائل پر بھی اسی طرح غور کرے جس طرح وہ اپنے دلائل پر غور کرتا ہے۔ اس مقام پر انسان

کے انصاف اور اس کے تعصب وظلم، اس کی تواضع اور تکبر، اس کی عقل اور سفاہت کی معرفت حاصل ہوتی ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے ہر قسم کی بھلائی کی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔ (تفسیر السعدی: 2921/3)

(4) اللہ تعالیٰ نے ماپ تول پورا رکھنے کا حکم دیا ہے ﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ ''اور جب ماپ کرو تو پورا پورا ماپ کرو اور سیدھی ترازو سے تولا کرو یہی بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے۔'' (بنی اسرائیل: 35)

(5) ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ ''اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر جو طریقہ سب سے بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی پختگی کو پہنچ جائے اور ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو، ہم کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی طاقت کے مطابق اور جب تم بات کرو تو انصاف کرو خواہ کوئی رشتہ دار ہو اور اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ان احکام کا تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔'' (الانعام: 152)

(6) ﴿وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ﴾ ''اور انصاف کے ساتھ وزن قائم کرو اور ناپ تول میں گھاٹا نہ دو۔'' (الرحمٰن: 9)

(7) ﴿وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾ ''اور اے میری قوم! انصاف کے ساتھ ماپ اور تول کو پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دو اور زمین میں فسادی بن کر دنگا نہ کرو۔'' (ھود: 85)

(8) سیدنا ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں اور جس نے ہمیں دھوکا دیا وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے۔ (مسلم: 283)

(9) سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے مہاجرین کے گروہ پانچ باتیں ہیں جب تم ان میں مبتلا ہو جاؤ گے اور میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم اس میں مبتلا ہو۔ (وہ پانچ باتیں یہ ہیں) پہلی یہ کہ جب کسی قوم میں اعلانیہ فحش ہونے لگ جائے، تو ان میں طاعون اور ایسی بیماریاں پھوٹ پڑتی ہیں جو ان سے پہلے کے لوگوں میں نہ تھیں، دوسری یہ کہ جب لوگ ناپ تول میں کمی کرنے لگ جاتے ہیں تو وہ قحط، معاشی تنگی اور اپنے حکمرانوں کی زیادتی کا شکار ہو جاتے ہیں، تیسری یہ کہ جب لوگ اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش کو روک دیتا ہے اور اگر زمین پر چوپائے نہ ہوتے تو آسمان سے پانی کا ایک قطرہ بھی نہ گرتا، چوتھی یہ کہ جب لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے عہد و پیمان کو توڑ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر ان کے علاوہ لوگوں میں سے کسی دشمن کو مسلط کر دیتے ہیں وہ جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے چھین لیتا ہے، پانچویں یہ کہ جب ان کے حکمران اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلے

نہیں کرتے، اور اللہ تعالیٰ نے جو نازل کیا ہے اس کو اختیار نہیں کرتے، تو اللہ تعالیٰ ان میں پھوٹ ڈال دیتا ہے۔ (ابن ماجہ:4019)

(10) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص اناج خریدے وہ اس کو نہ بیچے جب تک کہ ایک ناپ نہ لے۔ (سنن نسائی:4601)

(11) سیدنا سوید بن قیس سے روایت ہے اور مخرفہ عبدی کپڑا لے کر آئے ہجر سے ایک بستی کا نام ہے تو رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آئے۔ اور ہم منیٰ میں تھے وہاں ایک تولنے والا تھا آپ نے ایک پائجامہ خریدا اور تولنے والے سے فرمایا تول اور جھکتا تول۔ (سنن نسائی:4596)

﴿اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّهُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ﴾

''کیا یہ لوگ یقین نہیں رکھتے کہ یقیناً وہ اُٹھائے جانے والے ہیں؟'' (4)

سوال1: ﴿اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّهُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ﴾ ''کیا یہ لوگ یقین نہیں رکھتے کہ یقیناً وہ اُٹھائے جانے والے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَلَا یَظُنُّ﴾ ''کیا یہ یقین نہیں رکھتے'' یعنی کیا وہ یقین نہیں رکھتے۔ (ایسر التفاسیر:1737)

(2) ﴿اُولٰٓئِکَ اَنَّهُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ﴾ ''یہ لوگ یقیناً وہ اُٹھائے جانے والے ہیں'' کیا حق تلفیاں کرنے والے قیامت سے نہیں ڈرتے۔ جس دن اپنے مربی کی عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہوں گے۔ جس سے ان کی کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہوگی۔ کیا انہیں زندگی بعد موت کا یقین نہیں؟ (مختصر ابن کثیر:2922/3)

سوال2: ناپ تول میں کمی کرنے کے پیچھے کیا سوچ کام کرتی ہے؟

جواب: ناپ تول میں کمی کرنے والا بے خوف ہوتا ہے۔ اسے اس بات سے ڈر نہیں لگتا کہ ایک ایسا دن آنے والا ہے جب ہر ایک کو اس کے کیے کا پھل ملے گا۔

﴿لِیَوۡمٍ عَظِیۡمٍ﴾

''ایک بہت بڑے دن میں'' (5)

سوال1: ﴿لِیَوۡمٍ عَظِیۡمٍ﴾ ''ایک بہت بڑے دن میں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لِیَوۡمٍ عَظِیۡمٍ﴾ ''ایک بہت بڑے دن میں'' وہ بڑا دن بڑا ہولناک، ہوشربا اور پریشان کن ہے۔

(2) سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: ''قیامت کے دن سورج مخلوق کے قریب ہو جائے گا، یہاں تک کہ ان سے ایک میل کی مسافت تک ہوگا۔ تو لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں ڈوبے ہوئے

ہوں گے۔ پسینہ ان میں سے بعض کے ٹخنوں تک ہوگا، بعض کے گھٹنوں تک، بعض کی کمر تک اور بعض کو وہ لگام کی طرح ڈالے ہوگا۔'' نیز رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ کے ساتھ منہ کی طرف اشارہ کیا۔ (مسلم:7206)

(3) سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن سورج ایک میل تک (مخلوق کے) قریب ہوجائے گا اور اس کی گرمی کی شدت بہت بڑھا دی جائے گی۔ اس کی وجہ سے کیڑے مکوڑے اس طرح ابلیں گے جس طرح ہنڈیا ابلتی ہے۔ لوگ اپنے اپنے گناہوں کے مطابق اس گرمی میں اپنے پسینے میں ڈوبے ہوں گے۔ پسینہ اس میں سے کچھ کی پنڈلی تک پہنچا ہوگا، کچھ کے جسم کے درمیان (یعنی کمر) تک اور کچھ کو پسینہ لگام ڈالے ہوئے ہوگا۔'' (مسند احمد:22248)

﴿يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

''جس دن تمام لوگ جہانوں کے رب کے سامنےکھڑے ہوں گے'' (6)

سوال 1: ﴿يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''جس دن تمام لوگ جہانوں کے رب کے سامنے کھڑے ہوں گے'' کا آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ﴾ ''جس دن تمام لوگ کھڑے ہوں گے'' یعنی اپنی قبروں سے۔

(2) ﴿لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''جہانوں کے رب کے سامنے'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے آگے جھکے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر ہوں گے۔

(3) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: ''لوگو اس روز تمہارا کیا حال ہوگا جب اللہ تعالیٰ تمہیں اس طرح جمع کرے گا جیسے ترکش میں تیر جمع کئے جاتے ہیں۔ پھر پچاس ہزار برس تک وہ تمہاری طرف دیکھے گا بھی نہیں؟'' (فتح القدیر)

(4) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قیامت کے روز (میدان حشر میں) کھڑے ہونے کی تنگی سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ (ابوداؤد:766)

سوال 2: جس دن لوگ رب کائنات کے سامنے کھڑے ہوں گے، وہ دن کیسا ہوگا؟

جواب: جس دن لوگ رب کائنات کے سامنے کھڑے ہوں گے ان کا پسینہ ان کے آدھے آدھے کانوں تک ہوگا۔

﴿كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ﴾

''ہرگز نہیں! یقیناً نافرمانوں کا نامۂ اعمال ضرور سجین میں ہوگا'' (7)

سوال 1: ﴿كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ﴾ ''ہرگز نہیں! یقیناً نافرمانوں کا نامۂ اعمال ضرور سجین میں ہوگا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿كَلَّآ﴾ ''ہرگز نہیں''! یعنی تمہارا یہ خیال باطل ہے کہ نہ قیامت آئے گی نہ حساب کتاب ہوگا۔

(2)﴿اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ﴾ ''یقیناً نافرمانوں کا نامۂ اعمال ضرور سجین میں ہوگا'' یعنی برے لوگوں کا ٹھکانہ سجین ہے۔

(3) یہ آیت کریمہ کفار، منافقین اور فاسقین کے مختلف انواع کے تمام فاجروں کو شامل ہے۔ (تفسیر السعدی:2922/3)

سوال 2: ﴿سِجِّيْنٍ﴾ سے کیا مراد ہے؟

جواب: سجین سے مراد قید خانے کی طرح کا ایک تنگ مقام ہے۔

﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ﴾

''اور تم کیا جانو کہ سجین کیا ہے'' (8)

سوال 1: ﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ﴾ ''اور تم کیا جانو کہ سجین کیا ہے؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿سِجِّيْنٍ﴾ کے بارے میں سوال اُس کی اہمیت کا احساس دلانے کے لئے کیا گیا ہے۔

(2) یعنی سجین ایک ہولناک مقام یا دفتر ہے جہاں بدکردار لوگوں کے اعمال نامے بھی محفوظ کیے جاتے ہیں اور ان کی روحیں بھی قیامت تک یہیں قید رکھی جاتی ہیں۔ (3) سجین سبز رنگ کی چٹان یا جہنم کا گڑھا ہے (مختصر ابن کثیر:2196/2)

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ﴾ ''پھر ہم نے اُس کو لوٹا کر نیچوں سے سب سے نیچا کر دیا۔'' (التین:5)

(5) سجین میں رب العزت نے مجرموں کی کیفیت یوں بیان فرمائی: ﴿وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا﴾ ''اور جب وہ اس میں کسی تنگ جگہ پر آپس میں جکڑے ہوئے ڈال دیے جائیں گے تو وہاں وہ کسی ہلاکت کو پکاریں گے۔'' (الفرقان:13)

(6) بعض اسلاف کے نزدیک یہ مقام سات زمینوں کے نیچے ہے۔ (تیسیر القرآن:612/4)

(7) سجین ساتویں زمین کا سب سے نچلا حصہ ہے جو کہ معاد میں فجار کا مستقر (ٹھکانہ) ہے۔ (سعدی:2922/3)

﴿كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ﴾

''ایک لکھی ہوئی کتاب ہے'' (9)

سوال: ﴿كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ﴾ ''ایک لکھی ہوئی کتاب ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ﴾ ''ایک لکھی ہوئی کتاب ہے'' یہ سجین کی تعریف نہیں ہے بلکہ جو نتیجہ دوزخیوں کے لئے لکھا جاچکا ہے۔ اس کی تفسیر ہے کہ آخرکار وہ جہنم میں پہنچ جائیں گے۔ تحریر تقدیر میں کمی بیشی ناممکن ہے۔ یعنی دوزخیوں کا سجین میں جانا ہماری تحریر میں پہلے ہی

آچکا ہے۔(مختصر ابن کثیر:2196/2)

سوال 2: لکھی ہوئی کتاب سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد اعمال نامہ ہے۔

﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾

''بڑی ہلاکت ہے اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے''(10)

سوال 1: ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ ''بڑی ہلاکت ہے اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيْلٌ﴾ ''بڑی ہلاکت ہے'' یہاں اس سے مراد ہلاکت ہے۔

(2) ایک حدیث میں ہے اس کے لئے ویل ہے جو جھوٹ بول کر لوگوں کو ہنسائے اس کے لئے ویل ہے۔اس کے لیے ویل ہے۔

(سنن ابوداؤد:4990) (3) ویل جہنم کا ایک خطرناک کنواں بھی ہے۔(مختصر ابن کثیر:2196/2)

(4) ﴿يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ ''اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے'' اس دن جھٹلانے والے جو جزا کے قائل نہ تھے، جو اسے خلاف عقل کہہ کر رد کر دیتے تھے ان کے لئے تباہی ہے۔

﴿الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ﴾

''جو جزا کے دن کو جھٹلاتے ہیں''(11)

سوال: ﴿الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ﴾ ''جو جزا کے دن کو جھٹلاتے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ﴾ ''جو جزا کے دن کو جھٹلاتے ہیں'' جس دن اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔(2) ﴿بِيَوْمِ الدِّيْنِ﴾ سے مراد قیامت کا دن ہے وہ یوم حساب، یوم جزا ہے۔(ایسر التفاسیر:1738)

﴿وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ﴾

''اور اُسے نہیں جھٹلاتا مگر ہر وہ شخص جو حد سے گزرنے والا، سخت گناہ گار ہے''(12)

سوال: ﴿وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ﴾ ''اور اُسے نہیں جھٹلاتا مگر ہر وہ شخص جو حد سے گزرنے والا، سخت گناہ گار ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ﴾ ''اور اُسے نہیں جھٹلاتا مگر ہر وہ شخص جو حد سے گزرنے والا'' یعنی جزا کے دن کا انکار

صرف وہ کرسکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کی قدرت، عدل اور حکمت پر یقین نہ ہو۔

(2) جس کو روز جزا پر یقین نہ ہو وہ حد سے پھلانگنے والے، اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں میں تجاوز کرنے والے، حلال کی حدود کو پھلانگ کر حرام میں داخل ہونے والا ہے۔ (3) ﴿اَثِیْمٍ﴾ ''سخت گناہ گار ہے'' بہت زیادہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والا، بڑے بڑے گناہ کرنے والا۔

(4) ظلم اور سرکشی اسے روزِ جزا کو جھٹلانے کے لئے آمادہ کرتی ہے اور اس کے لئے تکبر کرنے اور حق کو رد کرنے کا سبب بنتی ہے۔

(5) جو جھوٹ بولتے ہیں وعدہ خلافی کرتے ہیں اور گالیاں دیتے اور بدزبانی کرنے سے نہیں چوکتے۔

(6) گناہوں کا دل پر اثر ہوتا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ بندے کو ڈھانپ لیتے ہیں اور اس کا نور ختم کردیتے ہیں پھر انسان حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھنے لگتا ہے۔

﴿اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ﴾

''جب اُس کو ہماری آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے: ''یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں'' (13)

سوال 1: ﴿اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ ''جب اُس کو ہماری آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے: ''یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا﴾ ''جب اُس کو ہماری آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں'' جب اسے آخرت کے عذاب اور ثواب کے بارے میں آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو گناہوں کا ارتکاب کرنے والا اسے جھٹلاتا ہے اور ان سے عناد رکھتا ہے۔

(2) ﴿قَالَ﴾ کہتا ہے چھوڑو باتوں کو۔

(3) ﴿اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ ''یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔'' پرانی باتیں ہیں۔ تکبر اور ضد کی بنا پر وہ کہتا ہے پچھلے لوگوں کی خبریں ہیں انہیں سن سن کر کان پک گئے ہیں۔

(4) اسی بارے میں فرمایا: ﴿وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا کچھ نازل کیا ہے؟ تو کہتے ہیں کہ اگلے لوگوں کی بے اصل کہانیاں ہیں۔'' (النحل:24)

(5) ﴿وَقَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا﴾ ''انہوں نے کہا کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جنہیں اس نے لکھوا رکھا ہے پس وہی اس کو صبح و شام پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔'' (الفرقان:5)

سوال 2: اللہ تعالیٰ کی آیات کو پہلے لوگوں کی کہانیاں کون قرار دیتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی آیات کو پہلے لوگوں کی کہانیاں وہ قرار دیتا ہے: (1) جس کی گناہوں سے رغبت بڑھ گئی ہو۔

(2) جو حد سے تجاوز کر چکا ہو۔ (3) جو آیات سُن کو غور و فکر نہ کرتا ہو۔ جو اللہ تعالیٰ کی آیات سُن کر اسے اگلے لوگوں کی کہانیاں قرار دیتا ہو۔

﴿كَلَّا بَلْ سكته رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾

''ہرگز نہیں! بلکہ اُن کے دلوں پر اُن اعمال نے زنگ لگا دیا ہے جو وہ کماتے تھے'' (14)

سوال 1: ﴿كَلَّا بَلْ سكته رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ ''ہرگز نہیں! بلکہ اُن کے دلوں پر اُن اعمال نے زنگ لگا دیا ہے جو وہ کماتے تھے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كَلَّا﴾ ''ہرگز نہیں!'' نہیں ان کا خیال غلط ہے۔ اصل بات یہ نہیں کہ ہماری آیات میں کوئی شک ہے یا ان میں اثر نہیں۔

(2) یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ یہ قرآن کہانیاں نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی وحی ہے۔

(3) ﴿بَلْ سكته رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ ''بلکہ اُن کے دلوں پر اُن اعمال نے زنگ لگا دیا ہے'' بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ گناہوں سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گئے ہیں۔ ان کی بداعمالیوں نے ان کے دلوں پر زنگ کی تہیں چڑھا دی ہیں اور گناہوں کی کثرت نے انہیں سیاہ کر دیا ہے۔ اس لئے حقیقت ان کے دلوں پر منعکس نہیں ہوتی۔

(4) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو وہ سیاہی دور کر دی جاتی ہے اور اگر توبہ کی بجائے گناہ پر گناہ کیے جاتا ہے تو وہ سیاہی بڑھتی جاتی ہے حتّٰی کہ اس کے پورے دل پر چھا جاتی ہے۔ یہی وہ ''ران'' ہے جس کا ذکر قرآنِ مجید میں ہے۔ (ترمذی: 3334)

(5) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت: ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ ہرگز نہیں! بلکہ اُن کے دلوں پر اُن اعمال نے زنگ لگا دیا ہے جو یہ کرتے ہیں۔ (بخاری: 6531)

﴿كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴾

''ہرگز نہیں! یقیناً وہ اُس دن اپنے رب سے ضرور حجاب میں ہوں گے'' (15)

سوال: ﴿كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴾ ''ہرگز نہیں! یقیناً وہ اُس دن اپنے رب سے ضرور حجاب میں ہوں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴾ ''ہرگز نہیں! یقیناً وہ اُس دن اپنے رب سے ضرور حجاب میں ہوں گے'' گناہوں کا صرف اتنا ہی بار نہیں کہ انسان طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہو جائے گا بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کا دیدار بھی نصیب نہ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ قیامت کے دن مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا جیسا کہ فرمایا: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ (۲۲) اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (۲۳)﴾ ''بعض

چہرے اُس دن تر و تازہ ہوں گے۔ اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے۔" (القیامۃ:22,23)(مختصر ابن کثیر:2/2197)

(2) جن کے دلوں پر گناہوں کا زنگ چڑھ جاتا ہے۔ وہ حق دیکھ نہیں پاتے، ان کا دل آیات الٰہی سے پردے میں چلا جاتا ہے اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کو بھی دیکھ نہیں پائے گا۔

﴿ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ﴾

"پھر یقیناً وہ جہنم میں داخل ہونے والے ہیں" (16)

سوال: ﴿ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ﴾ "پھر یقیناً وہ جہنم میں داخل ہونے والے ہیں" اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ اِنَّهُمْ﴾ "پھر یقیناً وہ" پھر دیدار الٰہی سے محرومی کے بعد وہ۔

(2) ﴿لَصَالُوا الْجَحِيْمِ﴾ "جہنم میں داخل ہونے والے ہیں" جہنم میں جھونک دیے جائیں گے۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا﴾ "اور جب وہ اس میں کسی تنگ جگہ پر آپس میں جکڑے ہوئے ڈال دیے جائیں گے تو وہاں وہ کسی ہلاکت کو پکاریں گے۔" (الفرقان:13)

﴿ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴾

پھر کہا جائے گا: "یہی ہے وہ چیز جس کو تم جھٹلاتے تھے" (17)

سوال: ﴿ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴾ "پھر کہا جائے گا: "یہی ہے وہ چیز جس کو تم جھٹلاتے تھے۔" اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴾ "پھر کہا جائے گا: "یہی ہے وہ چیز جس کو تم جھٹلاتے تھے۔" جہنمیوں کو رسوا کرنے کے لئے انتہائی کرختگی کے ساتھ یہ کہا جائے گا کہ یہی وہ جہنم ہے جسے تم دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے۔

(2) ان سے سوال کیا جائے گا کہ اب بتاؤ یہ پرانے لوگوں کی کہانیاں ہیں یا حقیقت۔ یہی ہے وہ جہنم جس پر تم یقین نہیں کر پائے تھے۔

﴿كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ﴾

"ہرگز نہیں! یقیناً نیک لوگوں کا نامۂ اعمال ضرور علّیّین میں ہوگا" (18)

سوال 1: ﴿كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ﴾ "ہرگز نہیں! یقیناً نیک لوگوں کا نامۂ اعمال ضرور علّیّین میں ہوگا" اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿كَلَّآ إِنَّ كِتَٰبَ ٱلۡأَبۡرَارِ﴾ ''ہرگزنہیں! یقیناً نیک لوگوں کا نامہٴ اعمال'' اللہ رب العزت نے فجار کے اعمال نامے اوران کے مقام کا ذکر کرنے کے بعد ابرار کے اعمال نامے کا ذکر فرمایا ہے۔

(2) یہاں فجار کے مقابلہ میں ابرار کا لفظ استعمال ہوا ہے۔فجر کے معنی کسی چیز کو وسیع طور پر پھاڑنا اور فجر کو فجر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ سارے آسمان پر نمودار ہو جاتی ہے۔اور فاجر وہ شخص ہے جو وسیع پیمانے کی نافرمانی کرنے والا ہو اور ہر وقت گناہوں میں منہمک رہتا ہو اور گناہوں سے تائب نہ ہو۔اس کے مقابلہ میں ابرار ہے۔بر کے معنی نیکی،نیکی کے کام اور بر کے معنی وسیع خشک قطعہ زمین ہے گویا بر کے لفظ میں نیکی کے علاوہ وسعت کا تصور بھی پایا جاتا ہے۔اور بر دراصل نیکی کو نہیں بلکہ ہر دم نیکی پر مائل رہنے والی خصلت کو کہتے ہیں کہ جب کسی نیکی کا موقع آئے اسے فوراً سرانجام دے دیا جائے اور ''بار'' وہ شخص ہے جو ایسی خصلت رکھتا ہو اور اسی کی جمع ابرار ہے۔(تیسیر القرآن:4/613)

(3)﴿لَفِي عِلِّيِّينَ﴾ ''ضرور علّیین میں ہوگا'' علّیون جنت کے بلند ترین حصے کا نام ہے۔علّیین ابرار کی ارواح کا مقام ہے ان کے اعمال نامے بھی اسی مقام پر محفوظ رکھے جاتے ہیں۔اور بعض اسلاف کے مطابق یہ مقام سات آسمانوں کے اوپر ہے۔(تیسیر القرآن:61314)

(4) ابرار کا اعمال نامہ سب سے بلند،نہایت وسیع اور سب سے کھلے مقام پر ہوگا اور ان کی لکھی ہوئی کتاب ﴿يَشۡهَدُهُ ٱلۡمُقَرَّبُونَ﴾ کا مشاہدہ مکرم فرشتے،صدیقین اور شہداء کی ارواح کرتی ہیں۔(تفسیر السعدی:2/2924)

﴿وَمَآ أَدۡرَىٰكَ مَا عِلِّيُّونَ﴾

''اور تم کیا جانو کہ علیین کیا ہے''؟(19)

سوال1:﴿وَمَآ أَدۡرَىٰكَ مَا عِلِّيُّونَ﴾ ''اور تم کیا جانو کہ علیین کیا ہے؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿وَمَآ أَدۡرَىٰكَ مَا عِلِّيُّونَ﴾ ''اور تم کیا جانو کہ علیین کیا ہے؟'' یہ سوال اس لئے کیا گیا ہے کہ انسان کو احساس ہو جائے کہ حواس کے ذریعے ﴿عِلِّيِّينَ﴾ کا ادراک کرنا ممکن نہیں ہے۔اسی لئے سوال کیا گیا کہ تم اس کا اِدراک کیسے کر سکتے ہو یعنی کیسے معلوم کر سکتے ہو۔عقل عاجز ہے لیکن وحی وہ ذریعہ ہے جس سے ﴿عِلِّيِّينَ﴾ کے بارے میں پتہ چل سکتا ہے۔

﴿كِتَٰبٌ مَّرۡقُومٌ﴾

''ایک لکھی ہوئی کتاب ہے''(20)

سوال1:﴿كِتَٰبٌ مَّرۡقُومٌ﴾ ''ایک لکھی ہوئی کتاب ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿كِتَٰبٌ مَّرۡقُومٌ﴾ ''ایک لکھی ہوئی کتاب ہے'' ایک دفتر ہے جس میں نیک لوگوں کے نام (اور کام) درج ہیں۔

(2) ضحاک،مجاہد اور قتادہ اور دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ علیون سے مراد ساتواں آسمان ہے جہاں مومنوں کی روحیں لے جائی جاتی ہیں۔

(3) بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد جنت ہے۔

(4) بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد مقرب فرشتے ہیں کیونکہ اس کے لفظی معنی اوپر والے کے ہیں۔ واللہ اعلم (فتح القدیر)

(5) یعنی جنتیوں کے نام درج ہیں اور ان کے اعمال کی مسلیں مرتب کر کے رکھی جاتی ہیں اور ان کی ارواح کو اول وہاں لے جا کر پھر اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچایا جاتا ہے اور قبر سے بھی ان ارواح کا ایک گونہ تعلق قائم رکھا جاتا ہے کہتے ہیں کہ یہ مقام ساتویں آسمان کے اوپر ہے اور مقربین کی ارواح اسی جگہ مقیم رہتی ہیں واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی:869/2)

﴿يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾

''مقرب فرشتے اُس پر حاضر رہتے ہیں'' (21)

سوال 1: ﴿يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ ''مقرب فرشتے اُس پر حاضر رہتے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ ''مقرب فرشتے اُس پر حاضر رہتے ہیں'' ابرار کا اعمال نامہ سب سے بلند، نہایت وسیع اور سب سے کھلے مقام پر ہوگا اور ان کی لکھی ہوئی کتاب ﴿يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ کا مشاہدہ مکرم فرشتے، صدیقین اور شہداء کی ارواح کرتی ہیں۔ (تفسیر سعدی:2924/2)

﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ﴾

''یقیناً نیک لوگ ضرور نعمتوں میں ہوں گے'' (22)

سوال 1: ﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ﴾ ''یقیناً نیک لوگ ضرور نعمتوں میں ہوں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ﴾ ''یقیناً نیک لوگ'' یعنی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار۔ (تفسیر الخازن:405/4) (2) یعنی سچے اور فرمانبردار۔ (القرطبی:186/10)

(3) ﴿لَفِيْ نَعِيْمٍ﴾ ''ضرور نعمتوں میں ہوں گے'' یعنی جنت کی تمام نعمتوں کے مزے اڑائیں گے۔

(4) سیدنا کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مومن کی روح ایک پرندے کی شکل میں جنت کے درختوں میں چگتی پھرتی ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اپنے اصلی بدن میں ڈالی جائے گی اور بصورت انسان حشر ہوگا۔ (ابن ماجہ:4271)

(5) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت والے اپنے اوپر کے بالا خانے والوں کو اس طرح دیکھیں گے کہ جس طرح تم مشرق یا مغربی کناروں میں چمکتے ہوئے ستاروں کو دیکھتے ہو، اس وجہ سے کہ جنت والوں کے درجات میں آپس میں تفاوت ہوگا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، اے اللہ تعالیٰ کے رسول! کیا وہ انبیاء علیہم السلام کے درجات ہوں گے کہ جن تک ان کے علاوہ کوئی نہیں پہنچ سکے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ ان لوگوں کو بھی وہ درجات عطا کئے جائیں گے کہ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے رسولوں کی تصدیق کریں۔ (صحیح مسلم:7144)

﴿عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ﴾

''تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہوں گے'' (23)

سوال:﴿عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ﴾ ''تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہوں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿عَلَى الْأَرَائِكِ﴾ ''تختوں پر بیٹھے'' نہایت خوبصورت آراستہ تختوں پر بیٹھے ہوئے ہوں گے۔

(2)﴿يَنظُرُونَ﴾ ''دیکھتے ہوں گے'' وہ ان نعمتوں کو دیکھ رہے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے تیار کر رکھی ہیں اور اپنے رب کریم کا دیدار کر رہے ہوں گے۔

﴿تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ﴾

''اُن کے چہروں پر تم نعمت کی تازگی کو پہچان لو گے'' (24)

سوال1:﴿تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ﴾ ''اُن کے چہروں پر تم نعمت کی تازگی کو پہچان لو گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ﴾ ''اُن کے چہروں پر تم نعمت کی تازگی کو پہچان لو گے'' ان کے چہروں پر رونق، آسودگی، تروتازگی جھلک رہی ہوگی۔

(2) لذتوں، مسرتوں اور فرحتوں کا پے در پے حاصل ہونا، چہرے کو نور خوبصورتی اور خوشی عطا کرتا ہے۔(تفسیر السعدی:2924/2)

(3) رب العزت نے فرمایا:﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ (38) ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ (39)﴾ ''کچھ چہرے اُس دن چمکنے والے ہوں گے۔ مسکراتے ہوئے، ہشاش بشاش۔'' (عبس:39)

سوال2: نیک لوگوں کے چہروں پر کن نعمتوں کی تازگی ہوگی؟

جواب: جیسے دنیا میں خوش حال لوگوں کے چہروں پر آسائشوں، سہولتوں اور دنیا کی نعمتوں کی تازگی ہوتی ہے، ایسے ہی نیک لوگوں کے چہروں پر ان کی نیکیوں، اعمالِ صالح اور حُسنِ خُلق کی تازگی ہوگی۔

﴿يُسْقَوْنَ مِن رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ﴾

''اُن کو مُہر بند خالص شراب پلائی جائے گی'' (25)

سوال1:﴿يُسْقَوْنَ مِن رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ﴾ ''اُن کو مُہر بند خالص شراب پلائی جائے گی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيقٍ مَّخْتُوْمٍ﴾ ''اُن کو مُہر بند خالص شراب پلائی جائے گی'' رحیق جنت کی تمام شرابوں میں سے عمدہ اور لذیذ شراب ہے جو انہیں پلائی جائے گی۔(تفسیر السعدی:2924/2)(2)رحیق کی خوشبو کستوری جیسی ہوگی۔

(3)مختوم یہ خالص شراب مہر بند ہوگی۔(4)﴿رَحِيْقٍ﴾ خالص اور صاف شفاف شراب کو کہتے ہیں جس میں کسی چیز کی آمیزش نہیں ہوتی۔

(5)جس مومن نے کسی پیاسے مومن کو ایک گھونٹ پانی پلایا، اللہ تعالیٰ قیامت والے دن اسے الرّحیق المختوم پلائے گا۔جس نے کسی بھوکے مومن کو کھانا کھلایا، اللہ تعالیٰ اسے جنت کے پھل کھلائے گا۔جس نے کسی ننگے مومن کو لباس پہنایا، اللہ تعالیٰ اسے جنت کا سبز لباس پہنائے گا۔(مسند احمد:13,14/3)

﴿خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۭ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾

''جس پر کستوری کی مُہر ہوگی اور اس میں رغبت رکھنے والوں کے لیے لازم ہے کہ مقابلہ کریں''(26)

سوال1:﴿خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۭ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾ ''جس پر کستوری کی مُہر ہوگی اور اس میں رغبت رکھنے والوں کے لیے لازم ہے کہ مقابلہ کریں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿خِتٰمُهٗ مِسْكٌ﴾ ''جس پر کستوری کی مُہر ہوگی'' اس میں یہ احتمال ہے کہ اس سے مراد ہے کہ اس پر مہر لگی ہوگی، یعنی کوئی چیز اس میں داخل ہو کر، اس کی لذت کو کم اور اس کے ذائقے کو خراب نہیں کرے گی، یہ مہر جو اس پر لگی ہوئی ہوگی مشک کی مہر ہوگی۔اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد وہ مشروب ہے جو آخر میں تلچھٹ کے طور پر اس برتن میں رہ جائے گا جس میں وہ خالص شراب پییں گے اور یہ تلچھٹ مشک اذفر ہوگا، یہ تلچھٹ جس کے بارے میں دنیا میں عادت یہ ہے کہ اسے گرا دیا جاتا ہے جنت میں اس کی یہ منزلت ہوگی۔(تفسیر السعدی:29242925/3)

(2)﴿وَفِيْ ذٰلِكَ﴾ ''اور اس میں'' یہ ہمیشہ رہنے والی نعمت ہے جس کے لئے دلوں میں تڑپ ہونی چاہیے۔

(3)﴿فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾ ''رغبت رکھنے والوں کے لیے لازم ہے کہ مقابلہ کریں'' سبقت لے جانے والوں کو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اس نعمت کے حصول کے لئے کوشش کرنی چاہیے اور ایسی نعمتوں کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے، اس کے لیے سب سے عمدہ مال خرچ کرنا چاہیے۔

(4)رب العزت نے فرمایا:﴿لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ (٦١)﴾ ''ایسی کامیابی کے لیے تو لازم ہے کہ عمل کرنے والے عمل کریں۔''(الصافات:61)

﴿وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ﴾

''اور اُس میں تسنیم کی آمیزش ہوگی'' (27)

سوال: ﴿وَمِزَاجُهٗ مِنۡ تَسۡنِيۡمٍ﴾ ''اور اُس میں تسنیم کی آمیزش ہوگی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿تَسۡنِيۡمٍ﴾ تسنیم جنت کی بہترین شراب ہے۔

(2) ﴿تَسۡنِيۡمٍ﴾ جنت کی شراب کی ایک نہر ہے جس سے سبقت کرنے والے تو پیتے ہی رہیں گے لیکن اصحاب الیمین کو رحیق میں ملا کر پلائی جائے گی۔ (مختصر ابن کثیر: 2198/2)

(3) ﴿تَسۡنِيۡمٍ﴾ جنت کی شراب کی نہر جو جنت کے بالائی علاقوں سے ایک چشمے کے ذریعے آئے گی۔

﴿عَيۡنًا يَّشۡرَبُ بِهَا الۡمُقَرَّبُوۡنَ﴾

''ایک ایسا چشمہ ہے جس میں سے مقرب لوگ پئیں گے'' (28)

سوال 1: ﴿عَيۡنًا يَّشۡرَبُ بِهَا الۡمُقَرَّبُوۡنَ﴾ ''ایک ایسا چشمہ ہے جس میں سے مقرب لوگ پئیں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿عَيۡنًا يَّشۡرَبُ بِهَا الۡمُقَرَّبُوۡنَ﴾ ''ایک ایسا چشمہ ہے جس میں سے مقرب لوگ پئیں گے'' جنت کی اعلیٰ ترین شراب صرف مقربین کے لئے ہوگی جو بلند اخلاق والے بلند رتبے والے لوگ ہیں۔ اصحاب الیمین کے لئے صرف اس کی آمیزش ہوگی۔

﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ اَجۡرَمُوۡا كَانُوۡا مِنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا يَضۡحَكُوۡنَ﴾

''وہ لوگ جنہوں نے جرم کیے وہ ان پر جو لوگ ایمان لائے، ہنسا کرتے تھے'' (29)

سوال 1: ﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ اَجۡرَمُوۡا كَانُوۡا مِنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا يَضۡحَكُوۡنَ﴾ ''وہ لوگ جنہوں نے جرم کیے وہ ان پر جو لوگ ایمان لائے، ہنسا کرتے تھے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ رب العزت نے ابرار اور فجار کی جزا کا ذکر کرنے کے بعد آگاہ فرمایا ہے۔

(2) ﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ اَجۡرَمُوۡا﴾ ''وہ لوگ جنہوں نے جرم کیے'' یہ مجرم لوگ ہیں جنہوں نے برائیاں کمائیں، اللہ تعالیٰ کا کفر کیا۔

(3) ﴿كَانُوۡا مِنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا يَضۡحَكُوۡنَ﴾ ''وہ ان پر جو لوگ ایمان لائے، ہنسا کرتے تھے'' دنیا میں یہ اہل ایمان لوگوں کا مذاق اڑاتے تھے جو اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرتے تھے۔ اس کی تصدیق کرتے تھے۔

(4) مجرموں میں ابوجہل، امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط وغیرہ تھے اور ایمان والوں میں بلال رضی اللہ عنہ، یاسر رضی اللہ عنہ، عمار رضی اللہ عنہ، صہیب رضی اللہ عنہ اور خبیب رضی اللہ عنہ وغیرہ شامل تھے (ایسر التفاسیر: 1741)

(5) رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ﴾ ”بلاشبہ آپ کی جانب سے ہم مذاق اڑانے والوں کے لیے کافی ہیں“ (الحجر:95)

سوال 2: مجرم لوگوں کی ہنسی کا سبب کیا ہے؟

جواب: (1) ہنسی کا سبب جزا کے دن کے بارے میں بے یقینی ہے۔ (2) مذاق اُڑانے کا سبب ایمان والوں کو حقیر سمجھنا ہے۔

﴿وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ﴾

”اور جب وہ اُن کے پاس سے گزرتے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے تھے“ (30)

سوال 1: ﴿وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ﴾ ”اور جب وہ اُن کے پاس سے گزرتے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے تھے“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ﴾ ”اور جب وہ اُن کے پاس سے گزرتے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے تھے“ جب یہ اہل ایمان کے پاس سے گزرتے تو دل لگی کرتے اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے اور عیب چینی کے ساتھ اشارے کرتے تھے۔

سوال 2: ﴿غَمْزٌ﴾ کسے کہتے ہیں؟

جواب: ﴿غَمْزٌ﴾ کہتے ہیں پلکوں اور ابروؤں سے اشارے کرنا۔

سوال 3: پلکوں اور ابروؤں سے اشارے کیوں کیے جاتے ہیں؟

جواب: اشارے کرنے کا سبب دین پر طعن کرنا اور اسے حقیر جاننا ہوتا ہے۔

﴿وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ﴾

”اور جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف واپس آتے تو مزے لیتے ہوئے واپس آتے تھے“ (31)

سوال 1: ﴿وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ﴾ ”اور جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف واپس آتے تو مزے لیتے ہوئے واپس آتے تھے“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ﴾ ”اور جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف واپس آتے“ یعنی جب یہ صبح وشام اپنے گھر والوں کے پاس لوٹتے۔ (2) ﴿انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ﴾ ”تو مزے لیتے ہوئے واپس آتے تھے“ خوش وخرم لوٹتے۔

(3) وہ باتیں بناتے تھے کہ ہم تو جو نعمت چاہیں مل جاتی ہے۔ اس طرح شکر کی بجائے ناشکری کرتے تھے۔

(4) یہ سب سے بڑی فریب خوردگی ہے کہ انھوں نے دنیا میں برائی کو امن کے ساتھ اکٹھا کر دیا، گویا ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی کتاب یا عہد آگیا ہے کہ وہ اہل سعادت ہیں، انھوں نے اپنے بارے میں حکم لگایا ہے کہ وہ ہدایت یافتہ لوگ ہیں اور اہل ایمان گمراہ

لوگ ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ پر بہتان طرازی اور بلاعلم بات کہنے کی جسارت ہے۔ (تفسیر السعدی:2925,2926/3)

سوال 2: اہلِ ایمان کا مذاق اُڑانے سے مجرم کیسے لذّت لیا کرتے ہیں؟

جواب: (1) اہلِ ایمان کا ذکر کر کے مجرم اپنی مجلسوں میں بھی دل لگیاں کر کر کے خوش ہوتے ہیں۔

(2) جب مجرم اپنے گھروں میں ہوتے ہیں جہاں خوش حالی اور نعمتیں ہوتی ہیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی بجائے ایمان والوں کو حقیر جان کران کے ذکر سے لذت لیتے ہیں۔ ان پر حسد کرنے میں مصروف رہتے ہیں اور ان کو حقیر جانتے ہیں۔

﴿وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْۤا اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ﴾

”اور جب اُنہیں دیکھتے تو کہتے: ”یقیناً یہ بھٹکے ہوئے لوگ ہیں“ (32)

سوال 1: ﴿وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْۤا اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ﴾ ”اور جب اُنہیں دیکھتے تو کہتے: ”یقیناً یہ بھٹکے ہوئے لوگ ہیں۔“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِذَا رَاَوْهُمْ﴾ ”اور جب اُنہیں دیکھتے“ یعنی جب یہ خوش وخرم لوگ مومنوں کو دیکھتے۔

(2) ﴿قَالُوْۤا اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ﴾ ”تو کہتے: ”یقیناً یہ بھٹکے ہوئے لوگ ہیں“ تو کہتے ہیں یہ اصحاب محمد ﷺ جو ایمان لائے ہیں گمراہ ہیں۔ انہوں نے اپنا دین چھوڑا اور محمد ﷺ کا نیا دین اپنا لیا۔ (ایسر التفاسیر:1741)

(3) وہ مسلمانوں کو اذیتیں دیتے تھے اور چونکہ وہ ان کے دین پر نہیں تھے اس لئے اُنہیں گمراہ قرار دیتے تھے۔

سوال 2: مجرم ایمان لانے والوں کو گمراہ اور بھٹکے ہوئے کیوں سمجھتے ہیں؟

جواب: مجرموں کی یہ ذہنیت ہوتی ہے کہ دنیا کمانا، دنیا کے لئے کوشش کرنا ہی حق ہے۔ اس وجہ سے اُنہیں آخرت کے لئے کی جانے والی کوششیں دنیا کے راستے سے ہٹی ہوئی یعنی گمراہی محسوس ہوتی ہیں۔ پھر جب اہلِ ایمان یہ کوششیں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں تو وہ انہیں گمراہ قرار دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہر دور کے اہلِ حق کو اہلِ باطل گمراہ اور بھٹکے ہوئے قرار دیتے ہیں۔

﴿وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ﴾

”حالانکہ وہ اُن پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے“ (33)

سوال 1: ﴿وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ﴾ ”حالانکہ وہ اُن پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ﴾ ”حالانکہ وہ اُن پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے“ وہ ان کے محافظ بنا کر تو نہیں بھیجے گئے تھے پھر ہر وقت مسلمانوں کے پیچھے کیوں رہتے تھے۔ ان کی ایک ایک بات کا دھیان رکھتے تھے۔

سوال 2: مومنوں کے اعمال پر تبصروں سے اللہ تعالیٰ نے مجرموں کو کیا احساس دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے مجرموں کو یہ احساس دلایا ہے کہ تمہیں نگرانی کی ڈیوٹی تو نہیں دی گئی۔ نہ بحیثیت نگران کے تمہاری اہلِ ایمان پر تقرری ہوئی پھر ہر وقت اہلِ ایمان کے حالات و معاملات پر تبصرے کیوں کرتے رہتے ہیں۔

﴿فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ﴾

''سو آج جو لوگ ایمان لائے ہیں، کافروں پر ہنستے ہیں'' (34)

سوال 1: ﴿فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ﴾ ''سو آج جو لوگ ایمان لائے ہیں، کافروں پر ہنستے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَالْيَوْمَ﴾ اور وہ قیامت کا دن (2) ﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''جو لوگ ایمان لائے ہیں''

(3) ﴿مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ﴾ ''کافروں پر ہنستے ہیں'' یعنی مومن کافروں پر ہنسیں گے۔

(4) جب وہ کافروں کو عذاب کی سختیوں میں چلتے پھرتے دیکھیں گے اور وہ سب کچھ جا چکا ہوگا جو وہ بہتان طرازی کرتے تھے۔ (سعدی: 2926/3)

(5) مومن کفار کو کس حال میں دیکھیں گے رب العزت نے فرمایا: ﴿فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ﴾ ''پس وہ جھانکے گا تو اُسے جہنم کے درمیان میں دیکھے گا۔'' (الصافات: 55)

(6) کفار کا مذاق اڑایا جائے گا، فرمایا: ﴿ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ﴾ ''چکھ، یقیناً تم تو بڑے زبردست، بہت معزز آدمی تھے۔'' (الدخان: 49)

(7) مومنین کی جزا اور ان کا مذاق اڑانے والوں کا انجام الگ الگ واضح کیا: ﴿قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ (108) اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ (109) فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ (110) اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (111)﴾ ''اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''یہیں خوار رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔ یقیناً میرے بندوں میں سے ایک گروہ کہتا تھا کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے لہٰذا تو ہمیں معاف فرما دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر ہے۔ چنانچہ تم نے ان کا مذاق بنایا یہاں تک کہ اُنہوں نے تمہیں میری یاد ہی بھلا دی اور تم اُن سے ہنسا کرتے تھے۔ یقین کرو آج کے دن میں نے انہیں اس کے بدلے میں جو انہوں نے صبر کیا یہ جزا دی، بلاشبہ وہی کامیاب ہیں۔'' (المومنون: 108-111)

سوال 2: جزا کے دن مجرموں کے مذاق اُڑانے اور حقیر جاننے کی وجہ سے ان سے کیا سلوک ہوگا؟

جواب: جزا کے دن ایمان لانے والے ان پر ہنسیں گے کہ خود گمراہ ہونے کے باوجود یہ دنیا میں ہمیں گمراہ سمجھتے رہے اور ہم پر ہنستے رہے۔ آج ان کے علم میں آ گیا کہ گمراہ کون تھا اور کس کی ہنسی اُڑانی چاہئے؟

﴿عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ﴾

''تختوں پر بیٹھے وہ دیکھ رہے ہیں'' (35)

سوال 1: ﴿عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ﴾ ''تختوں پر بیٹھے وہ دیکھ رہے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿عَلَى الْاَرَآئِكِ﴾ ''تختوں پر بیٹھے'' اہل ایمان آراستہ تختوں اور مسہریوں پر۔ (2) ﴿يَنْظُرُوْنَ﴾ ''وہ دیکھ رہے ہیں'' رب کی طرف سے تیار کردہ نعمتوں کو دیکھیں گے اور دیدار الٰہی کا لطف اٹھائیں گے۔ سبحان اللہ! دنیا میں جنہیں گمراہ کہا جاتا تھا آج عزت والے گھر میں اللہ تعالیٰ کے مہمان بن کے ٹھہرے ہوئے ہیں۔

﴿هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾

''کیا کافروں کو بدلہ مل گیا جو وہ کیا کرتے تھے؟'' (36)

سوال 1: ﴿هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ ''کیا کافروں کو بدلہ مل گیا جو وہ کیا کرتے تھے؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ ''کیا کافروں کو بدلہ مل گیا جو وہ کیا کرتے تھے؟'' کافر مسلمانوں سے بدسلوکی اپنے دین کی حمایت میں کرتے ہیں۔ قیامت کے دن کافروں کو ان کے اعمال کا پورا پورا ثواب مل جائے گا۔

(2) کیا ان کو ان کے عمل کی جنس میں سے جزا دی گئی؟ جس طرح انھوں نے دنیا کے اندر مومنوں کی ہنسی اڑائی، ان پر گمراہی کا بہتان لگایا، آخرت میں جب مومن ان کو عذاب میں جو ان کی گمراہی اور ضلالت کی سزا ہے، مبتلا دیکھیں گے تو وہ بھی ان کی ہنسی اڑائیں گے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کے عدل اور اس حکمت کی بنا پر، کفار کو اپنے افعال کا پورا بدلہ مل گیا۔ اللہ تعالیٰ علم والا اور حکمت والا ہے۔ (تفسیر سعدی: 2926/3)

(3) انہوں نے مومنوں کو حقیر سمجھا اللہ تعالیٰ نے انہیں عزت دی اس دن اہل ایمان پوچھیں گے بتاؤ احمق، دیوانے اور گمراہ تم تھے یا ہم۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے مجرموں کو اُن کے اعمال کے انجام کا کیسے شعور دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے جزا کے دن اہلِ ایمان کو ملنے والی نعمتوں اور اہلِ ایمان کے تبصروں سے مجرموں کو شعور دلایا ہے کہ جو تم کر رہے ہو وہ بُرے انجام تک پہنچانے والا ہے اس لئے باز آ جاؤ۔

ایاتہا ۲۵ ۸۴ سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ ۸۳ رکوعہا ۱

سوال1: سورت الانشقاق کہاں نازل ہوئی؟

جواب: سورت الانشقاق مکہ میں نازل ہوئی۔

سوال2: اس میں کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: اس سورت میں ایک رکوع اور 25 آیات ہیں۔

سوال3: مصحف میں ترتیب اور ترتیب نزولی کے اعتبار سے اس سورت کا کون سا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے یہ 84ویں نمبر پر ہے۔ اور ترتیب نزولی کے اعتبار سے 83ویں نمبر پر ہے۔

رکوع نمبر 9

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ﴾

''جب آسمان پھٹ جائے گا'' (1)

سوال1: ﴿اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ﴾ ''جب آسمان پھٹ جائے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ﴾ ''جب آسمان پھٹ جائے گا'' قیامت کے دن جو بڑی بڑی تبدیلیاں آئیں گی۔ ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: جب آسمان پھٹ جائے گا اور پھٹنے کے بعد ایک دوسرے سے الگ ہو جائے گا اور یہ قیامت کے دن ہوگا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا﴾ اور جس دن آسمان بادل کے ساتھ پھٹ جائے گا اور فرشتے نازل کیے جائیں گے، لگا تار نازل کیا جانا۔ (الفرقان: 25)

سوال2: آسمان کیسے پھٹے گا؟

جواب: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمان کو پھٹنے کا حکم دے گا تو وہ پھٹ جائے گا۔

﴿وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ﴾

''اور وہ اپنے رب کے حکم پر کان لگائے گا اور یہی اُس کا حق ہے'' (2)

سوال1:﴿وَاَذِنَتۡ لِرَبِّهَا وَحُقَّتۡ﴾ ''اور وہ اپنے رب کے حکم پر کان لگائے گا اور یہی اُس کا حق ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاَذِنَتۡ لِرَبِّهَا﴾ ''اور وہ اپنے رب کے حکم پر کان لگائے گا'' یعنی وہ اپنے رب کا حکم غور سے سنے گا، کان لگائے گا اور حکم کا منتظر ہوگا۔ پھر پھٹنے کا حکم ہوگا اور وہ پھٹ جائے گا۔

(2)﴿وَحُقَّتۡ﴾ ''اور یہی اُس کا حق ہے'' اور اس کا فرض یہی ہے کہ وہ غور سے سنے اور حکم بجالائے کیونکہ وہ جس بادشاہ کی ملکیت میں ہے اس کی نافرمانی نہیں کی جاسکتی، اس کے فیصلوں کو رد نہیں کیا جاسکتا۔

سوال2: آسمان کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں کیا شعور ملتا ہے؟

جواب: آسمان کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ کے غالب ہونے کا یقین ملتا ہے کہ سب اس کے ماتحت ہیں۔ کسی کو اس کے حکم سے سرتابی کی مجال نہیں۔

﴿وَاِذَا الۡاَرۡضُ مُدَّتۡ﴾

''اور جب زمین پھیلا دی جائے گی'' (3)

سوال1:﴿وَاِذَا الۡاَرۡضُ مُدَّتۡ﴾ ''اور جب زمین پھیلا دی جائے گی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿مُدَّتۡ﴾ مد کسی چیز کو لمبائی میں کھینچ کر پھیلانا اور اسے لمبا کردینا۔ اس دن جب پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں تو زمین کو ہموار کر دیا جائے گا اور سارے سمندر خشک کر کے اس میں شامل کر دیئے جائیں گے جس سے زمین کا رقبہ چار گنا ہوجائے گا۔ یہی زمین میدان حشر بن جائے گی اس میں سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک سب انسانوں کو اکٹھا کیا جائے گا۔

(2) یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس زمین کے علاوہ کوئی اور زمین پیدا کر دے جیسا کہ فرمایا:﴿يَوۡمَ تُبَدَّلُ الۡاَرۡضُ غَيۡرَ الۡاَرۡضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوۡا لِلّٰهِ الۡوَاحِدِ الۡقَهَّارِ﴾ ''جس دن یہ زمین کسی اور زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی اور سب لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے، جو اکیلا ہے، بڑا زبردست ہے۔'' (ابراہیم:48)

﴿وَاَلۡقَتۡ مَا فِيۡهَا وَتَخَلَّتۡ﴾

''اور جو کچھ اُس کے اندر ہے اُسے باہر نکال دے گی اور خالی ہوجائے گی'' (4)

سوال1:﴿وَاَلۡقَتۡ مَا فِيۡهَا وَتَخَلَّتۡ﴾ ''اور جو کچھ اُس کے اندر ہے اُسے باہر نکال دے گی اور خالی ہوجائے گی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَ اَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَ تَخَلَّتْ﴾ ''اور جو کچھ اُس کے اندر ہے اُسے باہر نکال دے گی اور خالی ہو جائے گی۔'' یعنی زمین اپنے خزانے اور مردے باہر نکال کر پھینک دے گی۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا﴾ ''اور زمین اپنے سارے بوجھ باہر نکال دے گی۔'' (الزلزال:2)

(3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''زمین اپنے پوشیدہ خزانے اگل دے گی اور وہ سونے اور چاندی کے ستونوں کی مانند ہوں گے۔ قاتل آئے گا اور (ان کو دیکھ کر) کہے گا، (افسوس صد افسوس!) میں نے اسی کے لالچ میں (فلاں کو) قتل کیا تھا۔ رشتے ناطے قطع کرنے والا آئے گا اور کہے گا (افسوس!) میں نے اس کے لالچ میں توڑا تھا؟ چور آئے گا اور کہے گا، (افسوس!) اسی کے لالچ میں میرا ہاتھ کاٹا گیا۔ پھر وہ سب اسے چھوڑ کر چلے جائیں گے اور وہ اس میں سے کچھ بھی نہیں لیں گے۔'' (مسلم:2341)

﴿وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ﴾

''اور وہ اپنے رب کے حکم پر کان لگائے گی اور یہی اُس کا حق ہے'' (5)

سوال 1: ﴿وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ﴾ ''اور وہ اپنے رب کے حکم پر کان لگائے گی اور یہی اُس کا حق ہے۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ﴾ ''اور وہ اپنے رب کے حکم پر کان لگائے گی اور یہی اُس کا حق ہے۔'' جب زمین کو برابر ہونے، پھیلنے اور اگلنے کا حکم ہوگا تو وہ اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کرے گی اور یہی اس کے لائق ہے۔

سوال 2: ﴿حُقَّتْ﴾ ''زمین کا حق یہی ہے'' ان الفاظ سے انسان کو کیا شعور دلایا گیا؟

جواب: زمین کا حق یہی ہے کہ وہ رب کی سن کر اطاعت کرے۔ اس سے انسان کو یہ شعور دلایا گیا ہے کہ انسان کا بھی فرض ہے کہ وہ ربّ کی سُنے اور اطاعت کرے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ﴾

''اے انسان! یقیناً تو اپنے رب کی طرف محنت مشقت کرنے والا ہے، خوب محنت مشقت پھر تو اُس سے ملنے والا ہے'' (6)

سوال 1: ﴿يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ﴾ ''اے انسان! یقیناً تو اپنے رب کی طرف محنت مشقت کرنے والا ہے، خوب محنت مشقت پھر تو اُس سے ملنے والا ہے۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ﴾ ''اے انسان'' اس کا مخاطب ہر انسان ہے۔

(2)﴿اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ﴾ ''یقیناً تو اپنے رب کی طرف محنت مشقت کرنے والا ہے، خوب محنت مشقت پھر تو اُس

سے ملنے والا ہے'' کدحا کے معنی ہیں کام میں، بہت محنت کرنا، تکلیفیں سہہ سہہ کر کام کرنا، بمشقت کوئی کام کرتے جانا اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ انسان کے دل میں ایک خواہش پیدا ہو جاتی ہے جسے پورا کرنے کے وہ درپے ہو جاتا ہے ابھی وہ کام پورا نہیں ہوتا کہ کوئی اور خواہش انسان کے دل میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ پھر وہ پہلی خواہش کی تکمیل کے بعد، بعد والی خواہش کی تکمیل کے لئے ہمت باندھ لیتا ہے اور اسی طرح ساری زندگی بیت جاتی ہے۔ (تیسیر القرآن: 617/4)

(3) یعنی تم اللہ تعالیٰ کی طرف جانے میں کوشاں ہو، اس کے اوامر و نواہی پر عمل کرتے ہو، بھلائی کے ذریعے سے یا برائی کے ذریعے سے اس کے قریب ہو رہے ہو۔ پھر قیامت کے دن تم اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرو گے۔ پس تم اس کی طرف سے فضل کے ساتھ یا عدل کے ساتھ جزا سے محروم نہیں ہو گے۔ اگر تم خوش بخت نکلے تو جزا فضل پر مبنی ہو گی اور اگر تم بد بخت نکلے تو سزا عدل پر مبنی ہو گی۔ (تفسیر سعدی: 2927،2928/3)

(4) ایک دفعہ جبریل علیہ السلام نے نبی ﷺ سے کہا: محمد ﷺ جب تک چاہو جی لو آخر موت ہے جس سے چاہو جی لگا لو آخر جدائی ہے، جو چاہو کر لو ایک دن بدلہ ملنے والا ہے۔ (مسند طیالسی)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے انسان کی محنت اور دوڑ دھوپ سے اسے کیا توجہ دلائی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے انسان کو توجہ دلائی ہے کہ ساری محنت اور دوڑ دھوپ کر کے تم جو اچھا یا بُرا عمل کرو گے، تم اپنے ربّ کے پاس چلے جاؤ گے۔ پھر ان اعمال کو اپنے سامنے پا لو گے اور ان پر تمہیں پوری پوری جزا ملے گی۔

﴿فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ بِیَمِیۡنِہٖ﴾

''لہٰذا جس شخص کو اُس کا نامۂ اعمال اُس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا'' (7)

سوال 1: ﴿فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ بِیَمِیۡنِہٖ﴾ ''لہٰذا جس شخص کو اُس کا نامۂ اعمال اُس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ بِیَمِیۡنِہٖ﴾ ''لہٰذا جس شخص کو اُس کا نامۂ اعمال اُس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا'' یعنی خوش نصیب مومن جن کو زندگی کے اعمال کی کتاب دائیں ہاتھ میں دی جائے گی۔

سوال 2: نامۂ اعمال کا دائیں ہاتھ میں ملنا کس چیز کا ثبوت ہوگا؟

جواب: یہ انسان کی خوش نصیبی اور کامیابی کا ثبوت ہوگا۔

﴿فَسَوۡفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیۡرًا﴾

''تو جلد ہی اُس سے آسان حساب لیا جائے گا'' (8)

سوال 1: ﴿فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا﴾ ''تو جلد ہی اُس سے آسان حساب لیا جائے گا۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا﴾ ''تو جلد ہی اُس سے آسان حساب لیا جائے گا۔'' جن کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اس سے آسان حساب ہوگا۔

(2) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کسی سے بھی قیامت کے دن حساب لے لیا گیا تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔ سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کرے' کیا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ ﴿فامامن اوتی کتبه بیمینه فسوف یحاسب حسابا یسیرا﴾ '' لہٰذا جس شخص کو اُس کا نامۂ اعمال اُس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا تو جلد ہی اُس سے آسان حساب لیا جائے گا'' نبی ﷺ نے فرمایا: آیت میں جس حساب کا ذکر ہے وہ تو پیشی ہوگی۔ وہ صرف پیش کیے جائیں گے (اور بغیر حساب کے چھوڑ دیے جائیں گے) لیکن جس سے بھی پوری طرح حساب لے لیا گیا وہ ہلاک ہوگیا۔ (صحیح بخاری: 4939)

(3) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن جس آدمی کا حساب ہوگیا' وہ عذاب میں ڈال دیا گیا۔ (سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا: کیا اللہ عزوجل نے نہیں فرمایا: ﴿فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا﴾ '' تو اس سے حساب نہیں لیں گے' آسان حساب۔'' (الانشقاق) تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ حساب نہیں ہے بلکہ یہ تو صرف پیشی ہے قیامت کے دن جس سے حساب مانگ لیا گیا' وہ عذاب میں ڈال دیا گیا۔ (صحیح مسلم: 7225)

(4) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی ﷺ فرماتے تھے جس سے حساب میں پوچھ گچھ کی گئی ہلاک ہوا۔ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ جس کو داہنے ہاتھ میں کتاب ملے اس کا حساب آسانی سے ہوگا آپ ﷺ نے فرمایا: وہ حساب نہیں وہ تو فقط نیکیوں کا پیش کر دینا ہے۔ (جامع ترمذی: 3337)

(5) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی بعض نماز میں یہ دُعا پڑھتے تھے: ﴿اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَّسِيْرًا﴾ ''اے اللہ! میرا حساب آسان فرما۔ نماز سے فراغت کے بعد میں نے پوچھا: '' آسان حساب کا کیا مطلب ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: '' اللہ تعالیٰ نامۂ اعمال دیکھیں گے اور معاف کر دیں گے۔'' (مسند احمد: 48/6)

(6) رب العزت نے فرمایا: ﴿ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ (١٩) اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ (٢٠) فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ﴾ '' سو جس کو اُس کا نامۂ اعمال اُس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا تو وہ کہے گا: '' لو! میرا نامۂ اعمال پڑھو۔ یقیناً میں یقین رکھتا تھا کہ بلاشبہ میں اپنے حساب سے ملنے والا ہوں۔'' پھر وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا۔'' (الحاقۃ: 19,21)

﴿وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا﴾

''اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف خوش خوش لوٹے گا'' (9)

سوال: ﴿وَّيَنۡقَلِبُ اِلٰٓى اَهۡلِهٖ مَسۡرُوۡرًا﴾ ''اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف خوش خوش لوٹے گا۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّيَنۡقَلِبُ اِلٰٓى اَهۡلِهٖ﴾ ''اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹے گا۔'' خوش نصیب مومن جنت میں اپنے گھر والوں کی طرف لوٹے گا۔ (2) ﴿مَسۡرُوۡرًا﴾ ''خوش خوش'' کیونکہ وہ عذاب سے بچ کر ثواب حاصل کر کے لوٹے گا۔

(3) جنت کے گھر والوں میں حوریں، مومنوں کی عورتیں، نیک اولاد انہیں اللہ تعالیٰ جمع کر دے گا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَاتَّبَعَتۡهُمۡ ذُرِّيَّتُهُمۡ بِاِيۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور اُن کی اولاد جو ایمان کے ساتھ ان کے پیچھے چلی، ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے۔ (ایسر التفاسیر:1743)

﴿وَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِىَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهۡرِهٖ﴾

''مگر جس کو اُس کا نامۂ اعمال اُس کے پیٹھ پیچھے سے دیا گیا'' (10)

سوال 1: ﴿وَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِىَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهۡرِهٖ﴾ ''مگر جس کو اُس کا نامۂ اعمال اُس کے پیٹھ پیچھے سے دیا گیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِىَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهۡرِهٖ﴾ ''مگر جس کو اُس کا نامۂ اعمال اُس کے پیٹھ پیچھے سے دیا گیا'' جس کا نامہ اعمال پیٹھ پیچھے سے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اس کے لئے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ وہ جہنم میں جائے گا۔ دنیا میں موج اڑا رہا تھا، بھولے سے آخرت کی یاد بھی نہ آتی تھی۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِىَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوۡلُ يٰلَيۡتَنِىۡ لَمۡ اُوۡتَ كِتٰبِيَهۡ (٢٥) وَلَمۡ اَدۡرِ مَا حِسَابِيَهۡ (٢٦) يٰلَيۡتَهَا كَانَتِ الۡقَاضِيَةَ (٢٧) مَاۤ اَغۡنٰى عَنِّىۡ مَالِيَهۡ (٢٨) هَلَكَ عَنِّىۡ سُلۡطٰنِيَهۡ﴾ ''لیکن جس کو اُس کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا: ''اے کاش! میرا نامۂ اعمال مجھے نہ دیا جاتا! اور میں نہ جان پاتا کہ میرا حساب کیا ہے؟ اے کاش! وہی موت فیصلہ کن ہوتی! میرا مال میرے کام نہ آیا۔ میری حکومت مجھ سے برباد ہو گئی۔'' (الحاقۃ:25,29)

سوال 2: بائیں ہاتھ والوں کو نامۂ اعمال پیٹھ پیچھے سے کیوں دیا جائے گا؟

جواب: بائیں ہاتھ والوں کو جب ان کے بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ تھامنے کو کہا جائے گا تو وہ ہاتھ پیچھے کر لیں گے۔ پھر پیچھے سے ہی اعمال نامہ انہیں دے دیا جائے گا۔

﴿فَسَوۡفَ يَدۡعُوۡا ثُبُوۡرًا﴾

''تو عنقریب وہ بڑی ہلاکت کو پکارے گا'' (11)

سوال 1: ﴿فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا﴾ ''تو عنقریب وہ بڑی ہلاکت کو پکارے گا۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا﴾ ''تو عنقریب وہ بڑی ہلاکت کو پکارے گا۔'' یعنی جب وہ برے اعمال جن سے اس نے توبہ نہیں کی تھی اپنے نامہ اعمال میں پائے گا تو رسوائی اور ذلت سے موت کو پکارے گا۔

(2) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب جنتی جنت میں چلے جائیں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو موت کو لایا جائے گا یہاں تک کہ وہ جنت اور دوزخ کے درمیان میں لائی جائے گی پھر اس کو ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر ایک منادی کرنے والا آواز لگائے گا کہ اے اہل جنت! (تم کو آج کے بعد) موت نہ آئے گی اور اے اہل جہنم! (تم کو بھی آج کے بعد) موت نہیں آئے گی (اس آواز سے) اہل جنت کو خوشی پر خوشی ہوگی اور اہل دوزخ کو رنج پر رنج ہوگا۔'' (بخاری: 7181, 7183)

سوال 2: بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ ملتے ہی کیفیت کیا ہو جائے گی؟

جواب: بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ ملتے ہی اس کی چیخ و بکا شروع ہو جائے گی۔ وہ کہے گا: میں مارا گیا، میں ہلاک ہو گیا۔

﴿وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا﴾

''اور بھڑکتی آگ میں داخل ہوگا'' (12)

سوال 1: ﴿وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا﴾ ''اور بھڑکتی آگ میں داخل ہوگا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا﴾ ''اور بھڑکتی آگ میں داخل ہوگا'' جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ اسے اپنے گھیرے میں لے لے گی تو وہ اس میں خود ہی گر پڑے گا۔

﴿اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا﴾

''بلاشبہ وہ اپنے گھر والوں میں خوش تھا'' (13)

سوال 1: ﴿اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا﴾ ''بلاشبہ وہ اپنے گھر والوں میں خوش تھا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا﴾ ''بلاشبہ وہ اپنے گھر والوں میں خوش تھا'' دنیا میں وہ اپنے گھر والوں میں موج اڑاتا رہا۔ حلال حرام ہر راستے میں مال اکٹھا کرتا رہا۔ (2) خود بھی عیش کرتا رہا اور گھر والوں کو بھی کرواتا رہا۔

(3) اس کے دل میں موت کے بعد کی زندگی کے لئے کبھی خیال نہیں آتا تھا۔

(4) اسی لئے رب العزت نے فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ

عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جس پر تند مزاج سخت گیر فرشتے مقرر ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے، اور اُنہیں جو حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں۔'' (التحریم:6)

﴿اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ﴾

''اور اس نے سمجھا تھا کہ وہ ہرگز واپس نہیں لوٹے گا'' (14)

سوال: ﴿اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ﴾ ''اور اس نے سمجھا تھا کہ وہ ہرگز واپس نہیں لوٹے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ﴾ ''اور اُس نے سمجھا تھا کہ وہ ہرگز واپس نہیں لوٹے گا۔'' اس کی زندگی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں سے مختلف تھی۔ (2) اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اپنی زندگی کا حساب دینا ہے۔

(3) اُس کے فہم کی کجی ہے کہ وہ ہرگز نہیں پلٹے گا۔

﴿بَلٰٓى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا﴾

''کیوں نہیں! بے شک اُس کا رب اُسے خوب دیکھنے والا تھا'' (15)

سوال: ﴿بَلٰٓى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا﴾ ''کیوں نہیں! بے شک اُس کا رب اُسے خوب دیکھنے والا تھا۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿بَلٰٓى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا﴾ ''کیوں نہیں! بے شک اُس کا رب اُسے خوب دیکھنے والا تھا'' یعنی اس کا رب اس وقت سے اسے دیکھ رہا تھا جب اس کی روح آئی، جب ماں کے پیٹ میں اس کا بدن بن رہا تھا۔ پھر پیدا ہونے کے بعد وہ کیا کام کرتا رہا۔

(2) رب اس کی موت کے وقت بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کے بدن کے اجزا کہاں کہاں بکھر گئے سب باتیں اس کی نظر میں تھیں اور یہ اس کے عدل کے خلاف تھا کہ وہ جیسے اعمال کر رہا تھا اس سے کوئی مواخذہ نہ کرنا۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے کج فہمی کا کیا علاج کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیوں نہیں یہ ضرور اپنے ربّ کی طرف لوٹے گا کیونکہ اس کے ربّ نے اس کے سارے اعمال دیکھ رکھے ہیں۔ لہٰذا احساب کتاب ہوگا۔

﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ﴾

''پس میں قسم کھاتا ہوں شفق کی!'' (16)

سوال1:﴿فَلَآ أُقۡسِمُ بِالشَّفَقِ﴾ ''پس میں قسم کھاتا ہوں شفق کی!'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَلَآ أُقۡسِمُ بِالشَّفَقِ﴾ ''پس میں قسم کھاتا ہوں شفق کی!'' اللہ رب العزت نے اس مقام پر رات کی نشانیوں کی قسم کھائی ہے۔شفق سورج کی باقی ماندہ روشنی ہے جس سے رات کا افتتاح ہوتا ہے۔(تفسیر السعدی:2929/3)

(2)شفق وہ سرخی ہے جو طلوع آفتاب یا غروب آفتاب کے پہلے یا بعد میں مغربی یا مشرقی کنارے پر ظاہر ہوتی ہے۔

(3) سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''مغرب کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب سورج غروب ہوجائے (اور اس وقت تک رہتا ہے) جب تک شفق غائب نہ ہوجائے۔''(مسلم:3891)

﴿وَالَّيۡلِ وَمَا وَسَقَ﴾

''اور رات کی اور اس چیز کی قسم جو وہ جمع کرتی ہے!''(17)

سوال1:﴿وَالَّيۡلِ وَمَا وَسَقَ﴾ ''اور رات کی اور اس چیز کی قسم جو وہ جمع کرتی ہے!'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَالَّيۡلِ وَمَا وَسَقَ﴾ ''اور رات کی اور اس چیز کی قسم جو وہ جمع کرتی ہے!'' یعنی رات کی قسم اور جو تارے اور حیوانات وغیرہ وہ اندھیرے میں اکٹھے کر لیتی ہے۔(2) رات میں چیز اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاتی ہے۔

سوال2: رات میں کیا ہوتا ہے؟

جواب:(1) ہر چیز پر اندھیرا چھا جاتا ہے۔(2) ہر چیز اپنے مسکن کی طرف سمٹتی ہے۔(3) رات اپنے اندھیرے میں چیزوں کو سمیٹ لیتی ہے۔

﴿وَالۡقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ﴾

''اور چاند کی جب وہ پورا ہوجاتا ہے''(18)

سوال1:﴿وَالۡقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ﴾ ''اور چاند کی جب وہ پورا ہوجاتا ہے۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَالۡقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ﴾ ''اور چاند کی جب وہ پورا ہوجاتا ہے۔'' یعنی چاند کی جب اس میں پوری روشنی آجائے، یعنی بدر کی قسم جب کہ وہ خوب صورت ترین اور نفع بخش ہوتا ہے۔(2) اس سے مراد مکمل چاند ہے جو تیرہویں رات سے سولہویں تک رہتا ہے۔

﴿لَتَرۡكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ﴾

''تم ایک حالت کے بعد لازماً دوسری حالت میں پہنچ جاؤ گے''(19)

سوال1:﴿لَتَرۡكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ﴾ ''تم ایک حالت کے بعد لازماً دوسری حالت میں پہنچ جاؤ گے۔'' اس آیت کی وضاحت

کریں؟

جواب:(1)﴿لَتَرْكَبُنَّ﴾ ''تم لازماً پہنچ جاؤ گے''

(2)﴿طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ﴾ ''تم ایک حالت کے بعد دوسری حالت میں''یعنی ایک منزل کے بعد دوسری منزل کی طرف بڑھتے چلے جا رہے ہو۔

(3) انسان پہلے نطفہ تھا، ماں کے پیٹ میں سات حالتیں بدلتی ہیں، پھر بچپن سے جوانی، جوانی سے بڑھاپا، بڑھاپے سے موت یہ ایسی منزلیں ہیں جنہیں طے کرنے میں انسان بالکل بے بس اور مجبور ہے، ان میں سے کوئی منزل حذف کرنا چاہے تو وہ قطعاً ایسا نہیں کرسکتا۔

(4) رہی یہ بات کہ انسان کی آخری منزل کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ جنت یا دوزخ ہے۔گویا انسان مرنے کے بعد بھی کئی منازل طے کرنے پر مجبور ہوگا۔ اسے عذاب وثواب قبر سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اسے مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا ہوگا۔ اسے قیامت کی سختیاں سہنی ہوں گی۔ اسے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہونا پڑے گا۔ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کا ایسا ہی قانون کارفرما ہے۔(تیسیر القرآن:619/4)

(5) بندے پر گزرنے والے یہ مختلف مراحل دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی معبود ہے۔وہ اکیلا ہی اپنی حکمت ورحمت سے اپنے بندوں کی تدبیر کرتا ہے، نیز یہ کہ بندہ محتاج اور عاجز اور غالب ومہربان کے دست تدبیر کے تحت ہے۔(تفسیر السعدی:2929/3)

(6) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا''لترکبن طبقا عن طبق ''یعنی تم کو ضرور ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر پہنچنا ہے۔بیان کیا کہ یہاں مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ آپ کو کامیابی رفتہ رفتہ حاصل ہوگی۔(صحیح بخاری:4940)

﴿فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾

''تو انہیں کیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے؟''(20)

سوال1:﴿فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ ''تو انہیں کیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ ''تو انہیں کیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے؟''یعنی کیا چیز ان کے راستے کی رکاوٹ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ، اس کی ملاقات اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لاتے۔

سوال2: لوگ ایمان لانے کی بجائے کیا کرتے ہیں؟

جواب: لوگ ایمان لانے کی بجائے جھٹلاتے ہیں۔

﴿وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ﴾

''اور جب قرآن اُن کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو وہ سجدہ نہیں کرتے؟''(21)

سوال1:﴿وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ﴾''اور جب قرآن اُن کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو وہ سجدہ نہیں کرتے؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ﴾''اور جب قرآن اُن کے سامنے پڑھا جاتا ہے''یعنی جب وہ قرآن کی تلاوت سنتے ہیں (2)﴿لَا يَسْجُدُوْنَ﴾''تو وہ سجدہ نہیں کرتے؟''یعنی وہ جھکتے نہیں کہ ایمان لائیں اور فرمانبرداری کریں۔(ایسر التفاسیر:1744)

(3)یعنی قرآن کے احکامات کی اطاعت اور نواہی سے اجتناب نہیں کرتے۔

سوال2:قرآن پڑھنے اور سُننے کے وقت سجدہ کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب:قرآن پڑھنے اور سُننے کے وقت سجدہ کرنے سے مراد جھک جانا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا ہے۔اس مقام پر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے سجدہ کرنا ثابت ہے۔

﴿بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ﴾

''بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا وہی جھٹلاتے ہیں''(22)

سوال1:﴿بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ﴾''بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا وہی جھٹلاتے ہیں''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ﴾''بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا وہی جھٹلاتے ہیں۔''یعنی کافر اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں۔حق سے دشمنی کی وجہ سے جھٹلاتے ہیں۔حق سے دشمنی کرتے ہیں اور برائیاں کرتے ہیں۔(2)وہ حق سے دشمنی کی وجہ سے جھٹلاتے ہیں۔

﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ﴾

''اور اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے جو کچھ وہ جمع کررہے ہیں''(23)

سوال1:﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ﴾''اور اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے جو کچھ وہ جمع کررہے ہیں''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ﴾''اور اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے جو کچھ وہ جمع کررہے ہیں۔''اللہ تعالیٰ کو ان کے دلوں کا حال خوب معلوم ہے،جو کچھ وہ چھپاتے ہیں۔وہ ان کے پوشیدہ اور ظاہر کو خوب جانتا ہے۔ان کے اعمال کے مطابق انہیں جزا دے گا۔

(2)یوعون۔وعی کا معنی کسی چیز کو تھیلی میں رکھ کر اوپر سے اس کا منہ بند کردینا ہے اس لحاظ سے وعی کا معنی بخل کرنا بھی ہوسکتا ہے۔حفاظت کرنا بھی اور چھپا کر رکھنا بھی اور کسی چیز کا یاد رکھنا بھی۔یہاں یہ لفظ تیسرے معنی میں استعمال ہوا ہے۔یعنی کافر لوگ جو بغض وعناد اور کینہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں،اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔(تیسیر القرآن:619/4)

سوال2:کفر کرنے والے دِلوں میں کیا جمع کرتے ہیں؟

جواب: (1) وہ دلوں میں تکذیب جمع کرتے ہیں۔ (2) چھپ کر کیے ہوئے اعمال جمع کرتے ہیں۔

﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾

''چنانچہ آپ اُنہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو'' (24)

سوال 1: ﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ ''چنانچہ آپ اُنہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَبَشِّرْهُمْ﴾ ''چنانچہ آپ اُنہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو'' بشارت کو بشارت اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ مسرت اور غم کے اعتبار سے جلد پر اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ ہے اکثر لوگوں کا حال، قرآن کی تکذیب اور اس پر عدم ایمان کے اعتبار سے۔ (تفسیر السعدی 2929/3)

(2) رب العزت نے اپنے نبی ﷺ سے کہا کہ آپ ﷺ انہیں جتلا دیجئے کہ ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔ (مختصر ابن کثیر 2201/2)

﴿إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ﴾

''مگر جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک عمل کیے، اُن کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے'' (25)

سوال 1: ﴿إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ﴾ ''مگر جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک عمل کیے، اُن کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ ''مگر جو لوگ ایمان لائے'' یعنی ان میں سے جن لوگوں نے توبہ کی اور تصدیق کی اور توحید کا، محمد ﷺ کی نبوت کا اور بعث بعد الموت کا اقرار کیا۔

(2) ﴿وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ ''اور اُنہوں نے نیک عمل کیے'' یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرائض ادا کیے اور ان چیزوں سے رک گئے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا تو ایمان لا کر نیک عمل کرنے والوں کے لئے بے حساب، کبھی کم نہ ہونے والا ثواب ہے۔ (جامع البیان 133/30)

(3) ﴿لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ﴾ ''اُن کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے'' یعنی ان کے لئے بے انتہا کبھی منقطع نہ ہونے والا دائمی اجر ہے جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی کے تصور میں آیا۔

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا ۖ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ ''جس نے برا عمل کیا تو وہ اُس کے برابر ہی بدلہ پائے گا اور جو کوئی نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت مگر وہ مومن ہو تو یہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اُس میں اُنہیں بے حساب رزق دیا جائے گا۔'' (مومن: 40)

(5) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (ان دونوں حضرات سے) روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ (اے جنت والو) تمہارے لیے (یہ بات مقرر ہو چکی ہے کہ) تم صحت مند رہو گے کبھی بیمار نہیں ہو گے اور تم زندہ رہو گے

تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی۔ اور تم جوان رہو گے تم کبھی بوڑھے نہیں ہو گے۔ تم آرام میں رہو گے تمہیں کبھی تکلیف نہیں آئے گی۔ تو اللہ عزوجل کا یہی فرمان ہے کہ: آواز آئے گی کہ یہ جنت ہے تم اپنے (نیک) اعمال کے بدلہ میں اس جنت کے وارث ہوئے۔'' (مسلم:7157)

آیاتها ۲۲ ۔ ۸۵ سورۃ البروج مکیۃ ۲۷ ۔ رکوعها ۱

سوال1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ مکی سورت ہے۔ اس کا ایک رکوع اور 22 آیات ہیں۔

سوال2: اس میں کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: اس میں ایک رکوع اور 25 آیات ہیں۔

سوال3: مصحف میں ترتیب اور ترتیب نزولی کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے یہ 85 ویں نمبر پر ہے۔ اور ترتیب نزولی کے اعتبار سے 27 ویں نمبر پر ہے۔

سوال4: اس سورت کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ عشاء کی نماز میں یہ سورت پڑھا کرتے تھے نیز ظہر اور عصر کی نماز میں بھی اس کا پڑھنا ثابت ہے۔

رکوع نمبر 10

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ﴾

''قسم ہے برجوں والے آسمان کی!'' (1)

سوال1: ﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ﴾ ''قسم ہے برجوں والے آسمان کی!'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ﴾ ''قسم ہے برجوں والے آسمان کی!'' برج بڑے تارے یا پہرے کے مقام یا آسمانی محل یا خوب صورت بناوٹ والا آسمان یا سورج اور چاند کی منزلیں۔ (مختصر ابن کثیر:2/2203)

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا﴾ ''بہت برکت والا

ہے جس نے آسمان میں بُرج بنائے اور اس میں ایک چراغ اور ایک روشنی کرنے والا چاند بنایا۔'' (الفرقان:61)

(3) یعنی جو منازل والا ہے اور جو سورج، چاند اور ان کواکب کی منازل پر مشتمل ہے جو اپنے چلنے میں کامل ترین ترتیب اور ایسے نظام میں منسلک ہے جو اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت و رحمت اور وسعت علم پر دلالت کرتا ہے۔ (تفسیر سعدی:2930/3)

﴿وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ﴾

''قسم ہے اس دن کی جس کا وعدہ دیا گیا ہے!'' (2)

سوال 1: ﴿وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ﴾ ''قسم ہے اس دن کی جس کا وعدہ دیا گیا ہے!'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ﴾ ''قسم ہے اس دن کی جس کا وعدہ دیا گیا ہے!'' وعدے کا دن قیامت کا دن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے ساتھ اس دن کا وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ انہیں اکٹھا کرے گا۔ وہ دن آئے گا اور اول و آخر اس دن پر اکٹھے ہوں گے۔

﴿وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُودٍ﴾

''اور حاضر ہونے والے اور حاضر کئے ہوئے کی!'' (3)

سوال 1: ﴿وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُودٍ﴾ ''اور حاضر ہونے والے اور حاضر کئے ہوئے کی!'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿شَاهِدٍ﴾ سے مراد جمعہ کا دن اور ﴿مَشْهُودٍ﴾ سے مراد یوم عرفہ ہے۔ (ایسر التفاسیر:1745)

(2) اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین و تابعین اس طرف گئے ہیں کہ شاہد سے جمعہ کا دن اور مشہود سے مراد عرفہ کا دن ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں یہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے اور صحیح بھی ہے۔ (شوکانی) (اشرف الحواشی:704)

(3) سب شہروں میں حاضر ہوتا ہے جمعہ کا دن۔ اور سب ایک جگہ حاضر ہوتے ہیں عرفہ کے دن حج کے لیے اسی لیے روایات میں آیا کہ ''شاہد'' جمعہ کا دن ہے اور ''مشہود'' عرفہ کا دن۔ اس کے علاوہ ''شاھد و مشھود'' کی تفسیر میں اقوال بہت ہیں لیکن اوفق بالروایات یہ ہی قول ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی:875/2)

(4) یہ ہر اس شخص کو شامل ہے جو اس وصف سے متصف ہے، یعنی دیکھنے والا اور دکھائی دینے والا، حاضر ہونے والا اور جس کے پاس حاضر ہوا جائے، بصیرت سے دیکھنے والا اور دکھائی دینے والا۔ (تفسیر سعدی:2931/3)

(5) رب العزت کا ارشاد ہے ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ﴾ ''بلاشبہ اس میں یقیناً ایک نشانی ہے اس کے لیے جو آخرت کے عذاب سے ڈرے، وہ ایسا دن ہے جس کے لئے سب جمع کیے جائیں گے اور وہ حاضری کا دن ہوگا۔'' (ہود:103)

﴿قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ﴾

''مارے گئے خندقوں والے''(4)

سوال1:﴿قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ﴾''مارے گئے خندقوں والے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ﴾''مارے گئے خندقوں والے''یہ اصحاب الاخدود کے لئے ہلاکت کی بددعا ہے۔

(2)اس سے مراد وہ کھائیاں گڑھے ہیں جو زمین میں کھودے جاتے ہیں۔یہ گھاٹی والے اصحاب الاخدود کافر تھے۔وہاں کچھ اہل ایمان بھی تھے جن کو وہ اپنے دین میں داخل کرنا چاہتے تھے۔اہل ایمان نے کافر بننے سے انکار کردیا تو کفار نے زمین میں بڑے بڑے گڑھے کھدوائے،ان کے اندر آگ جلائی اور اہل ایمان کو ان میں ڈالا اور ارد گرد بیٹھ کر ان کے جلنے کا تماشا دیکھا،اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاکت کی وعید سنائی ہے۔

(3)آپ ﷺ نے فرمایا:اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کے متعلق فرماتا ہے:پھر آپ نے آیت ﴿قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ ﴿۴﴾ النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ ﴿۵﴾﴾ سے لے کر العزیز الحمید تک پڑھی۔راوی کہتے ہیں:ایک لڑکا(سولی پر لٹکا کر قتل کردیئے جانے کے بعد)دفن کردیا گیا تھا،کہا جاتا ہے کہ وہ لڑکا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں زمین سے نکالا گیا،اس کی انگلیاں اس کی کنپٹی پر اسی طرح رکھی ہوئی تھیں جس طرح اس نے اپنے قتل ہوتے وقت رکھا تھا۔(ترمذی،کتاب التفسیر)

﴿النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ﴾

''آگ تھی بہت ایندھن والی''(5)

سوال1:﴿النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ﴾''آگ تھی بہت ایندھن والی''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ﴾''آگ تھی بہت ایندھن والی''وہ ایک آگ تھی ایندھن والی اس آگ کے لئے گڑھوں میں لکڑیاں بھری گئیں اور آگ لگا دی گئی۔

﴿اِذۡ هُمۡ عَلَيۡهَا قُعُوۡدٌ﴾

''جب وہ اُس پر بیٹھے ہوئے تھے''(6)

سوال1:﴿اِذۡ هُمۡ عَلَيۡهَا قُعُوۡدٌ﴾''جب وہ اُس پر بیٹھے ہوئے تھے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِذۡ هُمۡ عَلَيۡهَا قُعُوۡدٌ﴾''جب وہ اُس پر بیٹھے ہوئے تھے''کافر بھڑکتی آگ والے گڑھوں کے پاس بیٹھے مسلمانوں کے جلنے کا تماشا دیکھ رہے تھے۔مسلمانوں کا قصور یہ تھا کہ وہ ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تھے۔

(2) کافر بادشاہ اور اس کے اہل کار بھی آگ کے کنارے بیٹھ کر جلنے کا تماشا دیکھ رہے تھے۔

(3) گڑھوں والوں نے ایمان والوں سے کہا تھا کہ توحید کو چھوڑتے ہو یا آگ کو پسند کرتے ہو مگر ان سچے مومنوں نے شرک سے انکار کیا۔ آخر کار ان ظالموں نے انہیں بھڑکتی آگ میں ڈال دیا۔

﴿وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ﴾

''اور وہ اس پر جو مومنوں کے ساتھ وہ کر رہے تھے، گواہ تھے'' (7)

سوال 1: ﴿وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ﴾ ''اور وہ اس پر جو مومنوں کے ساتھ وہ کر رہے تھے، گواہ تھے۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ﴾ ''اور وہ اس پر جو مومنوں کے ساتھ وہ کر رہے تھے، گواہ تھے۔'' یہ بدترین جبر اور قساوت قلبی ہے، کیونکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کی، ان کے ساتھ عناد رکھا اور ان آیات پر ایمان رکھنے والوں کے خلاف محاربت کی اور اس کے عذاب کے ذریعے سے ان کے لیے تعذیب کو جمع کر دیا جن سے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں، نیز یہ کہ جب اہل ایمان کو آگ کے ان گڑھوں میں ڈالا گیا تو یہ اس وقت موجود تھے اور حال یہ تھا کہ وہ اہل ایمان پر ان کی صرف اس حالت کی بنا پر ناراض تھے جس پر وہ قابل ستائش تھے اور جس سے ان کی سعادت وابستہ تھی، یعنی وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے جو غالب اور قابل تعریف ہے، یعنی جو اس غلبے کا مالک ہے۔ جس کی بنا پر وہ ہر چیز پر غالب ہے اور وہ اپنے اقوال و افعال اور اوصاف میں قابل تعریف ہے۔ (تفسیر السعدی: 2931/3)

(2) اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے والا کبھی برباد نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اگر اپنے خاص بندوں کو کافروں کے ہاتھ سے تکلیف بھی پہنچا دے تو اس میں بھی مصلحت ہوتی ہے اگرچہ ہمیں علم نہ ہو۔

﴿وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾

''اور اس کے سوا انہوں نے ان سے کوئی انتقام نہیں لیا، کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے جو سب پر غالب، ہر تعریف کے لائق ہے'' (8)

سوال 1: ﴿وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ ''اور اس کے سوا انہوں نے ان سے کوئی انتقام نہیں لیا، کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے جو سب پر غالب، ہر تعریف کے لائق ہے۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ﴾ ''اور انہوں نے ان سے کوئی انتقام نہیں لیا''

(2) ﴿اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ ''کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے جو سب پر غالب، ہر تعریف کے لائق ہے'' یعنی

انہوں نے مسلمانوں میں یہی عیب نکالا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں جو **العزیز** ہے یعنی اپنے انتقام میں شدید ہے، **الحمید** ہے یعنی اپنی مخلوق پر احسان کی وجہ سے قابل تعریف ہے۔ بے پناہ خوبیوں والا ہے۔ جو زمین و آسمان کی بادشاہت کا مالک ہے۔

(3) یہ صفات بندے سے تقاضا کرتی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، اس کی اطاعت کرے اس سے محبت کرے، اس کی خشیت رکھے۔

سوال 2: بادشاہ اور اس کے اہل کار ایمان والوں سے کس چیز کا بدلہ لے رہے تھے؟

جواب: بادشاہ اور اس کے اہل کار غالب اور تعریفوں والے رب پر ایمان لانے کے جرم میں انہیں آگ میں جھونک رہے تھے۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ کی صفات العزیز اور الحمید کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ العزیز ہے وہ اہلِ ایمان کا بدلہ لینے کی قدرت رکھتا ہے۔ اپنے وقت پر وہ انجام کو سامنے لے آتا ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ الحمید ہے، زبردست تعریفوں والا ہے۔ اُس کو کوئی نقص ملاحق نہیں۔ وہ اپنے مجرموں پر غالب ہونے کے باوجود مواقع دیتا ہے۔ ایمان اور کفر کی جنگ میں کافروں کے محاذ سے اگر کچھ لوگوں کے ایمان قبول کرنے کی توقع ہو تو مواقع دیتا ہے۔ یقیناً وہ قابلِ تعریف ہے۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ کیسا غالب ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا زمین و آسمان پر غلبہ ہے۔ آسمان اور زمین کی بادشاہت اُسی کی ہے۔

﴿الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾

''آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اُس کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے'' (9)

سوال 1: ﴿الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ ''آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اُس کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اُس کے لیے ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ ہی زمین و آسمان کا خالق ہے۔ ہر کوئی اس کا غلام ہے۔ وہ زمین و آسمان میں جیسے چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔ سب پر اللہ تعالیٰ کی بادشاہت ہے۔

(2) ﴿وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے۔'' اور اللہ تعالیٰ اپنے علم، سمع و بصر کی بنا پر ہر چیز پر گواہ ہے۔ پس اس کے خلاف سرکشی اختیار کرنے والے یہ کفار، اس بات سے کیوں نہ ڈرے کہ غالب اور قدرت رکھنے والا ہے ان کو پکڑ لے گا۔ کیا ان سب کو علم نہیں تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مملوک ہیں اور مالک کی اجازت کے بغیر کسی کو کسی پر کوئی اختیار نہیں؟ یا ان پر یہ حقیقت مخفی رہ گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور وہ ان کو ان کے اعمال کی جزا دے گا؟ ہرگز نہیں! کافر دھوکے میں پڑا ہوا ہے اور جاہل

اندھے پن کا شکار اور سیدھے راستے سے ہٹ کر گمراہی میں مبتلا ہے۔(تفسیر السعدی:2931,2932/3)

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِیْقِ﴾

''یقینا جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو آزمائش میں ڈالا، بعد میں اس سے توبہ بھی نہ کی تو اُن کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور اُن کے لیے جلنے کا عذاب ہے''(10)

سوال1:﴿اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِیْقِ﴾ ''یقینا جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو آزمائش میں ڈالا، بعد میں اس سے توبہ بھی نہ کی تو اُن کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور اُن کے لیے جلنے کا عذاب ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا﴾ ''یقینا جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو آزمائش میں ڈالا، بعد میں اس سے توبہ بھی نہ کی'' جن لوگوں نے مومنوں کو عذاب میں ڈالا ہے، انہیں آگ میں جلایا ہے اگر اب بھی انہوں نے اپنے کفر سے اور عذاب دینے سے توبہ نہیں کی تو ان کے لئے یہ جلنے والا عذاب ہے۔

(2) سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس جود و کرم کی طرف دیکھو، انھوں نے اس کے اولیا اور اس کے اہل اطاعت بندوں کو قتل کیا اور وہ ان کو توبہ کرنے کی طرف بلا رہا ہے۔(تفسیر سعدی:2932/3)

(3)﴿فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِیْقِ﴾ ''تو اُن کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور اُن کے لیے جلنے کا عذاب ہے۔'' یعنی ان کے اعمال کا بدلہ ہے کہ ان کے لئے جہنم اور جلانے والا عذاب ہے۔

(4) اس میں کفار مکہ کے لئے تنبیہ ہے جو مومن مردوں اور عورتوں کو اس لئے ایذا پہنچاتے تھے کہ وہ ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں کہ ان کا انجام گڑھوں والوں سے مختلف نہیں ہوگا۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِیْرُ﴾

''یقینا جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے ہیں اُن کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔''(11)

سوال1:﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِیْرُ﴾ ''یقینا جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے ہیں اُن کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔'' اس

آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ ”یقیناً جو لوگ ایمان لائے“ یقیناً وہ لوگ جو دل سے ایمان لائے۔

(2)﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ”اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں“ اور وہ اپنی زبان اور اپنے تمام اعضاء سے نیک کام کرتے رہے۔

(3)﴿لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ”اُن کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں“ یعنی ان کے لئے ایسے باغات ہیں کہ ان کے درختوں اور محلات کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

(4)﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِیْرُ﴾ ”یہ بہت بڑی کامیابی ہے“ کامیابی اللہ تعالیٰ کی رضا نصیب ہونا ہے۔کامیابی عزت والے گھر جنت کا حاصل ہونا ہے۔

(5)رب العزت نے فرمایا:﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ ”چنانچہ جو آگ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں۔“ (آل عمران:185)

(6)اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور عورتوں کو تسلی دی ہے کہ وہ کافروں کی ایذاؤں سے گھبرائیں نہیں۔اس سے پہلے بھی ان پر بڑے بڑے مصائب ڈھائے جا چکے ہیں۔ان کے عوض اللہ تعالیٰ کے ہاں سے نعمتوں بھرے باغات ملنے والے ہیں جن کے مقابلے میں یہ تکالیف بہت کم ہیں۔

﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِیْدٌ﴾

”بلاشبہ تیرے رب کی پکڑ یقیناً بڑی سخت ہے“(12)

سوال1:﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِیْدٌ﴾ ”بلاشبہ تیرے رب کی پکڑ یقیناً بڑی سخت ہے۔“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِیْدٌ﴾ ”بلاشبہ تیرے رب کی پکڑ یقیناً بڑی سخت ہے۔“ اللہ تعالیٰ کی پکڑ بڑی سخت ہے۔

(2) مجرموں، گناہ گاروں اور ظالموں کے لئے اس کی سزا بڑی سخت ہے۔

(3)رب العزت نے فرمایا:﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰی وَهِیَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ﴾ ”اور آپ کے رب کی پکڑ اسی طرح ہوتی ہے جب وہ کسی ظلم کرنے والی بستی کو پکڑتا ہے، بلاشبہ اس کی پکڑ بہت دردناک، بڑی سخت ہوتی ہے۔“ (ہود:102)

(4) سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ظالم کو چند روز دنیا میں مہلت دیتا رہتا ہے لیکن جب پکڑتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا۔راوی نے بیان کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی ”اور تیرے پروردگار کی پکڑ اسی طرح ہے جب وہ بستی والوں کو پکڑتا ہے جو (اپنے اوپر) ظلم کرتے رہتے ہیں بیشک اس کی پکڑ بڑی تکلیف دینے والی اور بڑی ہی سخت ہے۔“ (بخاری:4686)

سوال2: رب کی پکڑ سخت ہونے کی وضاحت کریں؟

جواب: اس سے مراد یہ ہے کہ رب جب ان لوگوں کو پکڑنے پر آئے جو رسولوں سے، اللہ والوں سے دشمنی کرتے ہیں اور اُس کے احکامات کی مخالفت کرتے ہیں تو اس کی پکڑ بڑی سخت ہوتی ہے۔

﴿اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ﴾

''بلاشبہ وہی پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا'' (13)

سوال1: ﴿اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ﴾ ''بلاشبہ وہی پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ﴾ ''بلاشبہ وہی پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے'' یعنی وہ تخلیق کی ابتدا کرنے میں منفرد ہے۔

(2) ﴿وَيُعِيْدُ﴾ ''اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا'' فنا کے بعد لوٹانے میں کوئی ہستی اس کی شریک نہیں۔

﴿وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ﴾

''اور وہی بے حد بخشنے والا ہے، نہایت محبت کرنے والا ہے'' (14)

سوال1: ﴿وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ﴾ ''اور وہی بے حد بخشنے والا ہے، نہایت محبت کرنے والا ہے۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَهُوَ الْغَفُوْرُ﴾ ''اور وہی بے حد بخشنے والا ہے'' وہ خلوص سے توبہ کرنے والوں کے سارے گناہ بخش دیتا ہے۔

(2) جو اپنی برائیوں پر ندامت کے آنسو بہائے تو خطائیں خواہ کیسی ہی ہوں وہ معاف کر دیتا ہے۔

(3) ﴿الْوَدُوْدُ﴾ ''نہایت محبت کرنے والا ہے۔'' جو اپنے دوستوں سے محبت کرتا ہے۔ ﴿يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ﴾ ''وہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے'' (المائدہ:54) اور المودت خالص اور صاف محبت کو کہتے ہیں۔ اس میں ایک لطیف نکتہ پوشیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ﴿اَلْوَدُوْدُ﴾ کو ﴿اَلْغَفُوْرُ﴾ کے ساتھ مقرون بیان کیا ہے تاکہ یہ اس بات کی دلیل ہو کہ گناہ گار جب اللہ تعالیٰ کے پاس توبہ کر کے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں تو وہ ان کے گناہوں کو بخش دیتا ہے اور ان سے محبت کرتا ہے۔ پس یہ نہ کہا جائے کہ ان کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی مودت ان کی طرف نہیں لوٹتی، جیسا کہ بعض مغالطہ انگیزوں کا قول ہے۔ بلکہ بندہ جب توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس شخص سے زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی سواری پر اس کا کھانا پینا اور دیگر سامان ہو اور ایک ہلاکت خیز بیابان میں اس کی وہ سواری گم ہو جائے۔ وہ سواری (کی بازیابی) سے مایوس ہو کر ایک سایہ دار درخت کے نیچے لیٹ جائے اور موت کا انتظار کرنے لگے۔ وہ ابھی اسی حال میں ہو کہ وہ کیا دیکھے کہ سواری اس کے سر پر کھڑی ہے۔ پس وہ اس کی مہار تھام لے (اس سواری کو دیکھ کر اس کی خوشی کی انتہا نہ رہے) پس اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو اپنی سواری کے ملنے پر خوش ہوتا ہے۔ یہ اتنی بڑی خوشی

ہے کہ اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔پس اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے حمد وثنا اور خالص محبت۔اس کی بھلائی کتنی عظیم ،اس کی نیکی کتنی زیادہ،اس کا احسان کس قدر بے پایاں اور اس کی نوازشیں کتنی وسیع ہیں۔(تفسیر السعدی:2932,2933/3)

﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ﴾

’’عرش کا مالک ہے، بڑی شان والا ہے‘‘(15)

سوال1:﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ﴾ ’’عرش کا مالک ہے، بڑی شان والا ہے‘‘اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ﴾ ’’عرش کا مالک ہے، بڑی شان والا ہے‘‘یعنی عرش عظیم کا مالک ہے،جس عرش کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ وہ آسمانوں، زمین اور کرسی کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔اس کرسی کی عرش کے ساتھ وہی نسبت ہے جو ایک چٹیل میدان میں پڑے ہوئے حلقے (کڑے) کی نسبت زمین سے ہے۔اللہ تعالیٰ نے عرش کا ذکر خاص طور پر اس کی عظمت کی وجہ سے کیا، نیز عرش کو تمام مخلوقات سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے قرب کی خصوصیت حاصل ہے۔زیر کی قراءت کی صورت میں (اَلْمَجِيْدِ) عرش کی نعت ہے اور ارفع کی قراءت کی صورت میں یہ اللہ تعالیٰ کی نعت ہے اور مَجْدٌ اوصاف کی وسعت اور ان کی عظمت کو کہتے ہیں۔(تفسیر السعدی:2933/3)

(2)عرش کا مالک ہونے سے مراد پوری کائنات کا مالک ہونا ہے اور مجید شان وشوکت میں بڑا کہہ کر اس بات پر تنبیہہ کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں گستاخیاں چھوڑ دیں ورنہ بہت برا انجام ہوگا۔

(3)عرش کا مالک ہونے سے مراد ہے کہ وہ ساری مخلوقات سے عظیم ہے، بلند ہے اور اس کا مستقر وہ ہے جو ہر چیز سے اوپر ہے۔

سوال3:﴿اَلْمَجِيْدُ﴾ سے کیا مراد ہے؟

جواب:اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کرم کرنے والا، صاحب فضل اور عظمت والا ہے۔

﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾

’’جو چاہتا ہے اس کو کر گزرنے والا ہے‘‘(16)

سوال1:﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ ’’جو چاہتا ہے اس کو کر گزرنے والا ہے‘‘اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ ’’جو چاہتا ہے اس کو کر گزرنے والا ہے‘‘یعنی پوری کائنات میں کسی کی بھی یہ طاقت نہیں کہ جس کام کا وہ ارادہ کر لے وہ اس کے راستے میں رکاوٹ بن سکے۔

(2)وہ جب بھی کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کر گزرتا ہے اور جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہہ دیتا ہے: ہو جا۔تو وہ جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں کہ وہ جو کچھ چاہے کر لے۔اگر مخلوق کسی چیز کا ارادہ کرتی ہے تو لازمی طور پر اس کے ارادے کے کچھ معاون ہوتے

ہیں اور کچھ اس سے روکنے والے ہوتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کا کوئی معاون ہے نہ مانع۔ (تفسیر السعدی:2933/3)

(3) سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کسی نے مرض الموت میں پوچھا: آپ نے کسی طبیب کو دکھایا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں۔ لوگوں نے پوچھا: اُس نے کیا کہا فرمایا: اُس نے کہا ہے: ﴿اِنِّیْ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ﴾ "یقیناً میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں" میرے معاملے میں کوئی مداخلت کرنے والا نہیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کو کوئی ٹالنے والا نہیں۔ اُس نے موت مقدر کر دی تو کوئی اسے روک نہیں سکتا۔ (ابن کثیر)

﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ الْجُنُوْدِ﴾

"کیا تمہارے پاس لشکروں کی خبر آئی ہے؟" (17)

سوال1: ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ الْجُنُوْدِ﴾ "کیا تمہارے پاس لشکروں کی خبر آئی ہے؟" لشکروں کی خبر سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ الْجُنُوْدِ﴾ "کیا تمہارے پاس لشکروں کی خبر آئی ہے؟" لشکروں کی خبر سے مراد اُن پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کی خبر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا، انہیں اپنی گرفت میں لیا تو کوئی انہیں بچا نہیں سکا۔

(2) یعنی سرکش قوموں کے بارے میں خبر پہنچی ہے جو اپنے آپ کو طاقتور سمجھتی تھیں انہیں کیسے اللہ تعالیٰ نے تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔

﴿فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ﴾

"فرعون اور ثمود کی" (18)

سوال1: ﴿فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ﴾ "فرعون اور ثمود کی" فرعون اور ثمود کا ذکر یہاں کس اعتبار سے کیا گیا؟

جواب: (1) ﴿فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ﴾ "فرعون اور ثمود کی" فرعون اور ثمود کا ذکر یہاں اس اعتبار سے کیا گیا کہ وہ دنیا میں کسی کو اپنے مقابلے کا نہیں سمجھتے تھے۔ اُن کے انجام کو سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ نے سمجھایا ہے کہ دیکھ لو میں جو چاہوں کر سکتا ہوں۔

(2) فرعون جسے اپنی حکومت، قوت اور لشکروں پر بڑا غرور تھا۔

(3) ثمود کی قوم جنہوں نے پہاڑ تراش کر گھر بنائے تھے جو کہتے تھے کہ قوت میں ہم سے بڑھ کر کون ہے۔ انہوں نے کیسے گھمنڈ میں آ کر اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں سرکشی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔

﴿بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ تَكْذِیْبٍ﴾

"بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا وہی جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں" (19)

سوال1: ﴿بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ تَكْذِیْبٍ﴾ "بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا وہی جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔" اس آیت کی وضاحت

کریں؟

جواب:(1)﴿بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ﴾ ''بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا وہی جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں'' کافر اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے پر کمربستہ ہیں۔

(2) فرعون اور ثمود کے لشکر بھی یہی کچھ کیا کرتے تھے۔(3) اور قریش مکہ تو قوت کے اعتبار سے ان کا مقابلہ ہی نہیں کر سکتے۔

(4) ان کو اللہ تعالیٰ کی آیات فائدہ نہیں دیتیں۔(5) ان کے لئے عقوبت کی سخت وعید ہے۔

سوال 2: کفر کرنے والوں کا اصل مسئلہ کیا ہے؟

جواب: کفر کرنے والوں کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ سچائی کو تسلیم نہیں کرتے اور جو سچ کو قبول نہیں کرتے وہ حق کو جھٹلاتے اور کفر کرتے ہیں۔

﴿وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ﴾

''اور اللہ تعالیٰ ان کے پیچھے سے اُنہیں گھیرنے والا ہے''(20)

سوال 1:﴿وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ان کے پیچھے سے اُنہیں گھیرنے والا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ان کے پیچھے سے انہیں گھیرنے والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے انہیں گھیرے میں لے رکھا ہے۔(2) وہ کسی وقت بھی انہیں برے انجام میں پہنچا سکتا ہے۔(3) ان پر اپنے کیے کا وبال آنے والا ہے۔

(4) اور اللہ تعالیٰ نے اپنے علم اور قدرت سے ان کا احاطہ کر رکھا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ﴾ ''بے شک تیرا رب گھات میں ہے۔'' (سورہ الفجر:14)(تفسیر السعدی:2934/3)

﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ﴾

''بلکہ قرآن بڑی شان والا ہے''(21)

سوال 1:﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ﴾ ''بلکہ قرآن بڑی شان والا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ﴾ ''بلکہ قرآن بڑی شان والا ہے'' یہ لوگ جس قرآن کو جھٹلاتے ہیں وہ بڑی عظمت اور بڑی شان والا ہے۔(2) قرآن کا لکھا اٹل ہے اس کو جھٹلانے والے اپنی حرکت کی پاداش میں تباہ ہو سکتے ہیں۔

(3)﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ (٧٥) وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ (٧٦) اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ (٧٧) فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ (٧٨) لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (٧٩) تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (٨٠) اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ (٨١) وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ (٨٢)﴾ ''پس نہیں! میں قسم کھاتا ہوں تاروں کے گرنے کی جگہوں کی اور یقیناً وہ اگر تم جانتے ہو تو واقعتاً ایک بہت بڑی قسم

ہے۔یقیناوہ بلاشبہ قرآن ہے، بڑی عزت والا ہے۔ایک ایسی کتاب میں جو چھپا کر رکھی گئی ہے۔ جسے پاک کیے گئے فرشتوں کے سوا کوئی نہیں چھوسکتا۔'' (الواقعہ:75,82)

﴿فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ﴾

''لوحِ محفوظ میں ہے'' (22)

سوال1: ﴿فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ﴾ ''لوحِ محفوظ میں ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ﴾ ''لوح محفوظ میں ہے'' اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو لوح محفوظ میں ثبت کر رکھا ہے جس تک کسی کی رسائی ممکن نہیں۔(2) قرآن ہر طرح کے ردوبدل، ترمیم اور تنسیخ سے پاک ہے۔

(3) سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لوح محفوظ سیدنا اسرافیل کی پیشانی کے سامنے ہے۔

(4) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لوح محفوظ کی پیشانی پر عبارت درج ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا حق دار نہیں وہ صرف ایک ہے اس کا دین اسلام ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، اس کا وعدہ سچا جانے اور اس کے رسول کی تابعداری کرے۔اللہ تعالیٰ اسے جنت دے گا۔ (مختصر ابن کثیر:2206/2)

(5) لوحِ محفوظ میں ہونے سے مراد ہے کہ وہ حفاظت میں ہے۔فرشتے اُس کی حفاظت کرتے ہیں۔

ایاتھا ۱۷ | ۸۶ سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ ۳۶ | رکوعھا ۱

سوال1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کی کتنی آیات اور کتنے رکوع ہیں؟

جواب: یہ مکی سورت ہے۔اس کی 17 آیات اور ایک رکوع ہے۔

سوال2: مصحف میں ترتیب اور ترتیب نزولی کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے یہ 86 ویں نمبر پر ہے۔اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے 36 ویں سورت ہے۔

رکوع نمبر 11

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ﴾

''آسمان کی قسم اور رات کو آنے والے کی!''(1)

سوال1:﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ﴾''آسمان کی قسم اور رات کو آنے والے کی!''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ﴾''آسمان کی قسم اور رات کو آنے والے کی!''اللہ رب العزت نے آسمان اور چمکتے ستاروں کی قسم کھائی ہے۔ طارق سے مراد روشن ستارہ ہے۔

سوال2:ستاروں کو طارق کیوں کہتے ہیں؟

جواب:ستارے دن میں چھپ جاتے ہیں اور رات کو آجاتے ہیں اس لئے انہیں طارق کہتے ہیں۔

﴿وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الطَّارِقُ﴾

''اور تم کیا جانو کہ رات کو آنے والا کیا ہے؟''(2)

سوال1:﴿وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الطَّارِقُ﴾''اور تم کیا جانو کہ رات کو آنے والا کیا ہے؟''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الطَّارِقُ﴾''اور تم کیا جانو کہ رات کو آنے والا کیا ہے''طریق کا معنی راستہ اور طارق بمعنی راستہ پر چلنے والا۔مگر عرف عام میں طارق بالخصوص اس مسافر کو کہتے ہیں جو صرف رات کو آئے۔اور ستارے کو طارق اس لیے کہتے ہیں کہ وہ رات کو ہی ظاہر ہوتا ہے۔اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے خود ہی صراحت فرمادی کہ یہاں طارق سے مراد عام ستارے نہیں بلکہ شہاب ثاقب ہے۔(تیسیر القرآن:626/4)

سوال2:یہ سوال کس لئے کہا گیا کہ تم کیا جانو کیا ہے طارق؟

جواب:''تم کیا جانو کیا ہے طارق؟''کا سوال توجہ مبذول کرانے کے لئے کیا گیا تاکہ انسان غور و فکر کرے۔

﴿النَّجۡمُ الثَّاقِبُ﴾

''چمکتا ہوا تارا ہے''(3)

سوال1:﴿النَّجۡمُ الثَّاقِبُ﴾''چمکتا ہوا تارا ہے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿النَّجۡمُ الثَّاقِبُ﴾''چمکتا ہوا تارا ہے۔''یعنی روشن ستارہ،جس کی روشنی آسمانوں میں سوراخ کر دیتی ہے،آر پار چھید بن جاتا ہے حتیٰ کہ زمین سے دکھائی دیتا ہے۔مگر صحیح یہ ہے کہ یہ اسم جنس ہے جو تمام روشن ستاروں کو شامل ہے۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد''زحل''ہے جو ساتوں آسمانوں کو چھید کر سوراخ کر دیتا ہے اور ان میں سے دیکھا جا سکتا ہے۔(تفسیر السعدی:2935/3)

(2)ثاقب اس لیے کہا گیا کہ وہ اپنی شعاعوں کے ذریعے تاریکیوں کو پھاڑ کر اپنی روشنی زمین پر پھینکتا ہے۔

(3) ثاقب چمکیلا اور ٹوٹنے والا انگارہ ہے جو شیطان پر گر کر اسے جلا ڈالتا ہے۔ (مختصر ابن کثیر:2207/1)

﴿اِنۡ كُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا عَلَيۡهَا حَافِظٌ﴾

''مگر ہر جان کے اوپر ایک محافظ ہے'' (4)

سوال1: ﴿اِنۡ كُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا عَلَيۡهَا حَافِظٌ﴾ ''مگر ہر جان کے اوپر ایک محافظ ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنۡ كُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا عَلَيۡهَا حَافِظٌ﴾ ''مگر ہر جان کے اوپر ایک محافظ ہے'' یعنی ہر شخص پر محافظ مقرر ہیں جو اسے حادثات سے بچاتے ہیں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖ يَحۡفَظُوۡنَهٗ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ‌ؕ وَاِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوۡمٍ سُوۡۤءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ‌ ۚ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّالٍ﴾ ''اس شخص کے لیے اس کے آگے سے اور اس کے پیچھے سے باری باری آنے والے کئی پہرہ دار ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُس کی حفاظت کرتے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا جو کسی قوم میں ہے یہاں تک کہ وہ بدل دیں جو ان کے دلوں میں ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے برائی کا ارادہ کرتا ہے تو کوئی اس کو ہٹانے والا نہیں ہوتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے سوا ان کے لیے کوئی مددگار رہے۔'' (الرعد:11)

(2) جو نفس کے اچھے برے اعمال کو محفوظ کرتا ہے اور ہر نفس کو اس کے عمل کی جزا و سزا دی جائے گی جسے اس کے لیے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ (تفسیر السعدی:2935/3)

سوال2: اللہ تعالیٰ نے قسمیں کھا کر فرشتوں کی نگہبانی کی بات کیوں کی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے یہ بات اس لئے کی ہے کہ کوئی انسان اپنی مرضی کرنے کے لئے آزاد نہیں ہے۔ ہر ایک کے اعمال کا حساب کتاب ہونا ہے۔ اسی وجہ سے اعمال کا ریکارڈ تیار ہو رہا ہے۔ اس لئے ہر ایک کو اپنے اعمال کی فکر کر لینی چاہئے۔

﴿فَلۡيَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ مِمَّ خُلِقَ﴾

''چنانچہ انسان کو چاہیے کہ وہ دیکھے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا؟'' (5)

سوال1: ﴿فَلۡيَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ مِمَّ خُلِقَ﴾ ''چنانچہ انسان کو چاہیے کہ وہ دیکھے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿فَلۡيَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ مِمَّ خُلِقَ﴾ ''چنانچہ انسان کو چاہیے کہ وہ دیکھے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا؟'' یعنی انسان کو اپنی تخلیق اور اس کے آغاز پر غور کرنا چاہیے۔ جو پہلی بار پیدا کر سکتا ہے وہ دوسری بار بھی پیدا کرنے پر قادر ہے۔

سوال2: انسان کی توجہ اُس کے مادۂ تخلیق کی طرف کیوں دلائی گئی ہے؟

جواب: انسان کے شعور کی بیداری کے لئے توجہ دلائی گئی تا کہ وہ یہ دیکھے کہ اللہ تعالیٰ کیسی قدرت والا ہے۔ وہ کیسی حقیر چیز سے دیکھنے، سُننے، بولنے اور سمجھنے والا انسان پیدا کر دیتا ہے۔

﴿خُلِقَ مِنۡ مَّآءٍ دَافِقٍ﴾

''وہ اُچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا'' (6)

سوال 1: ﴿خُلِقَ مِنۡ مَّآءٍ دَافِقٍ﴾ ''وہ اُچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿خُلِقَ مِنۡ مَّآءٍ دَافِقٍ﴾ ''وہ اُچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا۔'' اس سے مراد منی ہے یعنی انسان کی تخلیق کا آغاز کس مادے سے ہوتا ہے وہ کہاں اور کیسے پیدا ہوتا ہے۔

(2) انزال کے وقت منی اچھل کر نکلتی ہے اور شوہر اور بیوی کی منی کے امتزاج سے حمل قرار پاتا ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 2207/2)

﴿يَّخۡرُجُ مِنۡۢ بَيۡنِ الصُّلۡبِ وَالتَّرَآئِبِ﴾

''جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے'' (7)

سوال 1: ﴿يَّخۡرُجُ مِنۡۢ بَيۡنِ الصُّلۡبِ وَالتَّرَآئِبِ﴾ ''جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَّخۡرُجُ مِنۡۢ بَيۡنِ الصُّلۡبِ وَالتَّرَآئِبِ﴾ ''جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔'' ﴿وَالتَّرَآئِبِ﴾ سینے کے اُس حصّے کو کہتے ہیں جہاں زیور پہنا جاتا ہے۔

(2) اس میں اس معنی کا احتمال ہے کہ (یہ منی) مرد کی صلب سے اور عورت کے سینے، یعنی اس کی چھاتی سے نکلتی ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اچھل کر نکلنے والی منی ہے، اس کا مقام، جہاں سے وہ نکلتی ہے، صلب اور سینے کے درمیان ہے۔ شاید یہی معنی زیادہ صحیح ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اچھل کر نکلنے والے پانی (منی) کا وصف بیان کیا ہے جس کو محسوس کیا جاتا ہے اور اس کے اچھل کر باہر نکلنے کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اور یہ مرد کی منی ہے۔ اسی طرح ﴿وَالتَّرَآئِبِ﴾ کا لفظ مرد کے لیے استعمال ہوتا ہے، کیونکہ مرد کا سینہ بمنزلہ عورت کی چھاتیوں کے لیے ہے۔ اگر یہاں عورت مراد ہوتی تو کہا جاتا ﴿بَيۡنَ الصُّلۡبِ وَالثَّدۡيَيۡنِ﴾ پیٹھ اور دونوں پستانوں کے درمیان وغیرہ۔ واللہ اعلم (تفسیر السعدی: 2935/3)

﴿اِنَّهٗ عَلٰى رَجۡعِهٖ لَقَادِرٌ﴾

''بلاشبہ وہ اُس کے لوٹانے پر بھی یقیناً قادر ہے'' (8)

سوال 1: ﴿اِنَّهٗ عَلٰى رَجۡعِهٖ لَقَادِرٌ﴾ ''بلاشبہ وہ اُس کے لوٹانے پر بھی یقیناً قادر ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّهٗ عَلٰى رَجۡعِهٖ لَقَادِرٌ﴾ ''بلاشبہ وہ اُس کے لوٹانے پر بھی یقیناً قادر ہے۔'' یعنی جس نے اچھل کر نکلنے والے پانی سے

وجود عطا کیا وہ آخرت میں اسے پیدائش کی طرف لوٹانے یعنی تخلیق کا اعادہ کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ پیدا کرنے کی قدرت سے یہ ثابت کیا ہے کہ دوسری زندگی حق ہے۔

(2) رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ﴾ ''آپ کہہ دیں کہ انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا اور وہ ہر طرح کی تخلیق کو خوب جاننے والا ہے۔'' (یٰسین:79) ﴿وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ۚ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ ''اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے، پھر وہی اُس کا اِعادہ کرے گا اور وہ اُس پر آسان ترین ہے اور آسمانوں اور زمین میں سب سے اعلیٰ صفت اُسی کے لیے ہے اور وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔'' (الروم:27)

﴿يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ﴾

''جس دن تمام پوشیدہ باتوں کی جانچ پڑتال کی جائے گی'' (9)

سوال 1: ﴿يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ﴾ ''جس دن تمام پوشیدہ باتوں کی جانچ پڑتال کی جائے گی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ﴾ ''جس دن تمام پوشیدہ باتوں کی جانچ پڑتال کی جائے گی'' قیامت کے دن تمام راز کھل جائیں گے۔ (2) پوشیدہ اسرار سے مراد ہر انسان کے وہ اعمال بھی ہیں جن کا تعلق نیت اور ارادے سے تھا وہ پورے نہ ہوسکے بس ایک راز بن کے رہ گئے۔ (تیسیر القرآن: 628/)

(3) دنیا کے اندر بہت سی چیزیں پوشیدہ رہتی تھیں اور لوگوں کے سامنے عیاں نہیں ہوتی تھیں۔ قیامت کے روز تو ابرار کی نیکی اور فاجروں کا فسق و فجور صاف ظاہر ہوں گے اور اعلانیہ امور بن جائیں گے۔ (تفسیر السعدی: 2935/3)

(4) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر غدر کرنے والے کی سرین کے پاس جھنڈا گاڑ دیا جائے گا۔ اعلان کیا جائے گا کہ یہ فلاں کی غداری ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الجزیۃ)

سوال 2: پوشیدہ باتوں کو کیوں پرکھا جائے گا؟

جواب: جزا و سزا کے لئے پوشیدہ باتوں کو ظاہر کیا جائے گا۔

﴿فَمَا لَهُ مِن قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ﴾

''تو اُس کے پاس نہ کوئی قوت ہوگی اور نہ ہی مددگار'' (10)

سوال 1: ﴿فَمَا لَهُ مِن قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ﴾ ''تو اُس کے پاس نہ کوئی قوت ہوگی اور نہ ہی مددگار'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ﴾''تو اُس کے پاس نہ کوئی قوت ہوگی اور نہ ہی مددگار''اس دن نہ انسان خود کو بچا سکے گا نہ اس کے لئے کوئی مددگار اور حمایتی ہوگا۔(2)اس کے پاس طاقت نہیں ہوگی جس سے وہ مدافعت کر سکے۔

﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ﴾

''بار بار بارش لانے والے آسمان کی قسم!''(11)

سوال1:﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ﴾''بار بار بارش لانے والے آسمان کی قسم!''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ﴾''بار بار بارش لانے والے آسمان کی قسم!''بارش چونکہ پلٹ پلٹ کر آتی ہے اس لئے اسے اَلرَّجْعُ کہا گیا۔(2)بارش یا بارش والا بادل یا مخلوق کی سالانہ روزی لوٹانا۔

﴿وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ﴾

''اور پھٹنے والی زمین کی''(12)

سوال1:﴿وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ﴾''اور پھٹنے والی زمین کی''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ﴾''اور پھٹنے والی زمین کی''﴿ذَاتِ الصَّدْعِ﴾صدع کے معنی کسی چیز کا اس طرح پھٹنا ہے کہ ٹکڑا جدا نہ ہوا اور بقول امام راغب اجسام جیسے لوہا، شیشہ، زمین وغیرہ میں شگاف یا سوراخ ہو جاتا ہے اور زمین کو اس لیے ذات الصدع کہا گیا ہے کہ پودوں کی نرم و نازک کونپلوں کو پھاڑ کر زمین سے باہر نکلنے کا راستہ دے دیتی ہے۔(تیسیر القرآن:628/4)

(2)رب العزت نے بارش لانے والے آسمان اور پھٹنے والی زمین کی قسم کھائی ہے کہ کس طرح بارش برستی ہے تو نباتات اگتی ہیں اور جانوروں اور انسانوں کے لئے زندگی کے اسباب پیدا ہوتے ہیں۔(3)قیامت کے دن مردوں سے زمین شق ہو جائے گی۔

سوال2:زمین کو پھٹنے والی کیوں کہا گیا ہے؟

جواب:(1)زمین پھٹتی ہے تو پانی نکلتا ہے۔(2)زمین پھٹتی ہے تو پودے نکلتے ہیں۔(3)ایک دن آئے گا جب زمین پھٹے گی تو سارے مُردے باہر نکل آئیں گے۔اسی وجہ سے زمین کو پھٹنے والی کہا گیا ہے۔

﴿اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ﴾

''یقیناً یہ بلاشبہ ایک فیصلہ کن کلام ہے''(13)

سوال1:﴿اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ﴾''یقیناً یہ بلاشبہ ایک فیصلہ کن کلام ہے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِنَّهٗ لَقَوۡلٌ فَصۡلٌ﴾ ''یقینا یہ بلاشبہ ایک فیصلہ کن کلام ہے'' اللہ تعالیٰ نے قرآن کے حق اور باطل کے درمیان فیصل ہونے پر قسم کھائی ہے۔(قرطبی:9/10) (2) قرآن حق ہے جو واضح ہے۔(3) قرآن صدق اور کذب کا دوٹوک فیصلہ ہے۔(مختصر ابن کثیر:2/2208)

﴿وَّمَا هُوَ بِالۡهَزۡلِ﴾

''اور یہ ہنسی مذاق نہیں ہے''(14)

سوال1:﴿وَّمَا هُوَ بِالۡهَزۡلِ﴾ ''اور یہ ہنسی مذاق نہیں ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَّمَا هُوَ بِالۡهَزۡلِ﴾ ''اور یہ ہنسی مذاق نہیں ہے'' قرآن کھیل اور باطل نہیں ہے۔(جامع البیان:109/30) (2) قرآن ہنسی مذاق کی بات نہیں ہے۔

﴿اِنَّهُمۡ يَكِيۡدُوۡنَ كَيۡدًا﴾

''یقینا وہ خفیہ تدبیر کرتے ہیں ایک خفیہ تدبیر''(15)

سوال1:﴿اِنَّهُمۡ يَكِيۡدُوۡنَ كَيۡدًا﴾ ''یقینا وہ خفیہ تدبیر کرتے ہیں ایک خفیہ تدبیر'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِنَّهُمۡ يَكِيۡدُوۡنَ كَيۡدًا﴾ ''یقینا وہ خفیہ تدبیر کرتے ہیں ایک خفیہ تدبیر۔'' یعنی کفار قریش نبی ﷺ کے بارے میں تدابیر کر رہے ہیں۔(2) وہ طرح طرح کے مکروفریب کر کے لوگوں کو قرآن کی مخالفت پر اکسا رہے ہیں۔

(3) ان چالوں میں شبہات کا سلسلہ بھی ہے۔﴿وَقَالُوۡۤا اِنۡ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنۡيَا وَمَا نَحۡنُ بِمَبۡعُوۡثِيۡنَ﴾ ''اور انہوں نے کہا کہ زندگی تو بس ہماری دنیا کی زندگی ہے اور ہم ہرگز اُٹھائے جانے والے نہیں ہیں۔''(الانعام:29)

(4) کفار کے ڈالے ہوئے شبہ کو رب العزت نے بیان فرمایا:﴿وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِىَ خَلۡقَهٗ ؕ قَالَ مَنۡ يُّحۡىِ الۡعِظَامَ وَهِىَ رَمِيۡمٌ﴾ ''اور اُس نے ہمارے لیے ایک مثال بیان کی اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، اس نے کہا کہ اُن ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا حالانکہ وہ بوسیدہ ہوں گی؟''(یٰسین:78)

سوال2: رسول اللہ ﷺ کے دشمن کیا تدبیریں کر رہے تھے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ کے دشمن حق کو ناکام کرنے کی تدبیریں کر رہے تھے۔

سوال3: کیا آج بھی حق کو ناکام کرنے کی تدبیریں ہو رہی ہیں؟

جواب: آج بھی حق کو ناکام کرنے کی تدبیریں کی جا رہی ہیں۔ میڈیا کے ذریعے، عملی جنگ کے ذریعے، دشمن اپنی پالیسیوں کے ذریعے ہر طریقہ اختیار کر رہا ہے جس سے سچا دین ناکام ہو جائے۔

﴿وَّاَكِيْدُ كَيْدًا﴾

''اور میں بھی خفیہ تدبیر کر رہا ہوں ایک خفیہ تدبیر'' (16)

سوال 1: ﴿وَّاَكِيْدُ كَيْدًا﴾ ''اور میں بھی خفیہ تدبیر کر رہا ہوں ایک خفیہ تدبیر'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّاَكِيْدُ كَيْدًا﴾ ''اور میں بھی خفیہ تدبیر کر رہا ہوں ایک خفیہ تدبیر'' اور حق کو غالب کرنے کے لیے میں چال چلتا ہوں، خواہ کافروں کو ناگواری ہی کیوں نہ گزرے تاکہ باطل کو روکا جائے جسے یہ لے کر آئے ہیں اور اس سے معلوم ہو جائے کہ کون غالب ہے؟ کیونکہ انسان بہت کمزور اور حقیر ہے کہ اپنے سے زیادہ طاقت رکھنے والے اور اپنی چال بازی میں زیادہ مہارت اور علم رکھنے والے پر غالب آسکے۔ (تفسیر السعدی: 2936/3)

(2) رب العزت نے اپنی تدبیر کا ذکر کیا: ﴿وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ﴾ ''اور میں انہیں مہلت دوں گا، بلاشبہ میری تدبیر بہت مضبوط ہے۔'' (الاعراف: 183)

(3) ﴿وَجَزٰۗؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ ''اور برائی کا بدلہ اُس جیسی ایک برائی ہے۔'' (الشوریٰ: 40)

(4) اس سے مراد ہے کہ میں تم لوگوں کی سازشوں سے غافل نہیں ہوں۔ میں بھی تمہاری چالوں کا توڑ کر رہا ہوں۔

﴿فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا﴾

''تو آپ کافروں کو مہلت دیں، مہلت دیں ان کو تھوڑی سی'' (17)

سوال 1: ﴿فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا﴾ ''تو آپ کافروں کو مہلت دیں، مہلت دیں ان کو تھوڑی سی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا﴾ ''تو آپ کافروں کو مہلت دیں، مہلت دیں ان کو تھوڑی سی'' یعنی کافروں کو تھوڑی سی مہلت دو، پس عنقریب جب ان کو عذاب اپنی لپیٹ میں لے لے گا تو انہیں اپنے انجام کا علم ہو جائے گا۔ (تفسیر السعدی: 2936/3)

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ﴾ ''ہم انہیں بہت تھوڑا سامان دے رہے ہیں، پھر ہم انہیں ایک بہت سخت عذاب کی طرف مجبور کر کے لے جائیں گے۔'' (لقمان: 24)

(3) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر آپ ذرا سا صبر کر لیں پھر دیکھیں کہ ہم انہیں کیسے کیسے عذابوں کی طرف گھسیٹتے ہیں۔

سوال 2: مہلت دینے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ اُن کے لئے جلدی عذاب نہ مانگو، تھوڑی مہلت دے دو۔

سوال3: کیا کافروں کو مہلت دینا ان کے حق میں مفید ہوتا ہے؟

جواب: کافروں کو مہلت دینا ان کے ساتھ تدبیر کی ایک صورت ہے۔

آیاتھا ۱۹ ۸۷ سُوْرَۃُ الْاَعْلٰی مَکِّیَّۃٌ ۸ رکوعھا ۱

سوال1: سورۃ الاعلیٰ کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ مکی سورت ہے اس کا ایک رکوع اور 19 آیات ہیں۔

سوال2: مصحف میں اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس کا کون سا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس سورۃ کا 87واں نمبر ہے اور ترتیب نزولی کے اعتبار سے اس اس کا آٹھواں نمبر ہے۔

سوال3: اس سورت کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: (1) نبی ﷺ کو یہ سورت بہت محبوب تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وتر نماز میں رسول اللہ ﷺ سبح اسم ربك الاعلی اور قل یایھا الکفرون اور قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے۔ (مسند احمد:5/123، ابوداؤد:1423، ترمذی:463)

(2) سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عیدین اور جمعہ میں "سبح اسم ربك الاعلیٰ" اور "ھل اتاك حدیث الغاشیۃ" پڑھا کرتے تھے۔ اور جب جمعہ اور عید دونوں ایک دن میں ہوتیں، تب بھی انہی دونوں سورتوں کو دونوں نمازوں میں پڑھتے تھے۔ (مسلم:2028، ابوداؤد:1122) سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لمبی قراءت کرنے کی شکایت پر معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "تو نے ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى﴾ اور ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا﴾ اور ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى﴾ کے ساتھ نماز کیوں نہ پڑھادی؟ (بخاری:705)

(3) عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ﴾ 'اپنے بہت بڑے رب کے نام کی تسبیح کیا کرو' (الواقعہ:74) نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے اپنے رکوع میں کرلو، پھر جب ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى﴾ 'اپنے بہت ہی بلند رب کے نام پاکیزگی بیان کرو' (اعلیٰ:1) نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسے اپنے سجدے میں کرلو۔ (ابوداؤد:869)

رکوع نمبر 12

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى﴾

''آپ اپنے رب کے نام کی تسبیح کریں جو سب سے بلند ہے'' (1)

سوال1: ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى﴾ ''آپ اپنے رب کے نام کی تسبیح کریں جو سب سے بلند ہے۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿سَبِّحِ﴾ ''تسبیح کریں'' رب العزت نے اپنی تسبیح کرنے کا حکم دیا ہے۔

(2) تسبیح کرنے سے مراد اللہ تعالیٰ کو ہر نقص اور ہر عیب سے پاک ماننا اور یہ کہ وہ بلا شرکت غیرے (بغیر کسی شرکت کے) مختار کل ہے۔ اور یہ ماننا کہ وہ کائنات کی تمام اشیاء پر پورا کنٹرول رکھتا ہے۔

(3) ﴿اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى﴾ ''آپ اپنے رب کے نام کی جو سب سے بلند ہے۔ یعنی اپنے عالی شان رب کے پاک نام کی پاکی بیان کرو جس نے مخلوق پیدا کی اور سب کو اچھی شکلیں دیں۔ (مختصر ابن کثیر: 2/2209)

(4) یعنی اللہ تعالیٰ کی ایسی تسبیح کرو جو اللہ تعالیٰ کی عظمت کے لائق ہے یعنی اس کے اسمائے حسنیٰ وعالیہ کا اس اسم سے ذکر جس کے معنی اچھے اور عظیم ہوں اس کے افعال کا ذکر کیا جائے۔ ان افعال میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ ان کو درست کیا یعنی نہایت مہارت کے ساتھ ان کو اچھی طرح تخلیق کیا۔ (تفسیر سعدی: 3/2937)

سوال2: کن چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرنے کے لئے کہا گیا ہے؟

جواب: ان تمام چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرنے کے لئے کہا گیا ہے جو اُس کے لائق ہے۔

﴿الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى﴾

''وہ ذات جس نے پیدا کیا پھر درست بنایا'' (2)

سوال1: ﴿الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى﴾ ''وہ ذات جس نے پیدا کیا پھر درست بنایا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿الَّذِيْ خَلَقَ﴾ ''وہ ذات جس نے پیدا کیا'' یعنی اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز کو پیدا کیا۔

(2) ﴿فَسَوّٰى﴾ ''پھر درست بنایا'' پھر اس کی شکل وصورت کو اس کے کام کے مطابق درست بنایا۔ یعنی جو چیز بنائی اس کی صفات اور اس کے فائدوں کے اعتبار سے اس کی پیدائش کو درجہ کمال تک پہنچا دیا۔

(3) اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوقات کو متناسب بنایا اور انسان کے اعضاء کو بھی خاص تناسب سے بنایا۔

(4) اللہ رب العزت نے فرمایا: ﴿الَّذِيْ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ﴾ ''جس نے ہر چیز کو اچھا بنایا جو اس نے پیدا کی۔'' (السجدہ: 1)

(5) اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوقات کو احسن انداز میں بنایا جیسے آسمانوں کو خاص بلندی پر بنایا اور اس کے تاروں کو زینت دی اور زمین کو خاص انداز میں بچھایا اور اس سے اس کا پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو زمین میں گاڑ دیا۔ اور درختوں کو اس قابل بنایا کہ اس پر پھل بھی لگ سکیں اور وہ آگ کے لئے ایندھن بھی ہوں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ كَیْفَ خُلِقَتْ (۱۷) وَاِلَی السَّمَآءِ كَیْفَ رُفِعَتْ (۱۸) وَاِلَی الْجِبَالِ كَیْفَ نُصِبَتْ (۱۹) وَاِلَی الْاَرْضِ كَیْفَ سُطِحَتْ (۲۰)﴾ ''تو کیا وہ اُونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے وہ پیدا کیے گئے ہیں؟ اور آسمان کی طرف کیسے بلند کیا گیا۔ اور آسمان کی طرف کہ کیسے وہ بلند کیا گیا؟ اور پہاڑوں کی طرف کہ کیسے وہ گاڑے گئے؟ اور زمین کی طرف کہ کیسے وہ بچھائی گئی؟'' (الغاشیہ:17,20) ﴿یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ (۶) الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ (۷) فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ (۸)﴾ ''اے انسان! اپنے رب کریم کے بارے میں تجھے کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا؟ جس نے تجھے پیدا کیا۔ پھر تجھے درست بنایا، پھر تجھے برابر کیا۔ اس صورت میں اُس نے چاہا تجھے جوڑ دیا۔ (الانفطار:6,8)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے انسان کو کیسے درست بنایا؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے انسان کے اعضاء میں مناسبت رکھی۔ (2) اللہ تعالیٰ نے انسان کو سُننے، دیکھنے، بولنے اور سمجھنے والا بنایا۔

﴿وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰى﴾

''اور وہ ذات جس نے تقدیر بنائی تو راہ دکھائی'' (3)

سوال: ﴿وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰى﴾ ''اور وہ ذات جس نے تقدیر بنائی تو راہ دکھائی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالَّذِیْ قَدَّرَ﴾ ''اور وہ ذات جس نے تقدیر بنائی'' تقدیر کے معنی اندازہ کرنا، بنانے سے پہلے کسی چیز کا مکمل نقشہ اس کی شکل وصورت اس کے مقاصد اور غرض وغایت کے متعلق پوری سکیم تیار کرنا۔ پھر اس کے متعلق یہ طے کرنا کہ اس چیز کے لئے کس قسم کا مواد درکار ہے کتنی مقدار میں درکار ہے۔ اس چیز میں کیا کیا خصوصیات درکار ہیں تاکہ جس مقصد کے لئے وہ بنائی گئی ہے اسے بطریق احسن انجام دے سکے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق سے پیشتر (پہلے) اس کی تقدیر بنائی ہے۔ کائنات میں آج تک جو اشیا وجود میں آچکی ہیں اور جو کچھ بعد میں پیدا ہوں گی سب کچھ اللہ تعالیٰ کی تقدیر یا اندازے یا اسکیم کے مطابق ہو رہا ہے جو اس نے پہلے طے کر رکھا ہے۔ (تیسیر القرآن:631/4)

(2) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''زمین اور آسمانوں کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کی تقدیریں لکھیں اور تب اس کا عرش پانی پر تھا۔'' (مسلم:6748)

(3) اللہ تعالیٰ نے جو اندازہ مقرر کر دیا اس کی تمام مخلوقات اس کی پیروی کرتی ہیں۔

(4) ﴿فَهَدٰى﴾ ''تو راہ دکھائی'' شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں کہ ہر شخص کے لئے ایک کمال کا اندازہ ٹھہرایا پھر اس کو وہ کمال حاصل کرنے کی

راہ بتلادی۔

(5) رب العزت نے فرمایا:﴿قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى﴾ ''(موسیٰ نے) کہا: ''ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی صورت عطا کی، پھر اُسے راستہ دکھایا۔'' (طٰہٰ:50) (6) اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو مصالح کی راہ دکھلائی ہے۔ (تفسیر السعدی:3/293)

(7) یعنی جس چیز کو جس مقصد کے لئے بنایا، اس چیز کی فطرت میں وہ کام کرنے کا طریقہ بھی ودیعت کردیا۔ مثلاً ہر دودھ پلانے والے جاندار کا بچہ پیدا ہوتا ہے تو پیدا ہوتے ہی وہ ماں کی چھاتیوں کی طرف لپکتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس بچے کو دودھ چوسنے کا طریقہ فطرتاً سکھادیا۔ اسی طرح کائنات کی ایک ایک چیز کو وہ راہ سمجھادی جس کے لیے وہ پیدا کی گئی ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے دل کو اسی لئے پیدا کیا کہ وہ سارے جسم کو خون پہنچائے تو دل کی ساخت بھی ایسی بنائی اور اسے یہ طریقہ بھی بتلادیا کہ وہ کس طرح خون کو پمپ کرے گا کسی جاندار کے ارادہ اور خواہش کے بغیر دل از خود ہی یہ کام کیے جاتا ہے۔ حتیٰ کہ کسی کو یہ محسوس بھی نہیں ہوتا کہ اس کے اندر کیا کیا چیزیں ہیں اور وہ کیا کیا کام سرانجام دے رہی ہیں۔ انسان چونکہ دوسری مخلوقات سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے اس لئے اس کو دو قسم کی ہدایت دی گئی ہے۔ ایک اضطراری جو اس کی طبعی زندگی سے تعلق رکھتی ہے اور اس لحاظ سے وہ دوسرے جاندار سے مختلف نہیں اور دوسری ہدایت اختیاری ہے جو اس کے عقل وشعور اور اخلاقیات سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کی دوسری قسم کی ہدایت کو اجاگر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء بھیجے اور کتابیں نازل فرمائیں۔ (تیسیر القرآن:4/631)

﴿وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى﴾

''اور وہ ذات جس نے زمین سے چارہ نکالا'' (4)

سوال 1: ﴿وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى﴾ ''اور وہ ذات جس نے زمین سے چارہ نکالا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى﴾ ''اور وہ ذات جس نے زمین سے چارہ نکالا'' 'مرعیٰ' کا لغوی معنی چارہ ہے۔ یعنی جانوروں کی خوراک جو تازہ ہو یعنی گھاس وغیرہ تاہم اس کے وسیع معنوں میں تمام نباتات بھی شامل ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہے جو زمین پر بہار اور موسم بہار لاتا ہے۔ پھر موسم خزاں بھی لاتا ہے۔ اور اس تازہ نباتات کے فالتو اجزا خس وخاشاک بن کر پاؤں کے نیچے مسلے جاتے ہیں۔ لہٰذا تم لوگوں کو اس دنیا کی بہار پر ہی فریفتہ نہ ہوجانا چاہیے اس پر خزاں بھی آسکتی ہے۔ (تفسیر تیسیر القرآن:4/631)

(2) یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس پانی سے نباتات اور سرسبز گھاس کی مختلف اصناف اگائیں، جنھیں انسان، چوپائے اور تمام حیوانات کھاتے ہیں۔ (تفسیر السعدی:3/2937)

﴿فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى﴾

”تو اُس کو سیاہ کوڑا بنادیا“ (5)

سوال1:﴿فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى﴾ ”تو اُس کو سیاہ کوڑا بنادیا“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى﴾ ”تو اُس کو سیاہ کوڑا بنادیا“ پھر اس نباتات وغیرہ کا جتنا جو بن مقدر ہوتا ہے، اس کے مکمل کر لینے کے بعد، نباتات اور سبز گھاس کو خشک کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نباتات کو چورا چورا اور بوسیدہ بنا دیتا ہے اور اس میں وہ نعمتوں کا ذکر کرتا ہے۔ (تفسیر سعدی:2937/3)

(2) اللہ تعالیٰ نے انسان کو شعور دلایا ہے کہ کوئی چیز ایک حالت میں برقرار نہیں رہتی۔ پھر انسان کے لئے کیسے ممکن ہے کہ سدا ایک حالت میں رہے۔ (3) یعنی پیدا کر کے خشک اور سیاہ بنادیا (یہ بھی زندگی بعد الموت کا نمونہ ہے)۔

﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى﴾

”جلد ہی ہم آپ کو پڑھادیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے“ (6)

سوال1:﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى﴾ ”جلد ہی ہم آپ کو پڑھادیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى﴾ ”جلد ہی ہم آپ کو پڑھادیں گے تو آپ نہیں بھولیں گے۔“ جب وحی کے سلسلے کا آغاز ہوا تو نبی کریم ﷺ الفاظ کو یاد رکھنے کی طرف بہت توجہ دیتے تھے اور ان کی ادائیگی کے لئے بھی جب کوشش کرتے تو توجہ بٹ جاتی تو اللہ تعالیٰ نے یاد کروانے کی ذمہ داری لے لی کہ وحی میں سے ہم آپ ﷺ کو جو کچھ بھی بتائیں گے آپ اسے نہیں بھولیں گے ہاں اگر اللہ تعالیٰ خود ہی بھلانا چاہیں تو اور بات ہے۔

(2) یہ رسول اللہ ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی خوش خبری ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایسا علم عطا فرمائیں گے جو آپ ﷺ سے کبھی فراموش نہیں ہوگا۔

(3) اس لئے اللہ رب العزت نے فرمایا:﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ (١٦) اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ (١٧)﴾ ”آپ اپنی زبان کو اس کے ساتھ حرکت نہ دیں کہ اُس میں جلدی کریں۔ یقیناً اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھانا ہمارے ذمے ہے۔“ (القیامۃ:16,17)

(4) رب العزت نے فرمایا:﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾ ”پس اللہ تعالیٰ بے حد بلند ہے، بادشاہِ حقیقی ہے، اور آپ قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کریں، اس سے پہلے کہ آپ کی طرف اس کی وحی پوری کی جائے اور آپ دُعا کریں اے میرے رب! مجھے علم میں زیادہ کر۔“ (طٰہٰ:114)

﴿اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى﴾

''مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے، یقیناوہ ظاہر کو بھی جانتا ہے اور اُس کو بھی جو پوشیدہ ہے۔''(7)

سوال1:﴿اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَ مَا یَخْفٰى﴾ ''مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے، یقیناوہ ظاہر کو بھی جانتا ہے اور اُس کو بھی جو پوشیدہ ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ ''مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے'' الا ما شاء اللہ سے اللہ تعالیٰ نے شعور دلایا ہے کہ اس دنیا میں کوئی کام اس کی مشیت کے بغیر نہیں ہوتا۔ ہر چیز اس کی تقدیر کے فیصلوں سے بندھی ہوئی ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہوگا، اس کی مصلحت ہوگی تو وہ مزید بھلا دے گا۔(2)﴿اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَ مَا یَخْفٰى﴾ ''یقیناوہ ظاہر کو بھی جانتا ہے اور اُس کو بھی جو پوشیدہ ہے'' یعنی وہ کامل طور پر جانتا ہے کہ اس کے بندوں کے لئے کیا چیز نفع مند ہے اس لئے وہ جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے بندوں کے لئے مقرر کر دیتا ہے۔

(3) یعنی وہ تمہاری مخفی استعداد اور ظاہر اعمال کو جانتا ہے اسی کے موافق تم سے معاملہ کرے گا۔ نیز یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جو آیات ایک مرتبہ نازل کر دی گئیں، پھر ان کو منسوخ کرنے اور بھلا دینے کے کیا معنی۔ اس کی حکمتوں کا احاطہ کرنا اسی کی شان ہے جو تمام کھلی چھپی چیزوں کا جاننے والا ہے۔(تفسیر عثمانی:882/2)

(4) یعنی اللہ تعالیٰ انسان کے کھلے چھپے عقائد اور اعمال کو اور اس کے حالات کو جانتا ہے۔(5) وحی کے الفاظ آپ کے دل میں محفوظ رہیں گے آپ اس کو بھولیں گے نہیں ہاں اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو آپ بھول بھی سکتے ہیں۔ آپ ﷺ کے بھولنے کی دو قسمیں ہیں: ایک صورت تو یہ ہے کہ آپ ایک دفعہ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے اور قراءت کے دوران ایک آیت چھوڑ گئے۔ نماز کے بعد سیدنا ابی بن کعب نے پوچھا: کیا یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں میں بھول گیا تھا۔(ابوداؤد) اور دوسری صورت وہی ہے جس کا حدیث میں بھی ذکر ہے کہ کوئی آیت منسوخ کر دی جائے۔(تفسیر تیسیر القرآن:632/4)

(5) رب العزت نے فرمایا:﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ ''جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا جسے ہم بھلا دیتے ہیں، ہم اُس سے بہتر یا اُس جیسی اور لے آتے ہیں، کیا آپ نہیں جانتے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے؟''(البقرۃ:106)

﴿وَ نُیَسِّرُكَ لِلْیُسْرٰى﴾

''اور ہم آپ کو آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے''(8)

سوال1:﴿وَ نُیَسِّرُكَ لِلْیُسْرٰى﴾ ''اور ہم آپ کو آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَ نُیَسِّرُكَ لِلْیُسْرٰى﴾ ''اور ہم آپ کو آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے'' اے محمد ﷺ خیر کے اعمال کے لئے ہم

آپ کو آسانی دیں گے اور وہ آسان ہو جائے گا۔(جامع البیان:164/30)

(2) رب العزت نے فرمایا:﴿وَجَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۗ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۗ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۗ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللهِ ۗ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ اس کے راستے میں جہاد کرنے کا حق ہے، اس نے تمہیں چن لیا ہے اور اُس نے دین میں تم پر تنگی نہیں رکھی، تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے، اُسی نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے، اس سے پہلے بھی اور اس قرآن میں بھی، تاکہ رسول تم پر گواہ ہو جائیں اور تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔ سو نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ (کے دین) کو مضبوطی سے پکڑ لو، وہی تمہارا مالک ہے سو کیا ہی اچھا وہ مالک ہے اور اچھا مددگار ہے!'' (الحج:78)

(3) رب العزت نے مشکل کے ساتھ آسانی کا وعدہ کیا:﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٥﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٦﴾﴾ ''پس یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔'' (الم نشرح:6)

(4) رب العزت نے وعدہ فرمایا کہ نیکی کے سب کام آپ پر آسان کر دیں گے اس میں نہ کوئی کجی ہوگی اور نہ وہ نا قابل عمل ہوں گے۔

(5) اللہ تعالیٰ آپ کے دین اور شریعت کو آسان بنا دے گا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً دین آسان ہے اور جو دین میں بے جا سختی کرتا ہے تو دین اس پر غالب آجاتا ہے (یعنی ایسا انسان مغلوب ہو جاتا اور دین پر عمل ترک کر دیتا ہے)۔ پس تم سیدھے راستے پر رہو اور میانہ روی اختیار کرو اور اپنے رب کی طرف سے ملنے والے اجر پر خوش ہو جاؤ اور صبح و شام اور رات کے کچھ حصے کی (عبادت) سے مدد حاصل کرو۔'' (بخاری:39)

سوال 4: رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا کہ ہم آپ ﷺ کو آسان راستے کی سہولت دیں گے، اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) آسان راستے کی سہولت دینے سے مراد ہے کہ وحی کو آپ ﷺ کے لئے آسان کر دیں گے۔

(2) اس سے مراد ہے آسان طریقے کی طرف آپ ﷺ کی راہ نمائی کریں گے۔

(3) اس سے مراد ہے خیر والے کام آپ ﷺ کے لئے آسان کر دیں گے۔

(4) اس سے مراد ہے آپ ﷺ کو آسان شریعت دیں گے جو سیدھی، معتدل اور آسان ہوگی جس میں تنگی نہیں ہوگی۔

(5) ہم آپ ﷺ کے لئے جنت والے عمل آسان کر دیں گے۔

سوال 3: وحی کو کیسے آسان کیا گیا ہے؟

جواب: (1) وحی کو یاد کرنا آسان ہے۔ (2) اس پر عمل کرنا آسان ہے۔

﴿فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى﴾

''تو آپ نصیحت کرو اگر نصیحت فائدہ دیتی ہے'' (9)

سوال1: ﴿فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى﴾ ''تو آپ نصیحت کرو اگر نصیحت فائدہ دیتی ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَذَكِّرْ﴾ ''تو آپ نصیحت کرو'' اے محمد ﷺ! لوگوں کو اس سے نصیحت کرتے رہیے جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور ان کی خیر کے راستے کی طرف راہ نمائی کیجئے اور انہیں دین اور شریعت کی ہدایت دیجئے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا مومنوں کے لئے نصیحت اور کافروں کیلئے حجت ہے۔ (فتح القدیر: 523/5)

(2) ﴿فَذَكِّرْ﴾ پس آپ اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کی آیات کے ذریعے سے نصیحت کرتے رہیے۔ ﴿اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى﴾ یعنی جب تک کہ تذکیر قابل قبول اور نصیحت سنی جاتی ہو، خواہ اس نصیحت سے پورا مقصد حاصل ہوتا ہو یا اس کا کچھ حصہ۔ آیت کریمہ کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر نصیحت فائدہ نہ دے، یعنی جس کو نصیحت کی گئی ہے وہ شر میں اور بڑھ جائے یا اس میں بھلائی کم ہو جائے تو آپ نصیحت پر مامور نہیں بلکہ آپ نصیحت نہ کرنے پر مامور ہیں۔ (تفسیر السعدی: 2938/3)

(3) سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، لوگوں سے ایسی بات کرو جسے وہ سمجھ سکتے ہوں، کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کی جائے۔ (بخاری: 127)

(4) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جب آپ لوگوں سے ایسی حدیثیں بیان کرو جو ان کی عقل میں نہ آئیں تو بعض لوگوں میں فتنہ ہوگا (یعنی وہ گمراہ ہو جائیں گے، اس لیے ہر شخص سے اس کی عقل کے موافق بات کرنی چاہیے) (مسلم)

(5) جب آپ دیکھیں کہ لوگوں کو آپ کی نصیحت سے فائدہ پہنچ رہا ہے تو بار بار نصیحت کریں۔ اور جب وہ مخالفت پر اتر آئیں تو ان سے اجتناب کریں کیونکہ جو ڈرتا نہیں اس کے لئے واعظ و نصیحت کا کوئی فائدہ نہیں اس لئے نافرمانوں کو نصیحت نہیں کرنی چاہیے۔ ہاں دعوت و تبلیغ اور چیز ہے اور حق بات پہنچانا اور چیز۔

سوال2: رسول اللہ ﷺ کو نصیحت کرنے کے لئے کیا ہدایت دی گئی؟

جواب: رسول اللہ ﷺ کو ہدایت دی گئی کہ آپ ﷺ نصیحت وہیں کریں جہاں نصیحت کرنا فائدہ مند ہو۔

سوال3: نصیحت اور تعلیم کے لئے اس آیت سے کیا اُصول سامنے آتا ہے؟

جواب: اس سے یہ اصول سامنے آتا ہے کہ جہاں فائدہ ہو وہاں نصیحت کرنی چاہئے۔

﴿سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى﴾

''وہ شخص جلد ہی نصیحت قبول کرے گا جو ڈرتا ہے'' (10)

سوال 1: ﴿سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى﴾ ''وہ شخص جلد ہی نصیحت قبول کرے گا جو ڈرتا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى﴾ ''وہ شخص جلد ہی نصیحت قبول کرے گا جو ڈرتا ہے۔'' یعنی نصیحت تو وہ قبول کرے گا جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہے، اس پر ایمان لاتا ہے اور اس کی معرفت رکھتا ہے۔ (ایسر التفاسیر: 1751)

(2) اللہ تعالیٰ کا خوف اور اعمال کی جزا و سزا دینے پر اس کی قدرت کا علم بندے کے لیے ان امور سے باز رہنے کا موجب بنتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے اور بھلائی کے امور میں سعی کا موجب بنتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 2938/3)

(3) نصیحت کی جائے تو دو طرح کے لوگ دو طرح کے ردعمل کا اظہار کرتے ہیں پہلی قسم کے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور دوسری قسم کے لوگ فائدہ نہیں اٹھاتے۔

﴿وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى﴾

''اور بدبخت اُس سے علیحدہ رہے گا'' (11)

سوال 1: ﴿وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى﴾ ''اور بدبخت اُس سے علیحدہ رہے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى﴾ ''اور بدبخت اُس سے علیحدہ رہے گا'' یعنی بدبخت نصیحت سے کتراتے ہی رہیں گے وہ جہنم میں جانے والے ہیں جہاں نہ سکون کی زندگی ہوگی نہ موت آئے گی بلکہ وہ دائمی عذاب میں رہیں گے۔

﴿الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى﴾

''وہ جو بہت بڑی آگ میں داخل ہوگا'' (12)

سوال 1: ﴿الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى﴾ ''وہ جو بہت بڑی آگ میں داخل ہوگا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى﴾ ''وہ جو بہت بڑی آگ میں داخل ہوگا'' یہ اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں پر چڑھتی چلی جائے گی جیسا کہ فرمایا: ﴿نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ﴿٦﴾ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ﴿٧﴾ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ﴿٨﴾ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿٩﴾﴾ ''اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔ وہ جو دلوں تک جھانکتی ہے۔ یقیناً وہ اُن پر بند کر دی جائے گی۔ اونچے اونچے ستونوں میں۔ (الھمزہ: 6-9)

﴿ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى﴾

''پھر اُس میں نہ وہ مرے گا اور نہ جیے گا'' (13)

سوال1:﴿ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى﴾ ''پھر اُس میں نہ وہ مرے گا اور نہ جیے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى﴾ ''پھر اُس میں نہ وہ مرے گا اور نہ جیے گا'' یعنی نہ تو اسے موت آئے گی نہ وہ زندہ رہ پائے گا یعنی انہیں دردناک عذاب دیا جائے گا۔

(2) رب العزت نے فرمایا:﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ﴾ ''اور جن لوگوں نے کفر کیا، اُن کے لیے جہنم کی آگ ہے، نہ اُن پر فیصلہ کیا جائے گا کہ وہ مر جائیں اور نہ ہی جہنم کا عذاب اُن سے ہلکا کیا جائے گا، ہر ناشکرے کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔(فاطر:36)

(3) جہنم میں موت نہیں آئے گی اسی حقیقت کو رب العزت نے دوسرے مقامات پر واضح کیا:﴿يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ﴾ ''وہ اس کا گھونٹ گھونٹ پیے گا لیکن قریب بھی نہ ہوگا کہ حلق سے اُتارے اور موت اس پر ہر طرف سے آئے گی حالانکہ وہ مرنے والا نہیں ہوگا اور اس کے پیچھے ایک سخت عذاب ہے۔''(ابراہیم:17)

(4)﴿اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۭ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى﴾ ''بلاشبہ جو شخص اپنے رب کے سامنے مجرم بن کر آئے گا تو یقیناً اس کے لیے جہنم ہے، اس میں وہ نہ مرے گا اور نہ جیے گا۔''(طٰہٰ:74)

(5) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''جو اصل جہنمی ہیں انہیں نہ تو موت آئے گی اور نہ (کارآمد) زندگی ملے گی اور وہ لوگ جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا ارادہ کریں گے انھیں اللہ تعالیٰ آگ میں موت دے دیں گے اور جب آگ انھیں کوئلہ بنا دے گی، تو پھر سفارش کرنے والے جائیں گے تو (ہر سفارش کرنے والا) آدمی (اپنے) اپنے واقف کار کو لے آئے گا، تو وہ نہر حیات میں ڈال دیے جائیں گے، یا جنتی نہروں کا پانی ان پر ڈالا جائے گا اور وہ اس طرح اگیں گے جس طرح دانہ اس مٹی میں اگتا ہے جسے پانی بہا کر لاتا ہے۔'' (پھر) اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:''کیا تم درخت کو نہیں دیکھتے کہ پہلے سبز ہوتا ہے، پھر زرد، یا (فرمایا) پہلے زرد ہوتا ہے اور پھر سبز۔'' یہ سن کر بعض لوگوں نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ گویا جنگل میں رہے ہیں۔(مسلم:459)

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾

''یقیناً کامیاب ہو گیا وہ جو پاک ہو گیا''(14)

سوال1:﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾ ''یقیناً کامیاب ہو گیا وہ جو پاک ہو گیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾ ''یقیناً کامیاب ہو گیا وہ جو پاک ہو گیا'' جس نے ایمان سے اپنے آپ کو پاک کیا اور اپنے اعمال کو الرحمن کے لئے خالص کیا وہ کامیاب ہو گیا۔(صفوۃ التفاسیر:3/523)

(2) رب العزت نے فرمایا:﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ﴿۷﴾ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ﴿۸﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ﴿۹﴾ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ﴿۱۰﴾﴾ ''اور نفس کی اور اُس ذات کی جس نے اُسے درست کیا! پھر اُس کی بدی اور اس کا تقویٰ اُس کے دل میں ڈال دیا۔ یقیناً کامیاب ہوگیا وہ جس نے اُسے پاک کیا۔ اور یقیناً نامراد ہوا وہ جس نے اُسے مٹی میں دبا دیا'' (الشمس:7,10)

(3) یعنی ظاہری و باطنی، حسی و معنوی نجاستوں سے پاک ہوا اور اپنے قلب و قالب کو عقائد صحیحہ، اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ سے آراستہ کیا۔ (تفسیر عثمانی:883/2)

(4) جس نے اپنے آپ کو شرک، معاصی، ظلم اور برے اخلاق سے پاک کیا اس نے نفع اٹھایا اور کامیاب ہوگیا۔

سوال 2: پاک ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس سے مراد اپنے نفس کو برائیوں سے پاک کرنا ہے۔

(2) اس سے مراد اپنے نفس کو شرک اور نافرمانیوں سے پاک کرنا ہے۔ (3) اس سے مراد اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کرنا ہے۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ کے نزدیک کامیابی کا معیار کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے نزدیک نفس کو برائیوں سے پاک کرنا کامیابی ہے۔

﴿وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى﴾

''اور اس نے اپنے رب کا نام یاد کیا، پھر اس نے نماز پڑھی'' (15)

سوال 1: ﴿وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى﴾ ''اور اس نے اپنے رب کا نام یاد کیا، پھر اس نے نماز پڑھی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى﴾ ''اور اس نے اپنے رب کا نام یاد کیا، پھر اس نے نماز پڑھی'' یعنی جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور اس کا دل ذکر میں ماموررہتا ہے تو اس کی وجہ سے وہ ایسے اعمال کرتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے ان میں سب سے بڑا عمل نماز ہے۔

(2) نماز ایمان کی میزان ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا نماز کی کنجی طہارت ہے اس کی تحریم ''اللہ اکبر'' کہنا ہے اور اس کی تحلیل (کھولنا) سلام پھیرنا ہے۔'' (ابوداود)

(3) ﴿وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ﴾ سے مراد تکبیرات عیدین اور ﴿فَصَلّٰى﴾ سے مراد نماز عیدین ہی ہے۔ اس آیت کو عام مفہوم میں لینا زیادہ مناسب ہے یعنی جو شخص اپنے نفس کو زیادہ پاکیزہ بنالے پھر اللہ تعالیٰ کو زبان سے بھی یاد کرتا رہے اور دل میں بھی یاد رکھے پھر اسی کی تائید کے طور پر باقاعدگی سے نمازیں ادا کرتا رہے تو سمجھ لو کہ اس کی زندگی سنور گئی اور کامیاب ہوگیا۔ یہاں کامیابی سے مراد اخروی کامیابی تو یقینی ہے اور اس دنیا میں اس کی کامیاب زندگی کا انحصار اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے کیونکہ دار الجزا آخرت ہے یہ دنیا نہیں۔ (تیسیر القرآن:633/4)

سوال2: رب کا نام یاد کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس سے مراد ہے رب کا ذکر کرنا۔ (2) اس سے مراد ہے رب کو ہر موقع پر یاد رکھنا۔

سوال3: کامیاب ہونے والے کیا کام کرتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دو کاموں کا ذکر کیا ہے: (1) رب کا نام یاد رکھنا۔ (2) نماز پڑھنا۔

﴿بَلۡ تُؤۡثِرُوۡنَ الۡحَیٰوةَ الدُّنۡیَا﴾

''بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو'' (16)

سوال1: ﴿بَلۡ تُؤۡثِرُوۡنَ الۡحَیٰوةَ الدُّنۡیَا﴾ ''بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿بَلۡ تُؤۡثِرُوۡنَ الۡحَیٰوةَ الدُّنۡیَا﴾ ''بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو'' یعنی دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دیتے ہو اس کو مقدم رکھتے ہو۔

(2) آخرت کے مقابلے میں فانی اور زائل ہونے والی نعمتوں کو ترجیح دیتے ہو۔ (3) تمہاری اصل بیماری دنیا کی محبت ہے۔

(4) دنیا کی محبت اور اس کو آخرت پر ترجیح دینا ہر گناہ کی جڑ ہے۔

(5) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿کَلَّا بَلۡ تُحِبُّوۡنَ الۡعَاجِلَةَ (۲۰) وَتَذَرُوۡنَ الۡاٰخِرَةَ (۲۱)﴾ ''ہرگز نہیں! بلکہ تم جلد حاصل ہونے والی (دنیا) سے محبت رکھتے ہو۔ اور تم آخرت کو چھوڑ دیتے ہو'' (القیامۃ: 20,21)

(6) نبی ﷺ نے فرمایا: دنیا اس کا گھر ہے جس کا آخرت میں گھر نہ ہو دنیا اس کا مال ہے جس کا آخرت میں کوئی مال نہ ہو اور دنیا کو بے وقوف ہی جمع کرتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: 2210/2)

سوال2: دنیا کی زندگی کو ترجیح دینے سے کیا مراد ہے؟

جواب: دنیا کی زندگی کو ترجیح دینے سے مراد ہے دنیا کی زندگی کو ہی اصل زندگی سمجھتے ہوئے اپنی زندگی، صلاحیتیں، کوششیں، مال سب کچھ دنیا کے فائدوں کے لئے نچھاور کر دینا۔

﴿وَالۡاٰخِرَةُ خَیۡرٌ وَّاَبۡقٰی﴾

''حالانکہ آخرت بہت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے'' (17)

سوال1: ﴿وَالۡاٰخِرَةُ خَیۡرٌ وَّاَبۡقٰی﴾ ''حالانکہ آخرت بہت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالۡاٰخِرَةُ خَیۡرٌ وَّاَبۡقٰی﴾ ''حالانکہ آخرت بہت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے'' یعنی آخرت قابل قدر اور باقی رہنے والی ہے۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ﴾ ''جو لوگ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روک دیتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں، وہی دور کی گمراہی میں ہیں۔'' (ابراھیم:3)

(3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو دنیا کا طلب گار رہا، اس نے آخرت کو نقصان پہنچایا اور جو آخرت کا طلب گار رہا، اس نے دنیا کو نقصان پہنچایا، چنانچہ تم باقی رہنے والی (آخرت) کی خاطر ختم ہو جانے والی (دنیا) کو نقصان پہنچاؤ۔'' (صحیحہ:3287)

(4) سیدنا مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! آخرت (کے مقابلے) میں دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص اس انگلی (یعنی شہادت والی انگلی) کو سمندر میں ڈبوئے پھر دیکھے کہ وہ کس چیز کے ساتھ لوٹتی ہے۔ (مسلم:7197)

سوال 2: آخرت کس اعتبار سے بہتر ہے؟

جواب: آخرت باقی رہنے والی ہے جب کہ دنیا فانی ہے۔ فانی کو باقی پر ترجیح دینا ظلم ہے۔

﴿اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى﴾

''بے شک یہ بات یقیناً پہلے صحیفوں میں ہے'' (18)

سوال 1: ﴿اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى﴾ ''بے شک یہ بات یقیناً پہلے صحیفوں میں ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّ هٰذَا﴾ ''بے شک یہ بات'' یعنی اس سورت میں جو خبریں دی گئی ہیں ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (14) وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (15) بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا (16) وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (17)﴾ ''یقیناً کامیاب ہو گیا وہ جو پاک ہو گیا۔ اور اس نے اپنے رب کا نام یاد کیا، پھر اس نے نماز پڑھی۔ بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت بہت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔''

(2) ﴿لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى﴾ ''یقیناً پہلے صحیفوں میں ہے'' یعنی پہلی کتابوں میں بھی یہ حکمت کی باتیں موجود ہیں۔

سوال 2: کون سی باتیں پہلی کتابوں میں بھی ہیں؟

جواب: (1) پاک ہونے والا کامیاب ہو گیا۔ (2) رب کو یاد کرنے والا کامیاب ہو گیا۔ (3) نماز پڑھنے والا کامیاب ہو گیا۔ (4) دنیا سے آخرت بہتر ہے وغیرہ وغیرہ۔

﴿صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى﴾

''ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں'' (19)

سوال 1: ﴿صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى﴾ ''ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿صُحُفِ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى﴾ ''ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں''، یعنی جو صحیفے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر تورات سے پہلے عطا ہوئے اس میں بھی یہ مضمون موجود ہے۔ یہ شریعت کے احکامات ہیں جو ہر دور میں دیے گئے اس لئے کہ ہر دور کے لوگوں کو اس کی ضرورت رہی۔

سوال2: ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد وحی کے ذریعے سے آنے والی کتابیں ہیں جیسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر صحیفے اتارے گئے لیکن سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر تورات اتاری گئی۔

آیاتھا ۲۶ ۸۸ سُوۡرَةُ الۡغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ ۶۸ رکوعھا ۱

سوال1: سورۃ الغاشیہ کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: سورۃ الغاشیہ مکی سورت ہے۔ اس کا ایک رکوع اور 26 آیات ہیں۔

سوال2: مصحف میں ترتیب اور ترتیب نزولی کے اعتبار سے اس سورت کا کون سا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا 88 نمبر پر ہے۔ اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا 68 نمبر ہے۔

سوال3: اس سورت کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: (1) سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عیدین اور جمعہ کی نمازوں میں ﴿سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَى﴾ اور ﴿هَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ الۡغَاشِيَةِ﴾ پڑھتے تھے اور جب عید اور جمعہ ایک ہی دن اکٹھی ہو جاتیں تو پھر بھی ان دونوں نمازوں میں بھی یہی سورتیں پڑھتے تھے۔ (مسلم:2028)

(2) ضحاک بن قیس بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نمازِ جمعہ میں سورۂ جمعہ کے ساتھ اور کون سی سورت تلاوت کیا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: ﴿هَلۡ اَتٰىكَ﴾ (مسلم:2030)

رکوع نمبر 13

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

﴿هَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ الۡغَاشِيَةِ﴾

''کیا تمہارے پاس ڈھانپ لینے والی (قیامت) کی خبر آئی ہے؟''(1)

سوال1:﴿هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ﴾''کیا تمہارے پاس ڈھانپ لینے والی (قیامت) کی خبر آئی ہے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿الْغَاشِيَةِ﴾غشی بمعنی ایک چیز پر دوسری چیز کا چھا کر اسے ڈھانپ لینا اور غشی ایسی حالت کو کہتے ہیں جبکہ انسان کے ہوش وحواس زائل ہو جائیں اور غاشیہ بمعنی وہ چیز جس کی ہیبت ہر شخص پر چھا جائے گی۔ ہوش وحواس گم کر دینے والی اور اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔

(2)﴿هَلْ اَتٰكَ﴾''کیا تمہارے پاس آئی ہے''اے محمد ﷺ کیا آپ کے پاس آئی ہے؟

(3)﴿حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ﴾''ڈھانپ لینے والی (قیامت) کی خبر''یعنی اس کا قصہ اور اس کی خبر۔(جامع البیان:170/30)

(4)یعنی قیامت جب آئے گی تو سب کو گھیر لے گی۔ نبی ﷺ کہیں جا رہے تھے آپ ﷺ نے سنا کوئی عورت قرآن پڑھ رہی ہے، کھڑے ہو کر قرآن سننے لگے، جب وہ﴿هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ﴾پڑھ چکی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں میرے پاس خبر پہنچ گئی ہے۔(ابن ابی حاتم)

سوال2: قیامت کو﴿الْغَاشِيَةِ﴾کیوں کہا گیا ہے؟

جواب: قیامت کو﴿الْغَاشِيَةِ﴾اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ اس کی ہولناکیاں تمام مخلوقات کو ڈھانپ لیں گی۔

﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ﴾

''کئی چہرے اُس دن ذلیل ہوں گے''(2)

سوال1:﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ﴾''کئی چہرے اُس دن ذلیل ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ﴾''کئی چہرے اُس دن''یعنی قیامت کا دن جب قائم ہوگا اس دن کافروں کے چہرے۔

(2)﴿خَاشِعَةٌ﴾''ذلیل ہوں گے''یعنی چہرے ذلت اور رسوائی کی وجہ سے جھکے ہوں گے۔ رب العزت نے فرمایا:﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ﴾''اور کاش آپ دیکھیں جب مجرم اپنے رب کے پاس سر جھکائے ہوں گے، اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور ہم نے سن لیا چنانچہ ہمیں واپس بھیج دے ہم نیک عمل کریں گے بلاشبہ ہم یقین کرنے والے ہیں۔''(السجدہ:12)

﴿عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ﴾

''محنت کرنے والے، تھک جانے والے'' (3)

سوال1: ﴿عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ﴾ ''محنت کرنے والے، تھک جانے والے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿عَامِلَة﴾ ''محنت کرنے والے'' یعنی آگ میں سخت مشقت اٹھانے والے ہوں گے۔

(2) ﴿نَّاصِبَةٌ﴾ ''تھک جانے والے'' یعنی عذاب میں سخت تھکے ہوئے ہوں گے، ان کو چہروں کے بل گھسیٹا جائے گا اور آگ ان کے چہروں کو ڈھانپ لے گی۔ (تفسیر السعدی: 2940/3)

(3) حسن نے کہا دنیا میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی محنت نہ کی اور آگ میں وہ سخت مشقت اٹھائیں گے۔ (جامع البیان: 171/30)

(4) دنیا میں نیک عمل سمجھ کر گناہوں کے کاموں میں تکلیفیں اٹھاتے ہیں اور آخرت میں عذاب اور مار دھاڑ کی تکلیفیں اٹھائیں گے۔ یہ کہ ان کے گلوں میں طوق اور پاؤں میں بیڑیاں پہنا کر کبھی انہیں بلندی پر چڑھنے کا حکم دیا جائے گا، کبھی اترنے کا اس محنت مشقت کی وجہ سے وہ تھک کر چور ہو جائیں گے۔

(5) ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک خانقاہ کے پاس سے گزرے۔ راہب کو آواز دی وہ آیا آپ اسے دیکھ کر رونے لگے، پوچھا کیا بات ہے فرمایا: اسے دیکھ کر ﴿عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ﴾ یاد آگئی۔ یہ لوگ سخت ریاضت کے باوجود بھی جہنمی ہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد عیسائی ہیں۔ دنیا میں نیک عمل سمجھ کر گناہوں میں تکلیفیں اٹھاتے ہیں اور آخرت میں عذاب اور مار دھاڑ کی تکلیفیں اٹھائیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر: 2211/2)

سوال2: ﴿عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ﴾ سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ ایسا پُرمشقت عذاب دیا جائے گا جس سے وہ تھک کر چور ہوں گے۔

﴿تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً﴾

''وہ دہکتی آگ میں داخل ہوں گے'' (4)

سوال1: ﴿تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً﴾ ''وہ دہکتی آگ میں داخل ہوں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً﴾ ''وہ دہکتی آگ میں داخل ہوں گے'' ان کے چہروں کو دھکتی ہوئی آگ میں جھونکا جائے گا۔ جس کی حرارت بڑی شدید ہوگی، جو انہیں ہر طرف سے گھیر لے گی۔

﴿تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ﴾

''کھولتے ہوئے چشمے سے اُنہیں پانی پلایا جائے گا'' (5)

سوال1:﴿تُسۡقٰی مِنۡ عَیۡنٍ اٰنِیَۃٍ﴾ ''کھولتے ہوئے چشمے سے انہیں پانی پلایا جائے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿تُسۡقٰی مِنۡ عَیۡنٍ اٰنِیَۃٍ﴾ ''کھولتے ہوئے چشمے سے انہیں پانی پلایا جائے گا'' یعنی انہیں ایسے چشمے سے پانی پلایا جائے گا جو شدت حرات کی وجہ سے کھول رہا ہوگا۔

(2) رب العزت نے فرمایا:﴿وَقُلِ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکُمۡ ۟ فَمَنۡ شَآءَ فَلۡیُؤۡمِنۡ وَّمَنۡ شَآءَ فَلۡیَکۡفُرۡ ۙ اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا لِلظّٰلِمِیۡنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِہِمۡ سُرَادِقُہَا ؕ وَاِنۡ یَّسۡتَغِیۡثُوۡا یُغَاثُوۡا بِمَآءٍ کَالۡمُہۡلِ یَشۡوِی الۡوُجُوۡہَ ؕ بِئۡسَ الشَّرَابُ ؕ وَسَآءَتۡ مُرۡتَفَقًا﴾ ''اورآپ کہہ دیں تمہارے رب کی جناب سے یہی حق ہے پھر جو چاہے سو وہ ایمان لے آئے اور جو چاہے سو وہ کفر کرے۔ یقیناً ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی لپٹیں انہیں گھیرے میں لے چکی ہیں اور اگر وہ پانی مانگیں گے تو انہیں پگھلے ہوئے تانبے جیسا پانی دیا جائے گا جو چہروں کو بھون ڈالے گا، بڑا ہی برا مشروب ہے اور بہت ہی بری آرام گاہ ہے۔'' (الکہف:29)

(3) جہنمیوں کے مشروب کے بارے میں مزید فرمایا:﴿لَا یَذُوۡقُوۡنَ فِیۡہَا بَرۡدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾ اِلَّا حَمِیۡمًا وَّغَسَّاقًا ﴿۲۵﴾﴾ ''اس میں نہ وہ کسی ٹھنڈک کو چکھیں گے اور نہ پینے کی چیز کو۔ مگر کھولتا ہوا پانی اور بہتی پیپ۔'' (النبا:24,25)

(4) رب العزت نے فرمایا:﴿فَشٰرِبُوۡنَ شُرۡبَ الۡہِیۡمِ ﴿ؕ۵۵﴾ ہٰذَا نُزُلُہُمۡ یَوۡمَ الدِّیۡنِ ﴿ؕ۵۶﴾﴾ ''پھر پیاس کی بیماری والے اونٹ کی طرح پینے والے ہو۔ یہی ہے اُن کی مہمانی بدلے کے دن۔'' (الواقعہ:55,56)

سوال2: دوزخیوں کے لئے کیسا مشروب ہوگا؟

جواب: دوزخیوں کو کھولتے ہوئے چشمے سے پانی پلایا جائے گا۔ یہ پانی اپنی حرارت کی انتہا پر پہنچا ہوا ہوگا۔

﴿لَیۡسَ لَہُمۡ طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ ضَرِیۡعٍ﴾

''سوکھی خاردار جھاڑی کے سوا اُن کے لیے کوئی کھانا نہ ہوگا'' (6)

سوال1:﴿لَیۡسَ لَہُمۡ طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ ضَرِیۡعٍ﴾ ''سوکھی خاردار جھاڑی کے سوا اُن کے لیے کوئی کھانا نہ ہوگا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿لَیۡسَ لَہُمۡ طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ ضَرِیۡعٍ﴾ ''سوکھی خاردار جھاڑی کے سوا اُن کے لیے کوئی کھانا نہ ہوگا'' ضریع ایک خاردار گھاس جس کا ذائقہ انتہائی تلخ اور بونا گوار ہوتی ہے اور جب سوکھ جاتی ہے تو زہر بن جاتی ہے۔ عربی میں اسے شبرق بھی کہتے ہیں۔ اہل دوزخ کی یہی غذا ہوگی۔ (تیسیر القرآن:634/4)

(2) سورہ الحاقہ میں کافروں کے کھانوں کے بارے میں فرمایا:﴿وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ غِسۡلِیۡنٍ﴾ ''اور نہ پیپ کے سوا اُس کے لیے کوئی

کھانا ہے۔'' (الحاقۃ:36)

(3) سورہ واقعہ میں فرمایا: ﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ (۵۱) لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ (۵۲)﴾ ''پھر بلاشبہ تم ہی اے گمراہو! جھٹلانے والو! یقیناً تھوہر کا درخت کھانے والے ہو۔'' (الواقعہ:51,52)

(4) سورہ دخان میں فرمایا: ﴿اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ (۴۳) طَعَامُ الْاَثِيْمِ (۴۴)﴾ ''یقیناً زقوم کا درخت۔ گناہ گار کا کھانا ہے۔'' (الدخان:43,44)

(5) واضح رہے کہ قرآن میں بعض مقامات پر اہل دوزخ کی خوراک تھوہر کا درخت ذکر ہوئی ہے۔ اور بعض مقامات پر غسلین یعنی زخموں کا دھوون اور اس مقام پر ضریع بتائی گئی ہے۔ اس کی وجہ تو یہ ہوسکتی ہے کہ مختلف قسم کے مجرموں کی خوراک مختلف ہو۔ دوسری وجہ اختلاف زمانہ ہے۔ یعنی کسی دور میں ایک قسم کی خوراک دی جائے گی اور دوسرے دور میں دوسری قسم کی اور اس کی تیسری وجہ تنوع بھی ہوسکتی ہے۔ یعنی کبھی ایک خوراک دی جائے اور کبھی دوسری اور کبھی تیسری۔ (تفسیر تیسیر القرآن:634,635/4)

﴿لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ﴾

''جو نہ موٹا کرے گا اور نہ بھوک میں کافی ہوگا'' (7)

سوال 1: ﴿لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ﴾ ''جو نہ موٹا کرے گا اور نہ بھوک میں کافی ہوگا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ﴾ ''جو نہ موٹا کرے گا اور نہ بھوک میں کافی ہوگا'' کوئی چیز کھانے کے تین سبب ہوتے ہیں۔ ایک لذت حاصل کرنے کے لئے کھایا جائے، دوسرے بھوک دور کرنے کے لئے کھایا جائے، تیسرے غذائیت اور جسم کی تقویت کے لئے کھایا جائے۔ ضریع سے لذت کی بجائے اس سے نفرت ہوگی کیونکہ خاردار، بدبودار، تلخ اور زہریلا ہوگا۔ باقی دو اغراض کی قرآن نے صراحت سے نفی کر دی ہے۔ گویا کہ اس کے کھانے سے تکلیف ہی بڑھے گی اور کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ (تیسیر القرآن:635/4)

(2) رب العزت نے واضح فرمایا ہے کہ کھانا نہ جسم کو موٹا کرے گا اور نہ بھوک مٹائے گا۔

﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ﴾

''کئی چہرے اُس دن تروتازہ ہوں گے'' (8)

سوال 1: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ﴾ ''کئی چہرے اُس دن تروتازہ ہوں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ﴾ ''کئی چہرے اُس دن تروتازہ ہوں گے۔'' مخلص مومنوں کا تذکرہ ہے جو اہل جنت ہیں۔

(2) نیک لوگوں کے چہرے ﴿نَّاعِمَةٌ﴾ یعنی تروتازہ ہوں گے۔ ان پر نعمتوں کی تازگی نظر آئے گی۔ جنت کی نعمتوں کی وجہ سے ان کے بدن بھی تروتازہ ہوں گے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ (۲۲) اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (۲۳)﴾ ''بعض چہرے اُس دن تروتازہ

ہوں گے۔اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے۔" (القیامہ:22,23)

(3) جن لوگوں نے دنیا میں دین پر چلنے کی وجہ سے سختیاں برداشت کیں ان کے چہرے قیامت کے دن ہشاش بشاش، پر رونق، پر امید، پرنور ہوں گے۔

﴿لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ﴾

"اپنی کوشش پر خوش ہوں گے" (9)

سوال1: ﴿لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ﴾ "اپنی کوشش پر خوش ہوں گے" اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لِّسَعْيِهَا﴾ "اپنی کوشش پر" دنیا میں رہتے ہوئے جو نیک اعمال کیے اپنی عبادات، اپنے اخلاق اور مخلوق کے ساتھ حسن معاملہ وغیرہ۔(2) ﴿رَاضِيَةٌ﴾ "خوش ہوں گے" ان سے خوش ہوں گے۔ان کی خوشی کا سبب یہ ہوگا کہ ان کے اعمال کا بدلہ کئی گنا ملے گا اور انہیں ہر وہ چیز حاصل ہوگی جس کی وہ دنیا میں رہتے ہوئے تمنا کیا کرتے تھے۔

﴿فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ﴾

"عالی مقام جنت میں ہوں گے" (10)

سوال1: ﴿فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ﴾ "عالی مقام جنت میں ہوں گے" اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ﴾ "عالی مقام جنت میں ہوں گے" وہ جنت کے بہت بلند بالا خانوں میں ہوں گے جہاں سے وہ ان نعمتوں کا نظارہ کرسکیں گے جو رب العزت نے ان کے اعزاز میں تیار کی ہیں، مثال کے طور پر ﴿فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ (28) وَطَلْحٍ مَّنضُودٍ (29) وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ (30) وَمَاءٍ مَّسْكُوبٍ (31) وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ (32)﴾ "وہ بیریوں میں ہوں گے جن کے کانٹے دور کیے گئے ہیں۔اور تہ بہ تہ لگے ہوئے کیلوں میں ہوں گے۔اور پھیلی ہوئی چھاؤں میں۔اور ایسے پانی میں جو گرایا جارہا ہے۔اور کثیر پھلوں میں۔" (الواقعہ:28,32)

(2) ﴿قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ﴾ "جس کے پھل قریب ہوں گے۔" (الحاقہ:23)

﴿لَّا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً﴾

"اُس میں وہ کوئی لغوبات نہ سنیں گے" (11)

سوال1: ﴿لَّا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً﴾ "اُس میں وہ کوئی لغوبات نہ سنیں گے" اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَّا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً﴾ "اُس میں وہ کوئی لغوبات نہ سنیں گے"، یعنی وہ کوئی باطل کلام بھی نہیں سنیں گے جو ان کی سعادت

میں کمی کا باعث بن جائے اور نہ کوئی لغو کلام جو ان کی راحت کو ختم کر دے۔ جو بھی سنیں گے نفع بخش اور اچھا کلام ہوگا۔ جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر، اس کی نعمتوں کا تذکرہ وغیرہ ہوگا جو دلوں کو اطمینان سے بھر دے گا۔

(2) جنت میں جھوٹ، چغلی، بے ہودہ مذاق، گالی گلوچ نہیں ہوں گے۔ (3) اہل جنت کے دل ایک دوسرے کے بارے میں صاف ہوں گے۔

(4) اہل جنت کا ایک دوسرے سے جھگڑا نہیں ہوگا۔

(5) اہل جنت محبت سے رہیں گے اور ایک دوسرے کو سلامتی کی دعائیں دیں گے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأْسًا لَّا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ﴾ ''وہ ایک دوسرے سے جام شراب چھینیں جھپٹیں گے جس میں نہ بے ہودہ گوئی ہوگی اور نہ گناہ میں ڈالنا۔'' (الطور:23)

(6) رب العزت نے فرمایا: ﴿لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا ۖ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا﴾ ''اُس میں وہ سلام کے سوا کوئی لغویات نہ سنیں گے اور اُن کے لئے اس میں صبح وشام اُن کا رزق ہوگا۔'' (مریم:62)

(7) ﴿لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا (٢٥) إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا (٢٦)﴾ ''نہ اُس میں وہ بے ہودہ گفتگو سنیں گے اور نہ کوئی گناہ میں ڈالنے والی بات۔ مگر یہ کہنا کہ سلام ہے، سلام ہے۔'' (الواقعہ:25,26)

﴿فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ﴾

''اُس میں بہنے والا چشمہ ہوگا'' (12)

سوال 1: ﴿فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ﴾ ''اُس میں بہنے والا چشمہ ہوگا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ﴾ ''اُس میں بہنے والا چشمہ ہوگا۔'' یعنی جنت کے جاری چشمے ہوں گے۔ اہل جنت ان چشموں کا رخ جیسے چاہیں گے جہاں چاہیں گے موڑ لیں گے۔

﴿فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ﴾

''اس میں اونچے اونچے تخت ہوں گے'' (13)

سوال 1: ﴿فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ﴾ ''اس میں اونچے اونچے تخت ہوں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ﴾ ''اس میں اونچے اونچے تخت ہوں گے۔'' سُرُر: سَرِيرٌ کی جمع ہے اور بیٹھنے کی ان جگہوں کو کہتے ہیں جو بذات خود بلند ہوں اور ان کو ملائم اور نرم بچھونوں کے ذریعے سے بلند کیا گیا ہو۔ (تفسیر سعدی:2941,2942/3)

(2) جنت میں اونچے اونچے سبک اور نازک تخت ہونگے جن پر بہترین قسم کے فرش ہوں گے اور ان پر حوریں جلوہ افروز ہوں گی، جب وہ ان پر بیٹھنا چاہیں گے تو وہ تخت جھک جائیں گے۔ (مختصر ابن کثیر:2232/2)

﴿وَّاَكۡوَابٌ مَّوۡضُوۡعَةٌ﴾

''اور رکھے ہوئے ساغر ہوں گے'' (14)

سوال1:﴿وَّاَكۡوَابٌ مَّوۡضُوۡعَةٌ﴾''اور رکھے ہوئے ساغر ہوں گے۔''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَّاَكۡوَابٌ مَّوۡضُوۡعَةٌ﴾''اور رکھے ہوئے ساغر ہوں گے''یعنی شراب کے جام ادھر ادھر قرینے سے رکھے ہوں گے،تا کہ جو جنتی شراب پینا چاہیں پی لیں۔

(2)یعنی مختلف انواع کے لذیذ مشروبات سے لبریز آبخورے ان کے سامنے رکھے ہوئے ہوں گے جو ان کے لیے تیار کیے گئے ہوں گے اور ان کی طلب اور اختیار کے تحت ہوں گے اور ہمیشہ رہنے والے کم عمر لڑکے (خدمت کے لیے) ان کے پاس گھوم پھر رہے ہوں گے۔(تفسیر السعدی:2942/3)

﴿وَّنَمَارِقُ مَصۡفُوۡفَةٌ﴾

''اور گاؤ تکیے قطاروں میں لگے ہوئے ہوں گے'' (15)

سوال1:﴿وَّنَمَارِقُ مَصۡفُوۡفَةٌ﴾''اور گاؤ تکیے قطاروں میں لگے ہوئے ہوں گے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿وَّنَمَارِقُ مَصۡفُوۡفَةٌ﴾''اور گاؤ تکیے قطاروں میں لگے ہوئے ہوں گے''جنت میں قرینے سے حریر اور دبیز ریشم کے تکیے لگے ہوں گے۔ان کو آرام کرنے کے لئے لگایا ہوگا۔

﴿وَّزَرَابِیُّ مَبۡثُوۡثَةٌ﴾

''اور مخملی قالین بچھائے ہوئے ہوں گے'' (16)

سوال1:﴿وَّزَرَابِیُّ مَبۡثُوۡثَةٌ﴾''اور مخملی قالین بچھائے ہوئے ہوں گے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿وَّزَرَابِیُّ مَبۡثُوۡثَةٌ﴾''اور مخملی قالین بچھائے ہوئے ہوں گے''﴿الزَّرَابِیُّ﴾سے مراد خوبصورت بچھونے ہیں،یعنی ان کی مجالس ہر جانب سے ان بچھونوں سے بھری ہوئی ہوں گی۔(تفسیر السعدی:2942/3)

﴿اَفَلَا يَنۡظُرُوۡنَ اِلَى الۡاِبِلِ كَيۡفَ خُلِقَتۡ﴾

''تو کیا وہ اُونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے وہ پیدا کیے گئے ہیں؟'' (17)

سوال1:﴿اَفَلَا يَنۡظُرُوۡنَ اِلَى الۡاِبِلِ كَيۡفَ خُلِقَتۡ﴾''تو کیا وہ اُونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے وہ پیدا کیے گئے ہیں؟''

اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَتۡ﴾''تو کیا وہ اُونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے وہ پیدا کیے گئے ہیں؟''

اللہ رب العزت نے لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی باتوں کی تصدیق نہیں کرتے انہیں اور سب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی تخلیق پر غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے تا کہ وہ رب العزت کی عظمت کے قائل ہو جائیں۔

(2) رب العزت نے عرب کے خانہ بدوشوں کو سب سے پہلے اونٹ کی طرف توجہ دلائی ہے جو ان کے لئے قیمتی متاع اور سفر میں ان کا رفیق تھا۔ جو دس دن پانی پیئے بغیر بے تکلیف سفر جاری رکھ سکتا ہے، جو خشک گھاس جھاڑیاں اور پتے کھا کر بھی پیٹ بھر لیتا ہے۔ جس کے پاؤں ریت میں نہیں دھنستے جو سب سے زیادہ بوجھ اٹھاتا ہے۔

(3) رب العزت نے فرمایا:﴿اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَتۡ﴾''تو کیا وہ اُونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے وہ پیدا کیے گئے ہیں؟'' یعنی کیا وہ اس کی انوکھی تخلیق پر غور نہیں کرتے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو بندوں کے لیے مسخر اور ان بے شمار منافع اور مصالح کے لیے ان کا مطیع کر دیا جس کے وہ ضرورت مند ہوتے ہیں۔ (تفسیر السعدی:2942/3) (4) یعنی انہوں نے سوچا کہ اونٹ کیسے بن گئے۔

(5) رب العزت نے فرمایا:﴿اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا خَلَقۡنَا لَہُمۡ مِّمَّا عَمِلَتۡ اَیۡدِیۡنَاۤ اَنۡعَامًا فَہُمۡ لَہَا مٰلِکُوۡنَ﴾''اور کیا اُنہوں نے نہیں دیکھا کہ یقیناً ہم نے ان کے لیے مویشی پیدا کیے اس میں سے جسے ہمارے ہاتھوں نے بنایا، پھر وہ اُن کے مالک ہیں۔'' (یٰسین:71)

سوال 2: اونٹ کی تخلیق پر غور کرنے سے انسان کو کیا پتہ چلتا ہے؟

جواب: اونٹ کی تخلیق پر غور کرنے سے انسان کو پتہ چلتا ہے کہ:(1) قوت والا جانور ہے۔(2) بڑا وجود رکھتا ہے۔

(3) اس پر جتنا بوجھ لاد دیں، وہ انکار نہیں کرتا۔(4) نرم اور تابع ہے۔(5) ماتحت ہو کر رہتا ہے۔

(6) اس کا گوشت، دودھ اور اُون کام آتے ہیں۔ اونٹ خود انسان کے تابع نہیں ہوا۔ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے انسان کے تابع کیا ہے۔

﴿وَاِلَی السَّمَآءِ کَیۡفَ رُفِعَتۡ﴾

''اور آسمان کی طرف کہ کیسے وہ بلند کیا گیا؟'' (18)

سوال 1:﴿وَاِلَی السَّمَآءِ کَیۡفَ رُفِعَتۡ﴾''اور آسمان کی طرف کہ کیسے وہ بلند کیا گیا؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاِلَی السَّمَآءِ کَیۡفَ رُفِعَتۡ﴾''اور آسمان کی طرف کہ کیسے وہ بلند کیا گیا؟'' یعنی کیا انہوں نے سوچا کہ اتنا بڑا آسمان بنانے والا کون ہے جس کی وسعت ایسی ہے کہ اس میں لاکھوں کروڑوں سیارے گردش کر رہے ہیں۔

(2) رب العزت نے فرمایا:﴿اَفَلَمۡ یَنۡظُرُوۡۤا اِلَی السَّمَآءِ فَوۡقَهُمۡ کَیۡفَ بَنَیۡنٰهَا وَ زَیَّنّٰهَا وَ مَا لَهَا مِنۡ فُرُوۡجٍ﴾ ''تو کیا اُنہوں نے اپنے اوپر آسمان نہیں دیکھا؟ کس طرح ہم نے اُسے بنایا؟ اور ہم نے اُسے زینت دی؟ اور اُس کے لیے کوئی شگاف نہیں ہے۔'' (ق:6)

(3) یعنی بغیر ستونوں کے آسمان بلند ہو گیا کبھی غور کیا؟

﴿وَ اِلَی الۡجِبَالِ کَیۡفَ نُصِبَتۡ﴾

''اور پہاڑوں کی طرف کہ کیسے وہ گاڑے گئے؟'' (19)

سوال1:﴿وَ اِلَی الۡجِبَالِ کَیۡفَ نُصِبَتۡ﴾ ''اور پہاڑوں کی طرف کہ کیسے وہ گاڑے گئے؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَ اِلَی الۡجِبَالِ کَیۡفَ نُصِبَتۡ﴾ ''اور پہاڑوں کی طرف کہ کیسے وہ گاڑے گئے؟'' کیا انہوں نے کبھی غور کیا کہ یہ پہاڑ زمین میں کیسے نصب ہو گئے؟ ان کو خوب صورت بنا کر نصب کرنے والا کون ہے؟ کس نے ان کو زمین کے لئے ثبات کا ذریعہ بنایا کہ وہ ان کی وجہ سے حرکت نہیں کرتی؟ (2) کبھی غور کیا کہ کس نے ان پہاڑوں میں انسانوں کے لئے بڑے بڑے فوائد رکھ دیئے ہیں۔

﴿وَ اِلَی الۡاَرۡضِ کَیۡفَ سُطِحَتۡ﴾

''اور زمین کی طرف کہ کیسے وہ بچھائی گئی؟'' (20)

سوال1:﴿وَ اِلَی الۡاَرۡضِ کَیۡفَ سُطِحَتۡ﴾ ''اور زمین کی طرف کہ کیسے وہ بچھائی گئی؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَ اِلَی الۡاَرۡضِ کَیۡفَ سُطِحَتۡ﴾ ''اور زمین کی طرف کہ کیسے وہ بچھائی گئی؟'' کبھی تم نے غور کیا کہ اس زمین کو کس نے بچھایا۔

(2) یعنی زمین کو کس طرح کشادگی کے ساتھ پھیلایا اور نہایت نرم اور ہموار بنایا گیا ہے تاکہ بندے اس پر ٹھکانا کر سکیں، اس پر کھیتی باڑی کر سکیں، باغات اگا سکیں، عمارتیں تعمیر کر سکیں اور اس کے راستوں پر سفر کر سکیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ زمین کا ہموار ہونا، اس کے گول ہونے کے منافی نہیں۔ اس کو ہر جانب سے افلاک نے گھیرا ہوا ہے، جیسا کہ عقل نقل، حس اور مشاہدہ اس پر دلالت کرتے ہیں اور بہت سے لوگوں کے ہاں یہ مذکور اور معروف ہے، خاص طور پر اس زمانے میں، اللہ تعالیٰ نے دور کی مسافتوں کو قریب کرنے کے لیے جو اسباب فراہم کیے ہیں، ان کے ذریعے سے لوگ زمین کے اکثر گوشوں سے واقف ہو گئے ہیں، کسی شے کا ہموار ہونا ایک بہت ہی چھوٹے جسم کی گولائی کے منافی ہو سکتا ہے جسے اگر ہموار کیا جائے تو اس میں قابل ذکر گولائی باقی نہیں رہے گی۔ رہا کرہ زمین کا جسم جو کہ بہت ہی بڑا اور کشادہ ہے جو بیک وقت گول اور ہموار ہے، دونوں امور ایک دوسرے کے منافی نہیں، جیسا کہ اہل خبر کو اس کی معرفت حاصل ہے۔ (تفسیر سعدی:2942,2943/3)

﴿فَذَکِّرۡ ۟ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَکِّرٌ﴾

''پس آپ نصیحت کریں، یقیناً آپ نصیحت کرنے والے ہی ہیں'' (21)

سوال1:﴿فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ﴾ ''پس آپ نصیحت کریں، یقیناً آپ نصیحت کرنے والے ہی ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَذَكِّرْ﴾ ''پس آپ نصیحت کریں'' اے یعنی اے محمد ﷺ میرے ان بندوں کو میری آیات سے نصیحت کرو اور انہیں دلائل سے وعظ کرو اور میرا پیغام ان تک پہنچادو۔(جامع البیان:177/30)

(2) یعنی انہیں اللہ تعالیٰ کے انعامات اور توحید کے دلائل سے نصیحت کرو۔(ایسر التفاسیر:1754)

(3)﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ﴾ ''یقیناً آپ نصیحت کرنے والے ہی ہیں'' یعنی آپ ﷺ کو تذکرے کے لئے ہی مبعوث کیا گیا تو یہ کافی ہے اور آپ ﷺ پر یہ واجب نہیں کہ وہ ایمان لے آئیں۔ لہٰذا آپ ﷺ انہیں بشارت دیں ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا خوف دلائیں۔ پھر اگر وہ ایمان لے آئیں تو وہ ہدایت پالیں گے جس کی طرف ان کی فطرت راہنمائی کرتی ہے اور اگر وہ اعراض کریں تو سمجھ لو کہ ان پر غفلت مسلط ہے، شہرت غالب ہے اور ان کی عقلوں پر جہالت اور شہوات کی حکمرانی ہے۔(تفسیر مراغی:410/10)

(4) رب العزت نے فرمایا:﴿وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۣ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ﴾ ''اور آپ اُن پر کوئی جبر کرنے والے نہیں ہو آپ اس قرآن سے اُس شخص کو نصیحت کردو جو میرے عذاب کے وعدے سے ڈرتا ہے۔'' (ق:45)

﴿لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾

''آپ اُن پر ہرگز کوئی مسلط کیے ہوئے نہیں ہیں'' (22)

سوال1:﴿لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾ ''آپ اُن پر ہرگز کوئی مسلط کیے ہوئے نہیں ہیں۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾ ''آپ اُن پر ہرگز کوئی مسلط کیے ہوئے نہیں ہیں۔'' یعنی آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچادیں۔ آپ ﷺ نصیحت کرنے کے لئے مبعوث کیے گئے ہیں، آپ ﷺ کو داروغہ بنا کر ان پر مسلط کر کے نہیں بھیجا گیا۔

(2)﴿فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ (٢١) لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (٢٢)﴾ ''چنانچہ آپ نصیحت کریں۔ یقیناً آپ نصیحت کرنے والے ہی ہیں۔ آپ اُن پر داروغہ نہیں ہیں۔ (الغاشیۃ:21،22)(مسلم:127)

﴿اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ﴾

''مگر جس نے منہ موڑا اور کفر کیا'' (23)

سوال1:﴿اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ﴾ ''مگر جس نے منہ موڑا اور کفر کیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ﴾ ''مگر جس نے منہ موڑا اور کفر کیا'' یعنی جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ موڑ کر، اس کی آیات اور اس

کے رسولوں، اور اس کی ملاقات کا کفر کرے۔(2) یعنی جو وعظ ونصیحت سے منہ موڑے اور حق کام دل اور زبان سے کفر کرے۔(تفسیر منیر 596/15)

﴿فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ﴾

''تو اللہ تعالیٰ اُس کو عذاب دے گا، بہت بڑا عذاب''(24)

سوال1:﴿فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ﴾''تو اللہ تعالیٰ اُس کو عذاب دے گا، بہت بڑا عذاب''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ﴾''تو اللہ تعالیٰ اُس کو عذاب دے گا، بہت بڑا عذاب''یعنی اللہ تعالیٰ اسے آخرت کا عذاب دے گا۔(2) یعنی دنیا میں کفر کی وجہ سے آخرت میں جہنم کا عذاب دے گا۔

سوال2:اللہ تعالیٰ کا عذاب کیسا ہے؟

جواب:اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت بڑا اور دائمی ہے۔

﴿اِنَّ اِلَيْنَاۤ اِيَابَهُمْ﴾

''یقیناً اُنہیں ہماری جانب ہی لوٹ کر آنا ہے''(25)

سوال1:﴿اِنَّ اِلَيْنَاۤ اِيَابَهُمْ﴾''یقیناً اُنہیں ہماری جانب ہی لوٹ کر آنا ہے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِنَّ اِلَيْنَاۤ اِيَابَهُمْ﴾''یقیناً اُنہیں ہماری جانب ہی لوٹ کر آنا ہے''یعنی انہیں بہر حال ہمارے پاس واپس آنا پڑے گا۔
(2) تمام خلائق کو ہماری ہی طرف لوٹنا اور قیامت کے روز ان سب کو (ہمارے ہی پاس) اکٹھے ہونا ہے۔(تفسیر السعدی:2943/3)

﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ﴾

''پھر یقیناً اُن کا حساب بھی ہمارے ہی ذمے ہے''(26)

سوال1:﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ﴾''پھر یقیناً اُن کا حساب بھی ہمارے ہی ذمے ہے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ﴾''پھر یقیناً اُن کا حساب بھی ہمارے ہی ذمے ہے''پھر انہوں نے اچھا یا برا عمل کیا اس کا حساب لینا ہماری ذمہ داری ہے، ہم انہیں حساب کے بغیر نہیں چھوڑیں گے۔

سوال2:اللہ تعالیٰ نے لوٹ آنے کے بعد کے معاملات کا کیسے شعور دلایا ہے؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے شعور دلایا ہے کہ لوٹ کر آؤ گے تو حساب دینا ہوگا۔تم سے حساب لینا ہماری ذمہ داری ہے تاکہ انصاف کے تقاضوں کو پورا کیا جاسکے۔

ایاتھا ۳۰ | ۸۹ سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ ۱۰ | رکوعھا ۱

سوال 1: سورۃ الفجر کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ مکی سورت ہے اس میں ایک رکوع اور 30 آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور ترتیب نزولی کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا 89 نمبر پر ہے۔ اور ترتیب نزولی کے اعتبار سے 10 سورت ہے۔

سوال 3: اس سورت کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے نماز میں لمبی قرات کر دی۔ ایک نمازی نیت توڑ کر مسجد کے ایک گوشے میں نماز پڑھ کر چلا گیا۔ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ بولے وہ منافق ہے اس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ میں تو ان کے پیچھے نماز پڑھنے آیا مگر لمبی قراءت کی وجہ سے مجھے الگ ہو کر نماز پڑھنا پڑی اور اونٹنی کو فارغ ہو کر چارہ ڈالا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ کیا تم لوگوں کو فتنے میں ڈالو گے؟ تم نے الاعلیٰ، الشمس، الفجر اور الیل کیوں نہ پڑھیں؟ (نسائی)

رکوع نمبر 14

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَالْفَجْرِ﴾

"قسم ہے فجر کی!" (1)

سوال 1: ﴿وَالْفَجْرِ﴾ "قسم ہے فجر کی!" اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالْفَجْرِ﴾ "قسم ہے فجر کی!" فجر وہ وقت ہے جس میں روشنی پھوٹتی ہے اور سورج کی کرنیں وسیع پیمانے پر پھیل جاتی ہیں۔ اور ہمارے رب نے اس وقت کی قسم کھائی ہے۔ رات ختم ہو جاتی ہے اور روشنی ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس وقت انسان، جانور، پرندے اور وحشی درندے سب رزق کی طلب کے لئے نکلتے ہیں، جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ﴾ "اور صبح کی جب وہ سانس لیتی ہے!" (التکویر:18) ﴿وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ﴾ "اور قسم ہے صبح کی! جب وہ روشن ہو۔" (المدثر:34) (تفسیر مراغی 411/10)

(2) اس وقت کی اہمیت یہ ہے کہ ساری دنیا غفلت سے بے دار ہوتی ہے اور تھکے ہوئے انسان اور جانور نیند کے بعد تازہ دم ہو کر اٹھتے ہیں۔

(3) اللہ تعالیٰ نے فجر کی قسم کھائی ہے جو رات کا آخر اور دن کا مقدمہ ہے، کیونکہ رات کے لوٹنے اور دن کے آنے میں ایسی نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے کمال پر دلالت کرتی ہیں، نیز یہ کہ تمام امور کی تدبیر کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ فجر کے وقت ایک نہایت فضیلت اور عظمت والی نماز واقع ہوتی ہے اور وہ اس کی اہل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی قسم کھائے۔ (تفسیر السعدی:2944/3)

(4) فجر سے عام صبح یا عید الاضحیٰ کی صبح یا صبح کی نماز یا پورا دن مراد ہے۔

﴿وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾

''اور دس راتوں کی'' (2)

سوال 1: ﴿وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ ''اور دس راتوں کی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ ''اور دس راتوں کی'' دس راتوں سے ذوالحجہ کا پہلا عشرہ مراد ہے۔ اس عشرے میں اللہ تعالیٰ کو نیک اعمال دوسرے تمام دنوں سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں۔ (بخاری کتاب العیدین)

(2) بعض مفسرین نے دس راتوں سے مراد رمضان کا آخری عشرہ لیا ہے، جس کی آخری دس راتوں میں سے کسی ایک طاق رات لیلۃ القدر واقع ہوتی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ (3) ذوالحجہ کی دس راتیں فضیلت والے ایام پر مشتمل ہیں۔ اس میں عبادات اور قربانیاں ہوتی ہیں۔

(4) ذوالحجہ کے پہلے عشرے میں عرفہ میں وقوف ہوتا ہے۔ (تفسیر السعدی:2944/3)

﴿وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ﴾

''اور جفت کی اور طاق کی'' (3)

سوال 1: ﴿وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ﴾ ''اور جفت کی اور طاق کی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ﴾ ''اور جفت کی اور طاق کی'' یعنی عرفہ اور یوم النحر عرفہ کا دن طاق اور یوم النحر جفت ہے۔

(2) کائنات میں اکثر اشیاء میں نر اور مادہ کی تقسیم پائی جاتی ہے۔ اور جن میں نہیں پائی جاتی ان میں بھی زوج ہوتا ہے۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ ''اور ہر چیز سے ہم نے جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے تاکہ تم سبق حاصل کرو۔'' (الذاریات:49) جیسے کفر اور ایمان، سعادت اور شقاوت، ہدایت اور گمراہی، دن اور رات، آسمان اور زمین، جن اور انسان اور وتر اللہ تعالیٰ ہے۔ (جامع البیان:183/30)

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (۱) اَللّٰهُ الصَّمَدُ (۲)﴾ ''آپ کہہ دیجیے وہ اللہ ایک ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔'' (اخلاص:1,2)

(5) نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں ایک کم سو، جو شخص بھی انہیں یاد کرلے گا' جنت میں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ طاق ہے اور طاق کو پسند کرتا ہے۔'' (بخاری:6410)

﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ﴾

''اور رات کی جب وہ چلتی ہے'' (4)

سوال1: ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ﴾ ''اور رات کی جب وہ چلتی ہے۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ﴾ ''اور رات کی جب وہ چلتی ہے۔'' یسر: سریٰ۔ یسریٰ کا لفظ رات کو چلنے کے لیے مخصوص ہے، رات کو سفر کرنا اور سار یہ رات کو سفر کرنے والی چھوٹی سی جماعت کو کہتے ہیں۔ اور اسریٰ کے معنی کسی دوسرے کو رات کے وقت سیر کرانا، سفر کرانا۔ اس لحاظ سے اس کا ایک معنی تو یہ ہوگا کہ اس رات کی قسم جب رسول اللہ ﷺ نے معراج کا سفر کیا اور دوسرا معنی یہ ہے کہ رات کی قسم جب وہ خود جانے لگے یا رخصت ہونے لگے۔ ان آیات میں ایک ہی وقت دو طرح کے انداز بیان تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی رات کے رخصت ہونے کا بھی وہی وقت ہوتا ہے جب پو پھوٹتی یا سپیدہ سحر نمودار ہوتا ہے۔ (تفسیر تیسیر القرآن:4/637)

(2) رات کے گزرنے اور اس کی تاریکی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بندے آرام کرتے ہیں۔

(3) فجر رات کے جانے کو کہتے ہیں یہاں مزدلفہ کی رات مراد ہے۔ (مختصر ابن کثیر:2/2215)

﴿هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ﴾

''یقیناً اس میں عقلمند کے لیے بہت بڑی قسم ہے'' (5)

سوال1: ﴿هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ﴾ ''یقیناً اس میں عقلمند کے لیے بہت بڑی قسم ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿هَلْ فِيْ ذٰلِكَ﴾ ''یقیناً اس میں'' یعنی ان چیزوں میں۔

(2) ﴿قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ﴾ ''عقلمند کے لیے بہت بڑی قسم ہے۔'' یعنی عقل مندوں کے لئے کوئی قسم ہے۔

(3) ﴿حِجْرٍ﴾ عقل کو کہتے ہیں جس کے معنی روکنے کے ہیں، اور عقل نقصان دہ اقوال اور افعال سے روک دیتی ہے۔

(4) عقل مند وہ ہے جو عبادت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرتے ہیں۔

(5) عقل مند وہ ہے جس کا دل بیدار اور روشن ہوتا ہے جو توجہ سے کان لگا کر سنتا ہے۔

(6) یعنی یہ قسمیں معمولی نہیں نہایت معتبر اور مہتم بالشان ہیں اور عقلمند لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ تاکید کلام کے لیے ان میں ایک خاص عظمت و وقعت پائی جاتی ہے۔ (تفسیر عثمانی:2/888)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے فجر، دس راتوں، جفت اور طاق اور رات کی قسم کیوں کھائی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے قسموں سے اہلِ مکہ کو تنبیہ کی ہے کہ اگر تم رسول ﷺ کو جھٹلانے سے باز نہ آئے تو تمہارا بھی وہی انجام ہوسکتا ہے جو پہلی قوموں کا ہوا۔

سوال 3: یہ سوال کیوں کیا گیا ہے کہ کیا اس میں کسی عقل مند کے لئے کوئی قسم ہے؟

جواب: انسان کی عقل اسے غلط کاموں سے روکتی ہے تو کیا کسی عقلمند کو اس کی عقل غلط کاموں سے نہیں روکتی۔

﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ﴾

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے عاد کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟'' (6)

سوال 1: ﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ﴾ ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے عاد کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ ''کیا تم نے نہیں دیکھا'' یعنی اے محمد ﷺ کیا آپ ﷺ نے دل کی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔

(2) ﴿كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ﴾ ''کہ آپ کے رب نے عاد کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟'' عاد یمن کا ایک معروف قبیلہ تھا۔ سیدنا نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد عاد کا زمانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ہود علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تھا۔ انہوں نے سخت مخالفت کی جس کے نتیجے میں ایک ہفتہ طوفانی ہوئیں چلتی رہیں جنہوں نے مومنوں کے سوا سب کو ہلاک کر دیا۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ (۷) فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ (۸)﴾ ''اس نے اسے سات راتیں اور آٹھ دن ان پر جڑ کاٹ دینے کے لیے مسلسل چلائے رکھا، سو آپ دیکھیں گے وہ اس طرح پچھاڑے گئے گویا گری ہوئی کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں۔

(4) کیا آپ اُن میں کوئی بھی باقی رہنے والا دیکھتے ہو؟'' (الحاقۃ:7,8)

﴿اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ﴾

''عادِ ارم جو ستونوں والے تھے'' (7)

سوال 1: ﴿اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ﴾ ''عادِ ارم جو ستونوں والے تھے'' عادِ ارم سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) ﴿اِرَمَ﴾ عاد سام بن نوح علیہ السلام کا بڑا پوتا تھا۔ اس کا باپ یا دادا ارم تھا۔ اسی لئے اسے عادِ ارم بھی کہتے ہیں۔ (مختصر ابن کثیر:2215/2)

(2) ﴿ذَاتِ الْعِمَادِ﴾ ''جو ستونوں والے تھے'' یعنی بہت زیادہ قوت، سرکشی اور ظلم و جبر والے لوگ تھے۔ (تفسیر السعدی:2945/3)

(3) یعنی ستون کھڑے کر کے بڑی بڑی اونچی عمارتیں بناتے یا یہ مطلب ہے کہ اکثر سیر وسیاحت میں رہتے اور اونچے ستونوں پر خیمے تانتے تھے۔اور بعض کے نزدیک ''ذات العماد'' کہہ کران کے اونچے قدوقامت اور ڈیل ڈول کو ستونوں سے تشبیہ دی ہے۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی:2/888)

﴿الَّتِىۡ لَمۡ يُخۡلَقۡ مِثۡلُهَا فِى الۡبِلَادِ﴾

''وہ کہ ان جیسا کوئی شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا'' (8)

سوال1:﴿الَّتِىۡ لَمۡ يُخۡلَقۡ مِثۡلُهَا فِى الۡبِلَادِ﴾ ''وہ کہ ان جیسا کوئی شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا۔'' عاد ارم کس اعتبار سے مضبوط قوم تھے؟

جواب:(1)﴿الَّتِىۡ لَمۡ يُخۡلَقۡ مِثۡلُهَا فِى الۡبِلَادِ﴾ ''وہ کہ ان جیسا کوئی شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا۔'' یعنی بلند قامت قوی، مضبوط اور زور آور قوم زمین پر کہیں موجود نہ تھی۔

(2) اس دور میں ساری دنیا میں کوئی قوم ان کی ٹکر کی نہیں تھی۔جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں۔﴿مَنۡ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىۡ خَلَقَهُمۡ هُوَ اَشَدُّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً ؕ وَكَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَجۡحَدُوۡنَ﴾ ''کون ہے ہم سے زیادہ طاقت ور؟ کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ جس اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا وہ قوت میں اُن سے زیادہ ہے؟ اور وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے۔'' (فصلت:15)

(3) سیدنا ہود علیہ السلام نے ان کو یہ سمجھایا تھا کہ یہ قوت رب کی عطا کردہ ہے۔﴿اَوَعَجِبۡتُمۡ اَنۡ جَآءَكُمۡ ذِكۡرٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ عَلٰى رَجُلٍ مِّنۡكُمۡ لِيُنۡذِرَكُمۡ ؕ وَاذۡكُرُوۡۤا اِذۡ جَعَلَكُمۡ خُلَفَآءَ مِنۡۢ بَعۡدِ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّزَادَكُمۡ فِى الۡخَلۡقِ بَصۜۡطَةً ۚ فَاذۡكُرُوۡۤا اٰلَاۤءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ﴾ ''اور کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی ایک نصیحت تم ہی میں سے ایک شخص پر آگئی ہے تا کہ وہ تمہیں خبردار کرے؟'' اور یاد کرو جب اُس نے قوم نوح کے بعد تمہیں جانشین بنایا اور اُس نے تمہیں قدوقامت میں زیادہ پھیلایا، سو تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔'' (الاعراف:69) (4) قوم عاد سمجھ نہ پائی تو اللہ کے عذاب میں گرفتار ہوئی۔

سوال2: قومِ عاد کس اعتبار سے اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی؟

جواب: قومِ عاد اپنی قوت، طاقت، فنِ تعمیر اور درازیٔ قد کے اعتبار سے اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔

﴿وَثَمُوۡدَ الَّذِيۡنَ جَابُوا الصَّخۡرَ بِالۡوَادِ﴾

''اور ثمود کے ساتھ جنہوں نے وادی میں چٹانیں تراشیں'' (9)

سوال1:﴿وَثَمُوۡدَ الَّذِيۡنَ جَابُوا الصَّخۡرَ بِالۡوَادِ﴾ ''اور ثمود کے ساتھ جنہوں نے وادی میں چٹانیں تراشیں۔'' ثمودیوں نے

وادیوں میں چٹانیں کیوں تراشی تھیں؟

جواب:(1)﴿وَثَمُوْدَ﴾ ''اور ثمود'' دوسری قوم ثمود تھی جسے عاد ثانی کہا جاتا ہے ان کے بارے میں رب العزت نے فرمایا۔

(2)﴿الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ﴾ ''جنھوں نے وادی میں چٹانیں تراشیں'' وہ ماہر سنگ تراش قوم تھی جنھوں نے پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بنائے تھے۔رب العزت نے فرمایا:﴿وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ﴾ ''اور وہ پہاڑوں سے بے خوف ہو کر گھر تراشتے تھے۔'' (الحجر:82) (3) ان لوگوں نے وادی القریٰ میں اپنے گھر بنائے ان کا علاقہ مدینہ اور تبوک کے راستے میں پڑتا ہے۔

(4) قوم ثمود بھی آخرت کی منکر تھی اللہ نے انہیں زلزلے اور چنگھاڑ کے ساتھ تباہ کر دیا۔

﴿وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ﴾

''اور فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا'' (10)

سوال1:﴿وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ﴾ ''اور فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا۔'' فرعون کو میخوں والا کہنے کی کیا وجوہات ہیں؟

جواب:(1)﴿وَفِرْعَوْنَ﴾ ''اور فرعون'' تیسری سرکش قوم فرعون اور اس کی قوم تھی۔

(2)﴿ذِي الْاَوْتَادِ﴾ ''کے ساتھ جو میخوں والا تھا'' میخوں والا کہنے کی کئی وجوہات ہیں مثلاً میخوں والے سے مراد اس کی سلطنت کی مضبوطی ہے، جیسے اس سلطنت کی جڑیں میخوں کی طرح زمین میں ٹھونک دی گئی ہوں۔دوسری یہ کہ میخوں سے مراد اس کی افواج اور لاؤ لشکر ہیں، جن کے بل بوتے پر وہ اللہ کا باغی اور مدمقابل بن بیٹھا تھا۔تیسری یہ کہ جب اس کے لشکر نقل وحرکت کرتے ہیں تو خیموں کو نصب کرنے کے لئے بڑی میخوں کو استعمال کرتے تھے اور چوتھی یہ کہ جب اس نے کسی کو سولی چڑھانا ہوتا تو اسے تختہ دار پر رسیوں سے کسنے کی بجائے اس کے ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں ٹھونک دیا کرتے تھا۔اور یہ سب باتیں اس کی قوت، اس کی نخوت اور اس کی سنگدلی پر دلالت کرتی ہیں فرعون اور اس کی قوم بھی آخرت کی منکر اور اللہ تعالیٰ کی نافرمان تھی، ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے بحر قلزم میں غرق کر کے دنیا کو ان کے وجود سے پاک کر دیا۔(تیسیر القرآن:639/4)

﴿الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ﴾

''وہ لوگ جو شہروں میں سرکش ہو گئے'' (11)

سوال1:﴿الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ﴾ ''وہ لوگ جو شہروں میں سرکش ہو گئے۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿الَّذِيْنَ﴾ ''وہ لوگ جو'' یعنی عاد، ثمود، فرعون اور ان کے لشکروں نے۔

(2)﴿طَغَوْا فِي الْبِلَادِ﴾ ''شہروں میں سرکش ہو گئے'' اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کے شہروں میں سرکشی کا رویہ اختیار کیا تھا۔

(3) یہ تینوں قومیں آخرت کا انکار کرتیں تھیں۔ جو قوم بھی آخرت کا انکار کرتی ہے وہ فسق وفجور میں حد سے بڑھ جاتی ہے۔

سوال 2: قومِ عاد، ثمود اور فرعون کی مشترکہ خصوصیت کیا تھی؟

جواب: ان کی مشترکہ خصوصیت سرکشی تھی۔

﴿فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ﴾

''پس انہوں نے اُن میں بہت زیادہ فساد پھیلایا'' (12)

سوال 1: ﴿فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ﴾ ''پس انہوں نے اُن میں بہت زیادہ فساد پھیلایا۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ﴾ ''پس انہوں نے اُن میں بہت زیادہ فساد پھیلایا۔'' یعنی شرک اور قتل سے زمین کو فساد سے بھر دیا تھا۔

(2) کفر اور اس کے شعبوں، یعنی معاصی کی تمام اقسام پر عمل کیا۔ انبیاء ومرسلین کے خلاف جنگ کی اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے کے لیے کوشاں رہے۔ جب وہ سرکشی میں اس حد تک پہنچ گئے جو ان کی ہلاکت کی موجب تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب بھیجا اور ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ (تفسیر السعدی: 2945/3)

(3) یعنی ان قوموں نے عیش و دولت اور زور وقوت کے نشہ میں مست ہو کر ملکوں میں خوب اودھم مچایا۔ (تفسیر عثمانی: 888/2)

﴿فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ﴾

''تو تمہارے رب نے اُن پر عذاب کا کوڑا برسا دیا'' (13)

سوال 1: ﴿فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ﴾ ''تو تمہارے رب نے اُن پر عذاب کا کوڑا برسا دیا۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ﴾ ''تو تمہارے رب نے اُن پر عذاب کا کوڑا برسا دیا۔'' اللہ تعالیٰ نے عاد پر ہوا کا کوڑا، ثمود پر چنگھاڑ کا کوڑا اور فرعون پر پانی کا کوڑا برسایا۔ (2) ہر ایک اپنے گناہوں میں پکڑے گئے۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے ان کے فساد کو کیسے روکا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کر کے انہیں عبرت کی مثال بنا دیا۔

﴿اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ﴾

''بلاشبہ تمہارا رب یقیناً گھات میں ہے'' (14)

سوال 1: ﴿اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ﴾ ''بلاشبہ تمہارا رب یقیناً گھات میں ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ﴾ ''بلاشبہ تمہارا رب یقیناً گھات میں ہے'' تاک یا گھات ایسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں کوئی شخص کسی کے انتظار میں اس لئے چھپا ہوتا ہے کہ جب وہ چیز اچانک اس کی زد میں آئے تو اس کے جال میں پھنس جائے۔ گزرنے والا اپنے انجام سے غافل اور بے فکری سے جا رہا ہوتا ہے کہ اچانک شکار ہو جاتا ہے، یہی صورت حال اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان ظالموں کی ہے جنہیں یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ کوئی ہستی انہیں دیکھ رہی ہے۔ وہ بڑی دیدہ دلیری سے گناہوں میں آگے بڑھ جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ حد آ جاتی ہے جس کے آگے اللہ تعالیٰ انہیں بڑھنے نہیں دیتا اس وقت اچانک اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کوڑا برس جاتا ہے۔ (تیسیر القرآن: 639/4)

(2) صحابہ کہتے ہیں ﴿لَبِالْمِرْصَادِ﴾ کا معنی ﴿الیه المصیر﴾ ہے یعنی سب کو اس کی طرف لوٹنا ہے۔ (بخاری، کتاب التفسیر)

(3) اللہ تعالیٰ اس شخص کی گھات میں ہے جو اس کی نافرمانی کرتا ہے اسے تھوڑا سا عرصہ مہلت دیتا ہے پھر اسے غالب اور قدرت والے کی طرح پکڑتا ہے۔ (تفسیر السعدی: 2945/3)

(4) جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ اس کا رب گھات میں ہے تو اس کے دل میں نگرانی کا یہ احساس لامحالہ خوف پیدا کر دیتا ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ﴾ ''اور جان لو اللہ تعالیٰ یقیناً جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے لہٰذا تم اس سے ڈر جاؤ'' (البقرہ: 253)

(5) جتنا بندہ اپنے رب کی معرفت رکھتا ہے اور اپنے عیبوں کو پہچانتا ہے اتنا ہی زیادہ اپنے رب سے ڈرتا ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ﴾ ''درحقیقت اللہ تعالیٰ کے بندوں میں صرف علم رکھنے والے ہی اُس سے ڈرتے ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب، بے حد بخشنے والا ہے۔'' (فاطر: 28)

سوال 2: رب کے گھات میں ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: رب کے گھات میں ہونے سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کے اعمال دیکھ رہا ہے۔ اسی کے مطابق وہ دنیا اور آخرت میں لوگوں کو سزا دیتا ہے۔

﴿فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۥ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ﴾

''مگر انسان کو جب اُس کا رب آزماتا ہے پھر اُسے عزت بخشتا ہے اور نعمت دیتا ہے تو وہ کہتا ہے: ''میرے رب نے مجھے عزت بخشی ہے'' (15)

سوال1:﴿فَاَمَّا الۡاِنۡسَانُ اِذَا مَا ابۡتَلٰٮهُ رَبُّهٗ فَاَكۡرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَكۡرَمَنِ﴾ ”مگر انسان کو جب اُس کا رب آزماتا ہے پھر اُسے عزت بخشتا ہے اور نعمت دیتا ہے تو وہ کہتا ہے: ”میرے رب نے مجھے عزت بخشی ہے“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَاَمَّا الۡاِنۡسَانُ﴾ ”مگر انسان کو“ وہ مشرک ہو یا جاہل اور ظالم۔

(2)﴿اِذَا مَا ابۡتَلٰٮهُ رَبُّهٗ فَاَكۡرَمَهٗ﴾ ”جب اُس کا رب آزماتا ہے پھر اُسے عزت بخشتا ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ جب کسی کو مال، اولاد اور عزت وجاہ عطا کر کے آزمائش میں مبتلا کرتا ہے۔

(3)﴿وَنَعَّمَهٗ﴾ ”اور نعمت دیتا ہے“ اور اسے رزق اور بھلائیاں عطا کر کے آزماتا ہے کہ وہ شکر ادا کرتا ہے یا ناشکری کرتا ہے۔

(4)﴿فَيَقُوۡلُ﴾ ”تو وہ کہتا ہے“ تو وہ فخر سے کہتا ہے۔

(5)﴿رَبِّىۡۤ اَكۡرَمَنِ﴾ ”میرے رب نے مجھے عزت بخشی ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا فضل کیا ہے میری بڑی تکریم کی ہے۔

(6) اللہ تبارک وتعالیٰ انسان کی فطرت کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے جیسا کہ وہ ہے، نیز یہ کہ وہ جاہل اور ظالم ہے، اسے اپنے انجام کا کوئی علم نہیں، وہ جس حالت میں ہوتا ہے، اس کے بارے میں سمجھتا ہے کہ وہ ہمیشہ رہے گی اور کبھی زائل نہ ہوگی۔ وہ سمجھتا ہے کہ دنیا اللہ تعالیٰ کا اس کو اکرام بخشنا اور اسے نعمتوں سے نوازنا، (آخرت میں) اس کی تکریم اور اس کے قرب پر دلالت کرتا ہے۔ (تفسیر السعدی: 2946/3)

(7)﴿اَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمۡ بِهٖ مِنۡ مَّالٍ وَّبَنِيۡنَ (۵۵) نُسَارِعُ لَهُمۡ فِى الۡخَيۡرٰتِ‌ؕ بَلْ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ (۵۶)﴾ ”کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اُنہیں مال اور بیٹوں سے مدد دے رہے ہیں؟ ہم اُنہیں بھلائیاں دینے میں سرگرم عمل ہیں؟ بلکہ وہ سمجھتے نہیں۔“ (المومنون:55،56)

(8)﴿يَعۡلَمُوۡنَ ظَاهِرًا مِّنَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ‌ۖ ‌وَهُمۡ عَنِ الۡاٰخِرَةِ هُمۡ غٰفِلُوۡنَ﴾ ”وہ دنیا کی زندگی میں سے ظاہر کو جانتے ہیں اور وہ آخرت سے غافل ہیں۔“ (الروم:7) (9) دولت اللہ تعالیٰ کی مہربانی کی نشانی نہیں ہے بلکہ اس سے انسانوں کو آزمایا جاتا ہے۔

سوال2: اللہ تعالیٰ انسان کو عزت اور نعمت دے کر آزماتا ہے تو اس کا کیا حال ہو جاتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ جب کسی کو رزق کی فراوانی، عزت اور نعمت عطا کرتا ہے تو وہ غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مہربان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بڑی عزت دی ہے۔

﴿وَاَمَّاۤ اِذَا مَا ابۡتَلٰٮهُ فَقَدَرَ عَلَيۡهِ رِزۡقَهٗ ۙ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَهَانَنِ﴾

”اور جب اُسے وہ آزماتا ہے اور اُس پر اُس کا رزق تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے: ”میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا“ (16)

سوال1:﴿وَاَمَّاۤ اِذَا مَا ابۡتَلٰٮهُ فَقَدَرَ عَلَيۡهِ رِزۡقَهٗ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَهَانَنِ﴾ ”اور جب اُسے وہ آزماتا ہے اور اُس پر اُس کا رزق تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے: ”میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ﴾ ''اور جب اُسے وہ آزماتا ہے اور اُس پر اُس کا رزق تنگ کر دیتا ہے'' اللہ تعالیٰ کی جانب سے رزق کی تنگی یا اولاد کی کمی ناراضی کی نشانی نہیں بلکہ آزمائش ہے۔

(2) رزق کی تنگی سے اللہ تعالیٰ آزماتے ہیں کہ بندہ صبر سے کام لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر مطمئن رہتا ہے۔

(3)﴿فَيَقُوْلُ﴾ ''تو وہ کہتا ہے'' تنگی کا دور آتا ہے تو اس وقت وہ یہ نہیں سمجھتا کہ میں آزمائش میں مبتلا کیا گیا ہوں بلکہ وہ یہ کہتا ہے۔

(4)﴿رَبِّيْٓ اَهَانَنِ﴾ ''میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا'' میرے رب نے میری توہین کر دی ہے یعنی اس کے نزدیک عزت اور ذلت کا معیار مال و دولت میں کمی پیشی ہے۔ مال زیادہ ہو تو عزت بھی زیادہ، مال کم تو عزت بھی کم۔

(5) یہ کافر کی صفت ہے جو بعث پر ایمان نہیں رکھتا۔ (قرطبی:36/10)

(6) نبی ﷺ نے فرمایا اللہ دنیا تو اسے بھی دیتا ہے جس سے وہ محبت کرتا اور اسے بھی دیتا ہے جس سے وہ محبت نہیں کرتا ہے، لیکن دین وہ اس کو نہیں دیتا جس سے وہ محبت نہیں کرتا، دین تو اس کو ہی دیتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ (مسند احمد:473/5)

(7) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''حسد صرف دو باتوں میں جائز ہے: ایک تو اس شخص کے بارے میں جسے اللہ تعالیٰ نے دولت دی ہو اور وہ اس دولت کو راہِ حق میں خرچ کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہو اور ایک اس شخص کے بارے میں جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت سے نوازا ہو اور وہ اس کے ذریعے سے فیصلہ کرتا ہو اور (لوگوں کو) اس حکمت کی تعلیم دیتا ہو۔'' (صحیح بخاری:73)

(8) نبی ﷺ دعا کرتے تھے:﴿اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَاَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَاحْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ ''یا اللہ زندہ رکھ مجھے مسکین اور مار مجھے مسکین اور مسکینوں کے گروہ سے قیامت کے دن اٹھا مجھے۔'' (جامع ترمذی:2352)

سوال 2: انسان کو جب اللہ تعالیٰ تنگی میں مبتلا کر کے آزماتا ہے تو اس کا کیا حال ہو جاتا ہے؟

جواب: انسان پر رزق تنگ ہو جاتا ہے تو وہ رب کے بارے میں بدگمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔

﴿كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ﴾

''ہرگز نہیں! بلکہ تم لوگ یتیم کی عزت نہیں کرتے'' (17)

سوال 1:﴿كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ﴾ ''ہرگز نہیں! بلکہ تم لوگ یتیم کی عزت نہیں کرتے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿كَلَّا﴾ ''ہرگز نہیں'' یعنی کسی عزت اور ذلت کو ماپنے والی تمہاری قدر ہی سراسر غلط ہے۔ عزت اور ذلت کا اصل معیار پیسہ اور مال و دولت نہیں بلکہ اس کا اعلیٰ اخلاق اور بلند کردار ہوتا ہے۔ مگر تمہارا یہ حال ہے کہ مال و دولت کو ہی اپنا معبود سمجھ بیٹھے ہو اور اسی پر مرمٹتے ہو۔ (تیسیر القرآن:640/4)

(2) یعنی ضروری نہیں کہ ہر وہ شخص جس کو میں نے نعمتوں سے نوازا ہے، میرے ہاں قابل اکرام وتکریم ہے اور جس کا رزق میں نے تنگ کر دیا ہے، وہ میرے ہاں حقیر ہے۔ دولت مندی اور محتاجی، رزق کی کشادگی اور تنگی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش اور امتحان ہے جس کے ذریعے سے وہ بندوں کا امتحان لیتا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ کون اس پر شکر اور صبر کرتا ہے تاکہ وہ اسے ثواب جزیل سے نوازے۔ جو ایسا نہ کرے اسے سخت عذاب میں ڈال دے۔ نیز بندے کے ارادے کا فقط اپنے نفس کی مراد پر ٹھہرنا ارادے کی کمزوری ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے محتاج مخلوق کے بارے میں ان کے عدم اہتمام پر ان کو ملامت کی ہے۔ (تفسیر السعدی:2946/3) اللہ تعالیٰ کے یہاں عزت اور ذلت کا معیار اطاعت پر ہے۔ اطاعت ہی کا ایک بڑا کام یتیموں اور محتاجوں کے حقوق کی حفاظت کرنا ہے۔

(3) ﴿بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ﴾ ''بلکہ تم لوگ یتیم کی عزت نہیں کرتے'' جو باپ کی شفقت اور کمائی سے محروم ہیں اس کا یہ حق ہے اور وہ اس کا ضرورت مند ہے کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے لیکن تم اس کی عزت نہیں کرتے بلکہ تم اس کی توہین کرتے ہو جو کہ تمہارے دلوں میں رحم نہ ہونے اور بھلائی سے رغبت نہ ہونے کی دلیل ہے۔

(4) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مسلمانوں کے گھروں میں سب سے بہتر گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور مسلمانوں کا سب سے بدتر گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو۔'' (ابن ماجہ:3679)

(5) سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔'' آپ ﷺ نے اپنی انگشتِ شہادت اور درمیان والی انگلی کے درمیان کشادگی فرمائی۔ (بخاری:6005)

(6) سیدنا ابوشریح خویلد بن عمرو خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! میں لوگوں کو دو ضعیفوں کے حق سے بہت ڈراتا ہوں: ایک یتیم اور دوسری عورت۔'' (نسائی)

﴿وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ﴾

''اور مسکین کو کھلانے پر ایک دوسرے کو اُبھارتے نہیں ہو'' (18)

سوال 1: ﴿وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ﴾ ''اور مسکین کو کھلانے پر ایک دوسرے کو اُبھارتے نہیں ہو۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ﴾ ''اور مسکین کو کھلانے پر ایک دوسرے کو اُبھارتے نہیں ہو۔'' یعنی پیسے سے تمہاری محبت کا یہ عالم ہے کہ مسکینوں کی ضروریات کی کفالت کرنا دور کی بات دوسروں کو انہیں کھانا کھلانے کی بھی ترغیب نہیں دیتے۔ اس کی

وجہ یہ ہے کہ تم دنیا کی مال ومحبت کے حریص ہو تم دنیا سے محبت کرتے ہو اور شدید محبت کی وجہ سے بخل میں مبتلا ہو۔

(2) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے کاموں میں سے اہم کام مسکینوں اور حاجت مندوں کی ضروریات کی کفالت اور اس کی ترغیب دلانا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: ''بیواؤں اور مسکین کی خبر گیری کرنے والا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔'' راویٔ حدیث کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''وہ اس عبادت کرنے والے کی طرح ہے جو سست نہیں ہوتا اور اس روزہ دار کی طرح ہے جو ناغہ نہیں کرتا۔'' (مسلم:7468)

(3) سیدنا مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو یہ خیال ہوا کہ انہیں اپنے سے کم تر لوگوں پر فضیلت حاصل ہوئی ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم لوگ انہی کمزوروں کی وجہ سے مدد کیے اور رزق دیئے جاتے ہو۔'' (صحیح بخاری:2896)

(4) سیدنا عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ اس بات سے نہیں شرماتے تھے کہ بیوہ اور مسکین کے ساتھ چلیں اور اس کا کام کر دیں۔'' (سنن نسائی)

سوال 2: مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب کیوں نہیں دی جاتی؟

جواب: خود غرض اور سنگدل معاشرے کے افراد بھوکے کی بھوک کو محسوس نہیں کرتے اس لئے ان کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے۔

﴿وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا﴾

''اور تم میراث کا سارا مال کھا جاتے ہو، سب سمیٹ کر کھانا'' (19)

سوال 1: ﴿وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا﴾ ''اور تم میراث کا سارا مال کھا جاتے ہو، سب سمیٹ کر کھانا۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ﴾ ''اور تم میراث کا سارا مال کھا جاتے ہو'' یعنی مال کی بے پناہ محبت تم سے کیسی حق تلفیاں کرواتی ہے۔

(2) ﴿أَكْلًا لَّمًّا﴾ ''سب سمیٹ کر کھانا'' یعنی ہر جائز ناجائز طریقے سے ورثہ اڑا جاتے ہو اور وارثوں کا حق کھاتے ہو ذرا نہیں شرماتے۔

(3) تمہارا یہ حال ہے کہ میراث میں سے کچھ باقی نہیں چھوڑتے۔

سوال 2: لوگ میراث کا مال کیسے سمیٹ کر کھا جاتے ہیں؟

جواب: میراث کا مال کسی کو جس طریقے سے بھی ملے وہ سارے کا سارا مال کھا جاتا ہے۔ اس معاملے میں حلال وحرام کی تمیز کم ہی رکھی جاتی ہے۔

﴿وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا﴾

''اور مال سے تم محبت رکھتے ہو، بہت زیادہ محبت کرنا'' (20)

سوال1:﴿وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا﴾ ''اور مال سے تم محبت رکھتے ہو، بہت زیادہ محبت کرنا۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ﴾ ''اور مال سے تم محبت رکھتے ہو'' یعنی تمہاری مال سے محبت اتنی شدید ہے تم اسے بچا بچا کر اسے گن گن کر رکھتے ہو۔رب العزت نے فرمایا:﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا (۱۶) وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی (۱۷)﴾ ''بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔حالانکہ آخرت بہت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔'' (الاعلیٰ:16,17)

(3) رب العزت نے فرمایا:﴿كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ (۲۰) وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ﴾ ''ہرگز نہیں! بلکہ تم جلد حاصل ہونے والی (دنیا) سے محبت رکھتے ہو۔اور تم آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔(القیامہ:20,21) (4)﴿حُبًّا جَمًّا﴾ ''بہت زیادہ محبت کرنا'' یعنی بہت شدید محبت ہے۔

﴿كَلَّاۤ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا﴾

''ہرگز نہیں! جب زمین کُوٹ کُوٹ کر ریزہ ریزہ کردی جائے گی'' (21)

سوال1:﴿كَلَّاۤ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا﴾ ''ہرگز نہیں! جب زمین کُوٹ کُوٹ کر ریزہ ریزہ کردی جائے گی۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿كَلَّاۤ﴾ ''ہرگز نہیں'' یعنی ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ تم سے تمہارے اعمال کا حساب نہ لیا جائے۔تمہاری باز پرس نہ کی جائے ایسا وقت تو آکر رہنا ہے۔

(2)﴿اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا﴾ ''جب زمین کُوٹ کُوٹ کر ریزہ ریزہ کردی جائے گی۔'' یعنی زمین کے زلزلوں سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے۔اور زمین ایک چٹیل میدان بنادی جائے گی۔

(3) یعنی جس مال سے تم شدید محبت رکھتے ہو اور اس میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر رغبت رکھتے ہو یہ تمہارے پاس باقی رہنے والا نہیں۔تمہارے سامنے ایک ہولناک دن ہے۔

﴿وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾

''اور تمہارا رب آئے گا اور فرشتے بھی صف در صف آجائیں گے'' (22)

سوال1:﴿وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾ ''اور تمہارا رب آئے گا اور فرشتے بھی صف در صف آجائیں گے۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ﴾ ''اور تمہارا رب آئے گا اور فرشتے بھی'' یعنی یہ آیت عقل پرستوں کے لئے بہت بڑی آزمائش ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ موجود ہے وہ آئے کہاں سے، ہمیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ سات آسمانوں کے اوپر عرش پر ہے۔وہ کیسے آئے گا ہم

نہیں جانتے اور نہ ہم اس کے مکلف ہیں۔ وہ اپنی شان کے مطابق بادلوں کے سائے میں بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے آئے گا۔

(2)﴿صَفًّا صَفًّا﴾ "صف در صف آجائیں گے" صف در صف آئیں گے، ہر آسمان کے فرشتے ایک صف میں آئیں گے اور اپنے سے کم تر مخلوق کو گھیر لیں گے۔ یہ صفیں بادشاہ جبار کے حضور خشوع اور عاجزی کی صفیں ہوں گی۔ (تفسیر سعدی:2947/3)

سوال 2: فرشتوں کے صفیں باندھ کر آنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ جب فرشتے قیامت والے دن اُتریں گے تو ہر آسمان کے فرشتوں کی الگ صف ہوگی۔ اس طرح سات صفیں ہوں گی جو زمین کو گھیر لے۔

﴿وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى﴾

"اور اُس دن جہنم کو لایا جائے گا، اُس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا اور اب اُس کے لیے نصیحت کہاں؟" (23)

سوال 1: ﴿وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى﴾ "اور اُس دن جہنم کو لایا جائے گا، اُس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا اور اب اُس کے لیے نصیحت کہاں؟" اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ﴾ "اور اُس دن جہنم کو لایا جائے گا" یعنی جہنم کو فرشتے زنجیروں میں جکڑ کر لائیں گے۔ (2) جہنم کو ستر ہزار لگاموں میں جکڑا ہوا ہوگا۔ ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے ہوں گے۔ (مسلم)

(3) اسے عرش کے بائیں جانب کھڑا کر دیا جائے گا۔ اسے دیکھ کر تمام مقرب فرشتے اور انبیاء علیہم السلام گھٹنوں کے بل گر جائیں گے اور یا رَبِّ نَفْسِي نَفْسِي پکاریں گے۔ (فتح القدیر)

(4)﴿يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ﴾ "اُس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا" اس دن انسان حسرت میں مبتلا ہو کر یاد کرے گا کہ اس نے اپنے لئے کیا برائی یا بھلائی آگے بھیجی؟ اس وقت ہر ایک کو اپنی نیکیوں کی کمی پر افسوس ہوگا۔

(5)﴿وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى﴾ "اور اب اُس کے لیے نصیحت کہاں؟" وقت گزرنے کے بعد تنبیہات اور نصیحتیں اسے کیا فائدہ دیں گی۔

سوال 2: ہولناک منظر کے انسان پر کیا اثرات ہوں گے؟

جواب: اس منظر کو دیکھ کر انسان کو اپنے کفر اور نافرمانیوں پر بہت ندامت ہوگی لیکن اس کا فائدہ نہیں ہوگا۔

﴿يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ﴾

"وہ کہے گا: "اے کاش! میں نے اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا" (24)

سوال 1: ﴿يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ﴾ "وہ کہے گا: "اے کاش! میں نے اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔" اس

آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿يَقُوْلُ﴾ ''وہ کہے گا'' اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس نے جو کمی کوتاہی کی ہوگی اس پر حسرت سے کف افسوس ملتے ہوئے کہے گا۔

(2)﴿يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ﴾ ''اے کاش! میں نے اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔'' یعنی کاش میں نے ہمیشہ رہنے والی زندگی کے لئے نیک اعمال کیے ہوتے۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا (۲۷) يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا (۲۸)﴾ ''اور جس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو چبائے گا، وہ کہے گا: اے کاش کہ میں رسول کے ساتھ (ہدایت) کا کچھ راستہ اختیار کرتا! ہائے میری بربادی! کاش میں فلاں شخص کو دلی دوست نہ بناتا۔'' (الفرقان 27,28)

(3) ان آیات کریمہ میں دلیل ہے کہ وہ زندگی جس کے کمال کے حصول اور اس کی لذات کی تکمیل کی کوشش کرنی چاہیے وہ آخرت کے گھر کی زندگی ہے، کیونکہ آخرت کا گھر دار الخلد اور دار البقا ہے۔ (تفسیر السعدی 2947/3)

(4)﴿قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ﴾ یعنی ایمان اور عمل صالح۔ (ایسر التفاسیر:1758)

(5) سیدنا محمد بن ابو عمیر رضی اللہ عنہ، جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے تھے، بیان کرتے ہیں (کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا): ''اگر کوئی شخص پیدا ہونے سے لے کر بوڑھا ہو کر مرنے تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سربسجود رہے تو وہ بھی اس (قیامت کے) دن اپنی اس عبادت کو حقیر جانے گا اور خواہش کرے گا کہ اسے دنیا میں (ایک بار پھر) لوٹا دیا جائے، تاکہ وہ اور زیادہ اجر و ثواب حاصل کر سکے۔'' (مسند احمد 17668)

(6) سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن تم میں سے ہر شخص سے اللہ تعالیٰ بات کرے گا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔ پھر وہ اپنی دائیں طرف دیکھے گا تو اسے سوائے اپنے اعمال کے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ پھر وہ اپنی بائیں طرف دیکھے گا تو (ادھر بھی) اسے سوائے اپنے اعمال کے اور کچھ نظر نہیں آئے گا۔ پھر وہ اپنے سامنے دیکھے گا تو آگ اس کا استقبال کرے گی۔ تو تم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ دوزخ سے بچے، خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی (اللہ تعالیٰ کے راستے میں دے کر) سہی۔ (بخاری:6539)

﴿فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ﴾

''چنانچہ اُس دن اللہ تعالیٰ کے عذاب جیسا کوئی عذاب نہ دے گا'' (25)

سوال 1:﴿فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ﴾ ''چنانچہ اُس دن اللہ تعالیٰ کے عذاب جیسا کوئی عذاب نہ دے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ﴾ ''چنانچہ اُس دن اللہ تعالیٰ کے عذاب جیسا کوئی عذاب نہ دے گا۔'' یعنی اس دن کی

مار،اس کی پکڑ تصور کی رسائی سے بھی باہر ہے۔

(2) اس شخص کو جس نے اس دن کو مہمل جانا اور اس کے لیے عمل کو فراموش کر دیا۔ (تفسیر السعدی:2947,2948/3)

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ (۳۰) ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ (۳۱) ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ (۳۲) اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ (۳۳) وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (۳۴) فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ (۳۵) وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ (۳۶) لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ (۳۷)﴾ ''پکڑو اسے، اُسے طوق ڈال دو۔ پھر اُسے جہنم میں جھونک دو۔ ایک ایسی زنجیر میں جس کی پیمائش ستر ہاتھ ہے اس کو جکڑ دو۔ وہ عظیم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتا تھا۔ اور نہ ہی مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔ سو آج یہاں اُس کا کوئی غم خوار دوست نہیں۔ اور نہ پیپ کے سوا اُس کے لیے کوئی کھانا ہے۔ جسے خطا کاروں کے سوا کوئی نہیں کھاتا۔'' (الحاقۃ:30،37)

(4) اسی دن کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۭ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور وہ لوگ جو کمزور سمجھے گئے ان لوگوں سے کہیں گے جو بڑے بنے تھے'' بلکہ دن رات کی مکاری تھی جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے کفر کریں اور اُس کے ساتھ شریک بنائیں؛'' اور وہ ندامت کو چھپائیں گے جب وہ عذاب کو دیکھیں گے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا ہم اُن کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے انہیں بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر جو وہ عمل کیا کرتے تھے۔'' (السبا:33)

﴿وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ﴾

''اور نہ ہی اُس کے باندھنے جیسا کوئی باندھے گا'' (26)

سوال1: ﴿وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ﴾ ''اور نہ ہی اُس کے باندھنے جیسا کوئی باندھے گا۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ﴾ ''اور نہ ہی اُس کے باندھنے جیسا کوئی باندھے گا۔'' پس انہیں آگ کی زنجیروں میں باندھا جائے گا اور چہروں کے بل کھولتے ہوئے پانی میں گھسیٹا جائے گا، پھر آگ میں ان کو جلایا جائے گا، پس یہی مجرموں کی سزا ہے۔ (تفسیر السعدی:2948/3)

(2) فرشتے ان کے گلوں میں طوق اور پاؤں میں زنجیریں ڈال کر جہنم میں پھینک دیں گے پھر اوپر سے جہنم کو بند کر دیا جائے گا، اس میں سانپ اور بچھوؤں کے ڈسنے کا عذاب الگ ہوگا اور فرشتوں کے مارنے اور ڈانٹنے کا الگ۔ پھر ذہنی عذاب یہ ہوگا کہ اس عذاب سے بچنے کی انہیں کوئی صورت نظر نہیں آئے گی۔ علاوہ ازیں یہ عذاب وقتی اور عارضی نہیں بلکہ مستقل اور دائمی ہوگا۔ یہ فکر ان کے جسمانی عذاب کو کئی گنا کر دے گی۔ (تیسیر القرآن:641/4)

سوال 2: اس دن اللہ تعالیٰ جیسا کوئی نہ باندھے گا۔ اس سے کیا مراد ہے؟
جواب: اس سے مراد ہے کہ اُس جیسی سزا کوئی نہ دے گا، ایسی آزادی سلب کرے گا کہ پھر کبھی نہ مل سکے گی۔

﴿يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ﴾

''اے اطمینان والی جان!'' (27)

سوال 1: ﴿يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ﴾ ''اے اطمینان والی جان!'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ﴾ ''اے اطمینان والی جان!'' نفس مطمعنہ اس نفس کو کہتے ہیں جس کی پوری طرح سے اصلاح ہوجاتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بن جاتا ہے تو اسے برے کاموں سے نفرت اور چڑ ہوجاتی ہے۔ بھلائی کے کاموں میں اس کا دل لگتا ہے، ان میں ہی وہ خوشی اور اطمینان محسوس کرتا ہے۔ (تیسر القرآن: 555/4)

(2) یعنی مومن جس کا نفس اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر اطمینان محسوس کرتا ہے۔ (جامع البیان: 203/30)

(3) اے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اطمینان اور اس کی محبت میں سکون حاصل کرنے والے نفس! جس کی آنکھیں اللہ تعالیٰ کے ذریعے سے ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ (تفسیر السعدی: 2948/3)

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ﴾ ''اور بلا شبہ یقیناً ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کی بیویاں اور اولادیں بنائی تھیں اور کسی رسول کے لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ لے آتا، ہر وقت کے لیے ایک کتاب ہے۔'' (الرعد: 38) سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے کو دوست رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو دوست رکھتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے ملنے کو پسند نہیں کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو پسند نہیں کرتا۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یا آپ ﷺ کی بعض ازواج نے عرض کیا کہ ''مرنا تو ہم بھی پسند نہیں کرتے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ملنے سے موت مراد نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ ایماندار آدمی کو جب موت آتی ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کے یہاں اس کی عزت کی خوشخبری دی جاتی ہے، اس وقت مومن کو کوئی چیز اس سے زیادہ عزیز نہیں ہوتی جو اس کے آگے (اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور اس کی رضا اور جنت کے حصول کے لیے) ہوتی ہے، اس لیے وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا خواہش مند ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جب کافر کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی سزا کی بشارت دی جاتی ہے، اس وقت کوئی چیز اس کے دل میں اس سے زیادہ ناگوار نہیں ہوتی جو اس کے آگے ہوتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے جا ملنے کو ناپسند کرنے لگتا ہے، پس اللہ تعالیٰ بھی اس

کے ملنے کو ناپسند کرتا ہے۔ (صحیح بخاری:6507)

﴿ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً﴾

''اپنے رب کی طرف لوٹ آؤ، راضی ہونے والی، پسند کی ہوئی ہو'' (28)

سوال 1: ﴿ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً﴾ ''اپنے رب کی طرف لوٹ آؤ، راضی ہونے والی، پسند کی ہوئی ہو۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ﴾ ''اپنے رب کی طرف لوٹ آؤ'' یہ بات موت کے وقت بھی کہی جائے گی قبروں سے اٹھتے وقت بھی، حشر کے میدان میں چلتے وقت بھی اور میدان حشر میں فیصلے کے وقت بھی اطمینان دلایا جائے گا کہ اٹھو اپنے رب کے پاس چلو اس کی نعمتوں سے لطف اٹھاؤ۔

(2) ﴿رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً﴾ ''راضی ہونے والی، پسند کی ہوئی ہو۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے ثواب سے راضی ہو کر جس سے اللہ تعالیٰ نے تجھ کو سرفراز فرمایا اور اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہوا۔ (تفسیر السعدی:2948/3)

(3) یعنی اللہ تعالیٰ کے پڑوس میں اس کے عزت والے گھر میں چلو۔ (ایسر التفاسیر:1759)

(4) کتنی خوشی کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے خوش ہے اور تم اللہ تعالیٰ سے۔

سوال 2: رب کی طرف لوٹنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد رب کے اجر و ثواب کی طرف اور جنت کی ان نعمتوں کی طرف لوٹنا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے تیار کی ہیں۔

﴿فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ﴾

''چنانچہ میرے بندوں میں شامل ہو جاؤ'' (29)

سوال 1: ﴿فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ﴾ ''چنانچہ میرے بندوں میں شامل ہو جاؤ۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ﴾ ''چنانچہ میرے بندوں میں شامل ہو جاؤ۔'' یعنی آؤ، میرے پیارے بندوں میں آ جاؤ۔

(2) یہ آیت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ یا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری ہے۔

(3) قیامت کے دن ان الفاظ سے روح کو مخاطب کیا جائے گا اور روح لے جاتے وقت یعنی موت کے وقت بھی یہی خطاب ہوگا۔

سوال 2: ''میرے بندوں میں شامل ہو جاؤ'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد خاص بندے ہیں جو اطاعت گزار ہونے کی وجہ سے جنت میں جائیں گے۔

﴿وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ﴾

''اور میری جنت میں داخل ہوجاؤ'' (30)

سوال 1: ﴿وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ﴾ ''اور میری جنت میں داخل ہوجاؤ'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ﴾ ''اور میری جنت میں داخل ہوجاؤ'' یعنی میرے اولیاء کے لئے جو عزت کا گھر ہے اس میں داخل ہو جاؤ۔

(2) یعنی میری رحمت میں داخل ہوجاؤ۔ (تفسیر جامع البیان:206/30)

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا (۶۹) ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ عَلِیْمًا (۷۰)﴾ ''اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا، نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحین میں سے! اور یہی بہترین ساتھی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ کافی ہے سب کچھ جاننے والا ہے۔'' (النساء:69,70)

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَی اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۫ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ﴾ ''پھر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں جو ان کا حقیقی مالک ہے، سُن لو! حکم اُسی کا ہے اور وہ سب حساب لینے والوں سے زیادہ جلد (حساب لینے والا) ہے۔'' (الانعام:62)

(5) ﴿لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَی اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ﴾ ''کوئی شک نہیں کہ یقیناً جس کی طرف تم مجھے دعوت دیتے ہو اُس کے لیے نہ ہی دنیا میں دعوت ہے اور نہ ہی آخرت میں اور یقیناً ہم سب کو پلٹنا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے، اور یقیناً حد سے گزرنے والے، وہی آگ والے ہیں۔'' (غافر:43)

(6) سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں یہ آیت اتری تو انہوں فرمایا: کیسا پیارا کلام ہے۔ فرمایا: یہ تم سے بھی کہا جائے گا۔ (ابن ابی حاتم)

(7) نبی ﷺ نے کسی کو یہ دعا سکھائی تھی: ﴿اللّٰهم إنی أسألك نفسا بك مطمئنة تؤمن بلقائك وترضی بقضائك وتقنع بعطائك﴾ ''اے اللہ تعالیٰ میں تجھ سے اطمینان والا نفس مانگتا ہوں جسے تجھ پر بھروسہ اور تیری ملاقات پر یقین ہو اور تیرے فیصلے پر راضی ہو اور جو کچھ مل جائے اس پر قانع ہو۔'' (مختصر ابن کثیر:2218/2)

سوال 2: ''میری جنت میں داخل ہوجاؤ'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور انعامات پانے کے لیے سب سے اونچی منزل جنت میں داخل ہوجاؤ۔

ایاتھا ۲۰ | ۹۰ سُوْرَۃُ الْبَلَدِ مَکِّیَّۃٌ ۳۵ | رکوعھا ۱

سوال 1: سورت بلد کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: سورت بلد مکی ہے اس میں ایک رکوع اور 20 آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور ترتیب نزولی کے اعتبار سے اس سورت کا کون سا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے یہ 90 نمبر پر ہے۔ اور ترتیب نزولی کے اعتبار سے یہ 35 سورت ہے۔

رکوع نمبر 15

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾

''میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی!''(1)

سوال 1: ﴿لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ ''میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی!'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَآ اُقْسِمُ﴾ ''میں قسم کھاتا ہوں'' اللہ رب العزت نے قسم کھائی ہے۔

(2) ﴿بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ ''اس شہر کی!'' بلد امین مکہ کی جو تمام شہروں پر فضیلت رکھتا ہے۔ جہاں لوگ امن اور چین سے زندگی گزارتے ہیں۔ یہ قسم اس وقت کھائی جب نبی ﷺ اس شہر میں رہائش پذیر تھے۔

(3) سیدنا عبداللہ بن عدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حزورہ کے مقام پر کھڑے ہوئے دیکھا، آپ یہ فرمار ہے تھے: ''(اے مکہ!) اللہ کی قسم! تو اللہ تعالیٰ کی ساری زمین سے بہتر اور افضل ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ساری زمین سے زیادہ محبوب ہے اور اللہ کی قسم! اگر مجھے تیرے اندر سے نکالا نہ جاتا تو میں (کبھی) نہ نکلتا'' (ترمذی: 3925)

﴿وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾

''اور آپ اس شہر میں مقیم ہیں''(2)

سوال 1: ﴿وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ ''اور آپ اس شہر میں مقیم ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿حِلٌّ﴾ حَلَّ سے اسم فاعل ہے۔اسی وجہ سے "حل" سے یہاں مراد کئی معنی لئے جاتے ہیں۔مثلاً یہ کہ مکہ وہ شہر ہے جہاں آپ کسی وقت فاتحانہ حیثیت سے فروکش ہوں گے۔دوسرا یہ کہ اس شہر میں آپ اور مسلمانوں پر ہر قسم کے ظلم کو حلال سمجھ لیا گیا ہے۔اور تیسرا یہ کہ وہ وقت آنے والا ہے جب آپ اس شہر میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہو کر اس کی سیدنا ابراہیم سے لے کر آج تک قائم شدہ حرمت توڑ دیں گے اور حلال بنا دیں گے تو یہ کام صرف ایک ساعت کے لئے ہوگا۔ہمارے خیال میں تیسرا مفہوم راجح ہے۔(تیسیر القرآن:642/4)

(2)ابوشریح سے روایت ہے کہ انہوں نے عمرو بن سعید (والی مدینہ) سے جب وہ مکہ میں (ابن زبیر سے لڑنے کے لیے) فوجیں بھیج رہے تھے کہا کہ اے امیر! مجھے آپ اجازت دیں تو میں وہ حدیث آپ سے بیان کردوں جو رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دوسرے دن ارشاد فرمائی تھی اس (حدیث) کو میرے دونوں کانوں نے سنا اور میرے دل نے اسے یاد رکھا ہے اور جب رسول اللہ ﷺ یہ حدیث فرما رہے تھے تو میری آنکھیں آپ ﷺ کو دیکھ رہی تھیں آپ ﷺ نے (پہلے) اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی پھر فرمایا کہ مکہ کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے آدمیوں نے حرام نہیں کیا تو (سن لو) کہ کسی شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو جائز نہیں ہے کہ مکہ میں خون ریزی کرے یا اس کا کوئی پیڑ کاٹے پھر اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے رسول (کے لڑنے) کی وجہ سے اس کا جواز نکالے تو اس سے کہہ دو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے لیے اجازت دی تھی تمہارے لیے نہیں دی اور مجھے بھی دن کے کچھ لمحوں کے لیے اجازت ملی تھی آج اس کی حرمت لوٹ آئی جیسی کل تھی اور حاضر غائب کو (یہ بات) پہنچا دے۔(یہ حدیث سننے کے بعد راوی حدیث) ابوشریح سے پوچھا گیا کہ (آپ کی یہ بات سن کر) عمرو نے کیا جواب دیا؟ کہا یوں کہ (ابوشریح!) حدیث کو میں تم سے زیادہ جانتا ہوں مگر حرم (مکہ) کسی خطا کار کو یا خون کر کے اور فتنہ پھیلا کر بھاگ آنے والے کو پناہ نہیں دیتا۔" (صحیح بخاری:104)

(3)ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ خزاعہ (کے کسی شخص) نے بنولیث کے کسی آدمی کو اپنے کسی مقتول کے بدلے میں مار دیا تھا یہ فتح مکہ والے سال کی بات ہے رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر دی گئی آپ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ سے قتل یا ہاتھی کو روک لیا۔امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس لفظ کو شک کے ساتھ سمجھو ایسا ہے ابونعیم وغیرہ نے القتل اور الفیل کہا ہے۔ان کے علاوہ دوسرے لوگ الفیل کہتے ہیں۔(پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا) کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے رسول اور مسلمانوں کو غالب کر دیا اور سمجھ لو کہ وہ (مکہ) کسی کے لیے حلال نہیں ہوا مجھ سے پہلے اور نہ (آئندہ) کبھی ہوگا اور میرے لیے بھی دن کے صرف تھوڑے سے حصہ کے لیے حلال کر دیا گیا تھا سن لو کہ وہ اس وقت حرام ہے نہ اس کا کوئی کانٹا توڑا جائے، نہ اس کے درخت کاٹے جائیں اور اس کی گری پڑی چیزیں بھی وہی اٹھائے جس کا منشاء یہ ہو کہ وہ اس شے کا تعارف کرا دے گا تو اگر کوئی شخص مارا جائے تو (اس کے عزیزوں کو) اختیار ہے دو باتوں کا یا دیت لیں یا بدلہ۔اتنے میں ایک یمنی آدمی (ابوشاہ نامی) آیا اور کہنے لگا (یہ مسائل) میرے لیے لکھوا دیجئے تب آپ نے فرمایا کہ ابوفلاں کے لیے (یہ مسائل) لکھ دو تو ایک قریشی شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ! مگر اذخر (یعنی اذخر کاٹنے کی اجازت دے

دیکھیے) کیونکہ اسے ہم گھروں کی چھتوں پر ڈالتے ہیں (یا مٹی ملا کر) اور اپنی قبروں میں بھی ڈالتے ہیں (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (ہاں) مگر اذخر، مگر اذخر۔'' (صحیح بخاری:112)

(4) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس شہر (مکہ) کو اللہ تعالیٰ نے اسی دن حرمت عطا کر دی تھی جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا، اس لیے یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی حرمت کی وجہ سے قیامت تک کے لیے حرمت والا ہے۔ مجھ سے پہلے کسی کے لیے اس شہر میں لڑنا جائز نہیں تھا، میرے لیے بھی صرف دن کی ایک گھڑی کے لیے لڑنا جائز ہوا تھا۔ اس کے بعد اب پھر اللہ کی عطا کی ہوئی حرمت کی وجہ سے اس کی حرمت قیامت تک کے لیے قائم ہو گئی۔ (مسلم:3302)

(5) سیدنا ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مکہ کو اللہ تعالیٰ نے حرمت بخشی ہے، لوگوں نے اسے حرمت نہیں بخشی، لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے جائز نہیں کہ مکہ میں خون ریزی کرے اور وہاں کے درخت کاٹے، پھر اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے قتال سے رخصت کی دلیل لے تو اس سے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی، تم کو اجازت نہیں دی اور حقیقت یہ ہے کہ مجھے بھی دن کی ایک گھڑی کے لیے اجازت ملی تھی اور آج اس کی حرمت لوٹ کر ویسی ہی ہو گئی ہے جیسی کل تھی۔ (بخاری:1832)

سوال 2: رسول اللہ کو یہ خبر کب دی گئی تھی کہ تمہارے لیے اس شہر میں (جنگ) حلال ہونے والی ہے؟

جواب: رسول اللہ ہجرت سے پہلے مکہ میں مقیم تھے جب یہ سورت نازل ہوئی۔

﴿وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ﴾

''قسم ہے باپ کی اور اُس کی اولاد کی!'' (3)

سوال 1: ﴿وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ﴾ ''قسم ہے باپ کی اور اُس کی اولاد کی! اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ﴾ ''قسم ہے باپ کی اور اُس کی اولاد کی!'' سیدنا مجاہد رضی اللہ عنہ نے کہا والد سے مراد سیدنا آدم اور ولد سے مراد ان کی اولاد ہیں۔ (جامع البیان:210/30)

(2) رب العزت نے سیدنا آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی قسم کھائی ہے کہ انسان بڑی مشقت میں پیدا کیا گیا ہے۔

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ﴾

''بلاشبہ یقیناً ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے'' (4)

سوال 1: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ﴾ ''بلاشبہ یقیناً ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے'' اس آیت کی وضاحت

کریں؟

جواب:(1)﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ﴾ ''بلاشبہ یقیناً ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے۔'' یہ قسم کا جواب ہے۔

(2)﴿كَبَدٍ﴾ کا معنی جگر ہے جو مشہور عضو انسانی ہے۔اور اس لفظ میں سختی اور قوت کا مفہوم پایا جاتا ہے اور ﴿فِيْ كَبَدٍ﴾ محاورتاً استعمال ہوتا ہے اور یہ انسانی فطرت کا اظہار کرتا ہے۔انسان کے دل میں ایک خواہش پیدا ہوتی ہے۔جسے پورا کرنے کے لیے کئی طرح کے رنج والم سہتا ہے اور وہ ابھی پوری نہیں ہو پاتی کہ اتنے میں چند اور خواہشیں پیدا ہو جاتی ہیں۔وہ انہیں پورا کرنے اور رنج ومحن سہنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔اسی طرح اس کی تمام عمر بیت جاتی ہے۔(تیسیر القرآن:4/643)

(3)یعنی ہم نے انسان کو تکلیفیں اٹھاتا ہوا پیدا کیا ہے، پہلے نطفہ پھر جما ہوا خون پھر گوشت کا لوتھڑا ہوا پھر مختلف مراحل طے کرتا ہوا مکمل ہو کر پیدا ہوا پھر پیدائش کے وقت بھی تکلیفیں اٹھاتا ہے فرمایا:﴿حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا﴾ ''اُس کی ماں نے ناگواری کی حالت میں اُس کو پیٹ میں رکھا اور ناگواری کی حالت میں ہی اُس کو جنم دیا'' دودھ پلانے اور تربیت اٹھانے میں تکلیف ہی تکلیف ہے۔ (مختصر ابن کثیر:2/2219)

(4)اس میں یہ احتمال ہے کہ اس سے مراد وہ سختیاں اور مشقتیں ہیں جو انسان دنیا کے اندر برداشت کرتا ہے اور جو وہ برزخ میں اور قیامت کے دن برداشت کرے گا۔انسان کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ ایسے اعمال کے لیے کوشاں رہے جو اسے ان شدائد سے (نجات دلاکر) راحت، اس کے لیے دائمی فرحت اور سرور کا موجب بنیں۔اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو ابدالآباد تک سخت عذاب کی مشقت برداشت کرتا رہے گا۔(تفسیر السعدی:3/2949)

(5)سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے چوکھٹا خط کھینچا پھر اس کے درمیان ایک خط کھینچا جو چوکھٹے خط سے نکلا ہوا تھا اس کے بعد درمیان والے خط کے اس حصے میں جو چوکھٹے کے درمیان میں تھا چھوٹے چھوٹے بہت خطوط کھینچے اور پھر فرمایا کہ یہ انسان ہے اور یہ اس کی موت ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے اور جو (بیچ کا) خط باہر نکلا ہوا ہے وہ اس کی امید ہے اور چھوٹے چھوٹے خطوط اس کی دنیاوی مشکلات ہیں پس انسان جب ایک (مشکل) سے بچ کر نکلتا ہے تو دوسری میں پھنس جاتا ہے اور دوسری سے نکلتا ہے تو تیسری میں پھنس جاتا ہے۔(بخاری:6417)

سوال 2:انسان کو مشقت میں پیدا کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب:اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کی زندگی محنت اور مشقت سے بھری ہوئی ہے۔

﴿اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ﴾

''کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اُس پر کبھی کوئی قادر نہیں ہوگا؟''(5)

سوال1:﴿اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ﴾ ''کیاوہ خیال کرتا ہے کہ اُس پرکبھی کوئی قادر نہیں ہوگا؟''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ﴾ ''کیاوہ خیال کرتا ہے کہ اُس پرکبھی کوئی قادر نہیں ہوگا؟'' کافروں کا خیال ہے کہ زندگی بعد الموت نہیں۔جب انسان مرکر گل سڑ جاتا ہے تو پھر دوبارہ کیسے بنایا جائے گا۔ان کا خیال یہ ہے کہ وہ گل سڑ کر اللہ کے بس سے باہر ہوجاتا ہے یامال دار اپنے مال کے نشے میں لوگوں کو حقیر سمجھتا ہے اور حق تلفی سے نہیں شرماتا۔جیسے وہ یہ سمجھ رہا ہو کہ مال بڑھتا ہی رہے گا اور خوش حالی بدستور باقی رہے گی حالانکہ مال چلتی پھرتی چھاؤں ہے،حالات بدلتے دیر نہیں لگتی۔ذراسی دیر میں حکومتیں بدل جاتیں ہیں، چند پیسوں کی تو حقیقت ہی کیا ہے؟ (مختصر ابن کثیر:2/2219)

(2) یعنی انسان جن سختیوں اور محنت ومشقت کی راہوں سے گزرتا ہے اس کا مقتضاء تو یہ تھا کہ اس میں عجز و درماندگی پیدا ہوتی اور اپنے کو بستہ حکم وقضا سمجھ کر مطیع امر،تابع رضا ہوتا اور ہر وقت اپنی احتیاج وافتقار کو پیش نظر رکھتا۔لیکن انسان کی حالت یہ ہے کہ بالکل بھول میں پڑا ہے۔توکیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ کوئی ہستی ایسی نہیں جو اس پر قابو پاسکے اور اس کی سرکشی کی سزا دے سکے۔(تفسیر عثمانی:2/892)

﴿يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا﴾

''وہ کہتا ہے:''میں نے ڈھیروں مال برباد کردیا'' (6)

سوال1:﴿يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا﴾ ''وہ کہتا ہے:''میں نے ڈھیروں مال برباد کردیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا﴾ ''وہ کہتا ہے:''میں نے ڈھیروں مال برباد کردیا۔''یعنی انسان اللہ تعالیٰ کے مال کو اپنا مال سمجھتا ہے اور خرچ کرکے شیخی بگھارتا ہے کہ میں نے مال پانی کی طرح بہادیا۔وہ بھول جاتا ہے کہ جہانوں کے بادشاہ نے یہ سوال کرنا ہے کہ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ اور کس نیت سے خرچ کیا؟

(2) اللہ تعالیٰ نے شہوات اور معاصی میں مال خرچ کرنے کو''ہلاک کرنے'' سے موسوم کیا ہے، کیونکہ اس راستے میں مال خرچ کرنے والا اپنے خرچ کیے ہوئے مال سے فائدہ نہیں اٹھائے گا اور اس کو اپنے مال خرچ کرنے سے ندامت،خسارے،تھکان اور قلت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔اس شخص کے مانند نہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے بھلائی کے راستے میں خرچ کرتا ہے، کیونکہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تجارت کی اور جو کچھ اس نے خرچ کیا اس سے کئی گنا نفع اٹھایا۔(تفسیر السعدی:3/2949)

سوال 2: یہ بات کون کہتا ہے کہ میں نے بہت سامال خرچ کردیا؟

جواب: یہ بات وہ شخص کرتا ہے جو فضول کاموں میں خوب پیسہ برباد کرتا ہے۔پھر لوگوں کے سامنے فخر یہ کہتا ہے کہ میں نے بہت سامال خرچ کردیا۔

﴿اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗۤ اَحَدٌ﴾

''کیاوہ خیال کرتا ہے کہ اُس کو کسی ایک نے نہیں دیکھا؟''(7)

سوال1:﴿اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗۤ اَحَدٌ﴾''کیاوہ خیال کرتا ہے کہ اُس کو کسی ایک نے نہیں دیکھا؟''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗۤ اَحَدٌ﴾''کیاوہ خیال کرتا ہے کہ اُس کو کسی ایک نے نہیں دیکھا؟''اللہ رب العزت نے مال ہلاک کرنے والے کو تنبیہ کی ہے کہ وہ اپنے اس فعل کے بارے میں سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھتا ہے نہ وہ چھوٹے بڑے اعمال کا اس سے حساب ہی لے گا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اعمال کو دیکھا، ان کو اس کے لیے محفوظ کرلیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ہر اچھے برے عمل پر کراماً کاتبین مقرر کر دیے ہیں۔ (تفسیر السعدی:2949/3)

سوال2: فضول خرچ کے ذہن میں کیا چیز بیٹھی ہوتی ہے؟

جواب: فضول خرچ اپنے مال کا مالک، اپنی جان اور اولاد کا مالک خود کو سمجھتا ہے اس لئے وہ اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کرتا ہے۔

﴿اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ﴾

''کیا ہم نے اُس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں؟''(8)

سوال1:﴿اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ﴾''کیا ہم نے اُس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں؟''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ﴾''کیا ہم نے اُس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں؟''یعنی تمہیں یہ دو آنکھیں کس نے دیں جس کے ذریعے وہ کائنات میں غور وفکر کر کے اپنے رب کو پہچان سکتا ہے؟

سوال2: دو آنکھوں کی بات یہاں کس حوالے سے کی گئی ہے؟

جواب: یہ بات اس حوالے سے کی گئی ہے کہ جب تم اپنی دو آنکھوں سے دیکھتے ہو اور ہر چیز جسے تم دیکھتے ہو تمہارے نوٹس میں آتی ہے تو یہ بتاؤ کیا اللہ تعالیٰ تم سے زور آور نہیں؟ کیا وہ تمہیں نہیں دیکھتا؟

﴿وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ﴾

''اور ایک زبان اور دو ہونٹ''(9)

سوال1:﴿وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ﴾''اور ایک زبان اور دو ہونٹ''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ﴾''اور ایک زبان اور دو ہونٹ''یعنی اپنے دل کی بات کا اظہار کرنے کے لئے زبان کس نے عطا کی۔

(2) اور ہونٹ کس نے دیے ہیں جن سے کھانا کھانے اور بات کرنے میں مدد ملتی ہے اور چہرے کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے۔

(3) ابن عساکر میں ہے نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم میں نے بڑی بڑی بے حد نعمتیں تجھ پر انعام کیں جنہیں تو گن بھی نہیں سکتا نہ اس کے شکر کی تجھ میں طاقت ہے میری ہی یہ نعمت بھی ہے کہ میں نے تجھے دیکھنے کو دو آنکھیں دیں۔ پھر میں نے ان پر پلکوں کا غلاف بنا دیا ہے پس ان آنکھوں سے میری حلال کردہ چیزیں دیکھ اگر حرام چیزیں تیرے سامنے آئیں تو ان دونوں کو بند کر لے میں نے تجھے زبان دی ہے اور اس کا غلاف بھی عنایت فرمایا ہے میری مرضی کی باتیں زبان سے نکال اور میری منع کی ہوئی باتوں سے زبان بند کر لے میں نے تجھے شرمگاہ دی ہے اور اس کا پردہ بھی عطا فرمایا ہے حلال جگہ تو بے شک استعمال کر لیکن حرام جگہ پردہ ڈال لے، اے ابن آدم تو میری ناراضگی نہیں اٹھا سکتا اور میرے عذاب کے سہنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ (تفسیر ابن کثیر: 544)

﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾

''اور ہم نے اُس کو دو راستے بتا دیے ہیں'' (10)

سوال 1: ﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾ ''اور ہم نے اُس کو دو راستے بتا دیے ہیں۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾ ''اور ہم نے اُس کو دو راستے بتا دیے ہیں۔'' یعنی ہم نے اسے خیر و شر کے دو راستے دکھا دیے تاکہ برائی کے راستے سے بچ کر نیکی کا راستہ اختیار کیا جا سکے۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا (2) اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (3)﴾ ''ہم نے انسان کو بلاشبہ ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ ہم اسے آزمائیں، سو ہم نے اُس کو خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا بنایا۔ بلاشبہ ہم نے اُس کو راستہ دکھا دیا خواہ وہ شکر کرنے والا ہو یا ناشکرا۔'' (الدھر: 2،3)

(3) اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی کے راستوں کو واضح کر کے جو احسان کیے ہیں اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق ادا کر کے اور اس کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرے اور نافرمانیوں میں نعمتوں سے مدد نہ لے۔

﴿فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ﴾

''سو وہ دشوار گزار گھاٹی میں داخل نہیں ہوا'' (11)

سوال 1: ﴿فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ﴾ ''سو وہ دشوار گزار گھاٹی میں داخل نہیں ہوا۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ﴾ ''سو وہ دشوار گزار گھاٹی میں داخل نہیں ہوا'' اس آیت میں دو الفاظ قابل وضاحت ہیں ایک اقتحام دوسرا عقبة۔ قحم (فی الامر) بمعنی بلا سوچے کسی معاملہ میں داخل ہو جانا اور اِقْتَحَمَ (الامر) بمعنی اپنے آپ کو مشقت کے

ساتھ کسی معاملہ میں پھنسا دینا یا کسی مشکل کام میں جا گھسنا۔ اور عقبۃ بمعنی کسی پہاڑ یا گھاٹی پر چڑھنے کا دشوار گزار راستہ جو پہاڑوں کے درمیان سے گزرتا ہو اور اس لفظ سے صرف اوپر چڑھنے کا راستہ ہی مراد کیا جاتا ہے۔ نیچے اترنے کا نہیں۔ (تیسیر القرآن:644/4)

(2) یعنی وہ گھاٹی میں داخل ہوا نہ اس کو عبور کیا، کیونکہ وہ اپنی خواہشات نفس کی پیروی کرنے والا ہے اور یہ گھاٹی اس کے لیے بہت سخت ہے۔ (تفسیر السعدی:2950/3)

(3) عقبہ دوزخ کے ایک پھسلن والے پہاڑ کا نام ہے جس کے ستر درجے ہیں۔ یہ داخلے کی بڑی بھاری گھاٹی ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے آسانی سے پار ہوا جا سکتا ہے۔ خصوصاً یہ بڑے عمل اس کی دشواریوں سے نجات دلا سکتے ہیں۔ کہ کسی کی گردن چھڑا دو یعنی غلام ہے تو آزاد کر دو، قرض دار ہے تو قرضہ ادا کر دو۔ اور اللہ تعالیٰ کے واسطے غربا اور مسکینوں کو کھانا کھلاتے رہو۔ یہی راہ خیر و نجات ہے، اسی پر چلنا چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کسی مسلمان کو آزاد کرنے سے اللہ تعالیٰ آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو آزاد کیے جانے والے کے ہر عضو کے بدلے جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ ہاتھ کے بدلے ہاتھ کو، پاؤں کے بدلے پاؤں کو اور شرم گاہ کے بدلے شرم گاہ کو۔ (بخاری، مسند احمد) زین العابدین نے یہ سن کر دس ہزار کا ایک غلام آزاد کر دیا تھا۔ (مسلم) (مختصر ابن کثیر:2221/2)

(4) اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا اور بخل سے بچنا اگرچہ دشوار ہے، کہ خواہش نفس کے خلاف ہے، لیکن یہ آخرت کی دشواریوں کو آسان کرنے والا عمل ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ﴾ ''اگر وہ تم سے تمہارا (سارا) مال مانگے اور اصرار کے ساتھ مانگے تو تم بخل کرنے لگ جاؤ گے اور وہ تمہارے دلوں کے کینوں کو باہر نکال دے گا۔ سنو تم وہ لوگ ہو کہ تمہیں بلایا جاتا ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو تو تم میں سے بعض لوگ بخل کرتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے پس وہ اپنے آپ ہی سے بخل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ غنی ہے اور تم محتاج ہو اور اگر تم منہ موڑو گے تو وہ تمہارے علاوہ کسی دوسری قوم کو بدل لائے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔'' (محمد:37،38)

(5) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو یہ کہتے سنا کہ بخیل اور خرچ کرنے والے کی مثال ایسے دو شخصوں کی سی ہے جن کے بدن پر لوہے کے دو کرتے ہوں چھاتیوں سے ہنسلی تک۔ جب خرچ کرنے کا عادی (سخی) خرچ کرتا ہے تو اس کے تمام جسم کو (وہ کرتہ) چھپا لیتا ہے یا (راوی نے یہ کہا کہ) تمام جسم پر وہ پھیل جاتا ہے اور اس کی انگلیاں اس میں چھپ جاتی ہیں اور چلنے میں اس کے پاؤں کا نشان مٹتا جاتا ہے لیکن بخیل جب بھی خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کرتے کا ہر حلقہ اپنی جگہ سے چمٹ جاتا ہے۔ بخیل اسے کشادہ کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ کشادہ نہیں ہو پاتا۔ (بخاری:1443)

سوال 2: دشوار گزار گھاٹی سے کیا مراد ہے؟

جواب: دشوار گزار گھاٹی سے مراد نیکی کے کام ہیں جن کو شیطان وسوسے ڈال ڈال کر بھاری بنا دیتا ہے۔ پھر جیسے گھاٹی چڑھنے کے لئے سخت تکلیف ہوتی ہے ایسے ہی خواہشات کے تقاضوں کے خلاف سخت جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔

﴿وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الۡعَقَبَةُ﴾

''اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟'' (12)

سوال 1: ﴿وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الۡعَقَبَةُ﴾ ''اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الۡعَقَبَةُ﴾ ''اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟'' یہ بات مزید توجہ دلانے کے لئے کہی گئی ہے تا کہ اپنے طرزِ عمل پر غور کریں۔

(2) یہ گھاٹیاں دراصل اخلاقی بلندیاں ہیں، اور ان پر چڑھنے کا رستہ دشوار گزار اس لحاظ سے ہے کہ ایسے راستے عموماً انسان کی خواہش کے خلاف اور طبیعت کے لئے ناگوار اور گراں بار ہوتے ہیں۔ (تیسیر القرآن: 644/4)

﴿فَكُّ رَقَبَةٍ﴾

''کسی گردن کا چھڑانا'' (13)

سوال 1: ﴿فَكُّ رَقَبَةٍ﴾ ''کسی گردن کا چھڑانا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَكُّ رَقَبَةٍ﴾ ''کسی گردن کا چھڑانا'' اس گھاٹی پر چڑھنے کے چار کاموں کا تعلق اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنے سے ہے۔ جو عموماً انسان کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ وہ انسان جو مال خرچ کر کے شیخی بگھارتا رہتا ہے کہ میں نے اتنا اتنا مال خرچ کر دیا اب اس کو بتایا جا رہا ہے کہ مال خرچ کرنا ہے تو بہترین راستے کون سے ہیں۔

(2) پہلا راستہ ﴿فَكُّ رَقَبَةٍ﴾ ''کسی گردن کا چھڑانا'' یعنی کسی غلام کو غلامی سے آزاد کرنا، یا مکاتبت کی رقم کی ادائیگی میں مکاتب کی مدد کرنا۔ اور افضل یہ ہے کہ اس مسلمان قیدی کو چھڑایا جائے جو کفار کی قید میں ہے۔ (تفسیر السعدی: 2950/3)

(3) انسان اگر آخرت کے اجر کی اُمید نہ رکھتا ہو تو وہ ایسی جگہ مال لگانا چاہتا ہے جہاں اسے کوئی فوری فائدہ مل رہا ہو۔ غلام آزاد کرنا ایک ایسا کام ہے جہاں بظاہر دنیا کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا اس لئے غلام کی آزادی کی خاطر خرچ کرنا مشکل گھاٹی ہے۔

(4) سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ سے عرض کی، آپ ہمیں ایک ایسی حدیث سنائیں جسے آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہو اور اس میں کمی بیشی اور وہم نہ ہو۔ تو آپ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جس شخص کے اسلام کی حالت میں تین بچے پیدا ہوئے اور وہ سن بلوغت کو پہنچنے سے پہلے ہی فوت ہو گئے تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت کی وجہ سے اسے بھی جنت میں

داخل فرمادے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں بوڑھا ہوا تو یہ بڑھاپا روزِ قیامت اس کے لیے نور ہوگا اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں (جہاد کرتے ہوئے) ایک تیر پھینکا، خواہ وہ دشمن کو لگا یا نہ لگا، تو اسے ایک گردن آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا، اور جس نے ایک مومن گردن کو آزاد کردیا تو اللہ تعالیٰ اس کے ایک عضو کے بدلے میں اس کے ایک ایک عضو کو جہنم کی آگ سے آزاد عطا فرمادے گا اور جس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں (کسی چیز کا) ایک جوڑا خرچ کیا تو بلاشبہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں، یہ ان میں سے جس دروازے سے بھی داخل ہونا چاہے گا اللہ تعالیٰ اسے داخل فرمادے گا۔ (مسند احمد:19456)

(5) سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں کہ جن کو دوہرا ثواب دیا جائے گا: ایک تو وہ آدمی جو اہلِ کتاب میں سے ہو، اپنے نبی پر ایمان لایا ہو، اس نے نبی ﷺ کا زمانہ پایا اور آپ ﷺ پر بھی پورا ایمان لایا، آپ ﷺ کی پیروی اور تصدیق کی تو اس کے لیے دوہرا ثواب ہے اور ایک وہ آدمی ہے جس کے پاس ایک باندی ہو، اسے اچھی طرح کھلائے پلائے، اس کی اچھے طریقے سے تعلیم و تربیت کرے، اس کے بعد اسے آزاد کرکے اس سے نکاح کرلے تو اس کے لیے بھی دوہرا ثواب ہے۔ (مسلم:387)

(6) علی بن حسین کے ساتھی سعید بن مرجانہ نے بیان کیا اور ان سے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے بھی کسی مسلمان کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس غلام کے جسم کے ہر عضو کی آزادی کے بدلے اس شخص کے جسم کے بھی ایک ایک عضو کو دوزخ سے آزاد کرے گا۔ سعید بن مرجانہ نے بیان کیا کہ پھر میں علی بن حسین (زین العابدین) کے یہاں گیا وہ اپنے ایک غلام کی طرف متوجہ ہوئے جس کی عبداللہ بن جعفر دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار قیمت دے رہے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ نے اسے آزاد کردیا۔ (بخاری:2517)

﴿أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ﴾

''یا بھوک والے دن کھانا کھلانا'' (14)

سوال1: ﴿أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ﴾ ''یا بھوک والے دن کھانا کھلانا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ﴾ ''یا بھوک والے دن کھانا کھلانا'' یعنی قحط کے دنوں میں لوگوں کو کھانا کھلایا جائے اور انہیں غلہ فراہم کیا جائے۔

(2) یا سخت بھوک کے دن، سخت حاجت کے وقت ان لوگوں کو کھانا کھلانا جو سب سے زیادہ ضرورت مند ہیں۔ (تفسیر السعدی:2950/3)

(3) اگر آخرت پر یقین پختہ نہ ہو تو انسان مال کے بارے میں یہ نقطۂ نظر رکھتا ہے کہ اس سے مزید نفع کمایا جائے۔ لہٰذا اس مال سے وہ ایسے کام کرنا چاہتا ہے جس کی وجہ سے اُس کو فائدہ ہو۔ وہ مال لگا کر اگر تجارتی نفع نہیں بھی حاصل کرتا تب بھی وہ خرچ کرتے ہوئے یہ چاہتا ہے

کہ کسی بھی اعتبار سے فائدہ ہو جائے مثلاً کھانا کھلا کر تعلقات بنانا چاہتا ہے، کھانے کے بدلے میں کھانا کھلانا چاہتا ہے، اپنی شہرت چاہتا ہے جب کہ کسی بھوکے کو کھانا کھلانے سے یہ مقاصد پورے نہیں آتے۔ آخرت کے اجر کی توقع نہ ہونے کی وجہ سے انسان کے لئے بھوکے کی بھوک مٹانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے اسے مشکل گھاٹی کہا ہے۔

سوال 2: فاقے کے دن کھانا کھلانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد بھوکے کی بھوک مٹانا ہے خواہ وہ رشتے دار ہو یا غیر رشتہ دار۔

﴿يَّتِيۡمًا ذَا مَقۡرَبَةٍ﴾

''کسی رشتہ دار یتیم کو'' (15)

سوال 1: ﴿يَّتِيۡمًا ذَا مَقۡرَبَةٍ﴾ ''کسی رشتہ دار یتیم کو'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَّتِيۡمًا ذَا مَقۡرَبَةٍ﴾ ''کسی رشتہ دار یتیم کو'' یعنی بھوک کے وقت یتیم رشتے دار کو کھلاؤ۔

(2) اس کا یتیم ہونا، محتاج اور رشتے دار ہونا، یہ سب امور اس میں یکجا ہیں۔ (تفسیر السعدی: 2950/3)

(3) رشتہ دار کے بارے میں شیطان وسوسے زیادہ ڈالتا ہے۔

(4) نبی ﷺ نے فرمایا: محتاج کو دینے میں صدقہ ہے اور رشتے دار کو دینے میں دہرا ثواب ہے۔ صدقہ بھی اور صلہ رحمی بھی۔
(ابن ماجہ: 1844، ترمذی: 658)

(5) یتیم کی خدمت کرنا ثواب اور قرابتداروں کے ساتھ سلوک کرنا بھی ثواب، جہاں دونوں جمع ہو جائیں تو دوہرا ثواب ہوگا۔ (تفسیر عثمانی: 893/2)

(6) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے، بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیواؤں اور مسکینوں کے لیے کوشش کرنے والا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔ (عبداللہ قعنبی کو اس میں شک ہے۔) امام مالک رحمہ اللہ نے اس حدیث میں یہ بھی کہا تھا اس شخص کے برابر ثواب ملتا ہے جو نماز میں کھڑا رہتا ہے، تھکتا ہی نہیں اور اس شخص کے برابر جو برابر روزے رکھتا چلا جاتا ہے، افطار ہی نہیں کرتا۔ (صحیح بخاری: 6007)

﴿اَوۡ مِسۡكِيۡنًا ذَا مَتۡرَبَةٍ﴾

''یا خاک نشین محتاج کو'' (16)

سوال 1: ﴿اَوۡ مِسۡكِيۡنًا ذَا مَتۡرَبَةٍ﴾ ''یا خاک نشین محتاج کو'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَوۡ مِسۡكِيۡنًا ذَا مَتۡرَبَةٍ﴾ ''یا خاک نشین محتاج کو'' ایسے محتاج کو دیں جس کا گھر نہ ہو۔ راستے میں پڑا ہو، بستر نہ ہو، مقروض، بھوکا یا مسافر ہو۔ کوئی اسے دینے کے لئے تیار نہ ہو یا بچوں والا ہو۔

(2) ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا کریں، رہنے کو گھر، سونے کو بستر، کھانے کو غذا اور پہننے کو لباس دیں۔ یہی کام انسان کو بلند درجات پر پہنچانے والے ہیں۔

(3) سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں یوں ہوں گے اور آپ ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو باہم ملایا۔ (صحیح بخاری:6005)

﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ﴾

''پھر یہ کہ وہ اُن لوگوں میں ہو جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو رحم کرنے کی نصیحت کی'' (17)

سوال1: ﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ﴾ ''پھر یہ کہ وہ اُن لوگوں میں ہو جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو رحم کرنے کی نصیحت کی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ ''پھر یہ کہ وہ اُن لوگوں میں ہو جو ایمان لائے'' اللہ رب العزت نے مکارم اخلاق کی ترغیب دلائی ہے جو انسان کو بلند درجات تک پہنچاتے ہیں تو اس کی قبولیت کے لئے معیار بھی بتا دیا کہ مکارم اخلاق کے ساتھ دل میں ایمان اور ثواب کی امید ہو تو یہ نیک اعمال قبول ہوں گے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا﴾ ''اور جس نے آخرت کا ارادہ کیا اور اس کے لیے اس کے لائق کوشش کی، جب کہ وہ مؤمن ہو تو یہی لوگ ہیں جن کی کوشش ہمیشہ سے قابل قدر ہے۔'' (بنی اسرائیل:19)

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ''جو شخص نیک عمل کرے خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو اسے ہم ضرور زندگی دیں گے، پاکیزہ زندگی اور ہم ضرور بدلے میں اُن کا اجر زیادہ اچھا دیں گے جو وہ عمل کرتے تھے۔'' (النحل:97)

(3) یعنی وہ ان چیزوں پر اپنے دل سے ایمان لائے جن پر ایمان لانا واجب ہے اور نیک عمل کیے، اس میں ہر واجب یا مستحب قول و فعل داخل ہے۔ (تفسیر السعدی:2950/3)

(4) یعنی پھر ان سب اعمال کے مقبول ہونے کی سب سے بڑی شرط ایمان ہے۔ (تفسیر عثمانی:893/2)

(5) اس آیت سے بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک یہ کہ انسان کتنے ہی اچھے اعمال بجا لائے جب تک ایمان والا نہ ہو، اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ اس کے اعمال آخرت میں کسی کام نہیں آئیں گے بلکہ برباد ہو جائیں گے دوسرے یہ کہ ایمان لانا ہی کافی نہیں بلکہ

باقی ایمان داروں کا ساتھ دینا بھی ضروری ہے تا کہ اسلام کو غالب کرنے اور غالب رکھنے کے راستے میں جو مشکلات پیش آتی ہیں ان کی اجتماعی طور پر مدافعت کی جائے۔ تیسری یہ کہ اسلام کی نظر میں اجتماعی زندگی ہی پسندیدہ زندگی ہے تا کہ اسلامی معاشرے کے سب افراد ایک دوسرے کے دکھ درد اور رنج وراحت میں شریک ہوسکیں۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری ؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایسا ہے جیسے عمارت کا ایک حصہ دوسرے کو تھامے رہتا ہے۔'' اور اپنی انگلیوں کو قینچی کی طرح کرلیا (یعنی ملالیا)۔ (بخاری:6026)

(6) نعمان بن بشیر بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: تم مومنوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحمت ومحبت کا معاملہ کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ لطف ونرم خوئی میں ایک جسم جیسا پاؤ گے کہ جب اس کا کوئی ٹکڑا بھی تکلیف میں ہوتا ہے تو سارا جسم تکلیف میں ہوتا ہے کہ نیند اڑ جاتی ہے اور جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (صحیح بخاری:6011)

(7) ﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ ''اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی'' یعنی مسلمان صرف خود صبر نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کرتے ہیں۔ مسلمان کی پوری زندگی صبر ہی صبر ہے اسلام کے راستے میں پیش آنے والی مشکلات پر صبر کرنا، اللہ تعالیٰ کے احکامات کا پابند رہنا بھی صبر ہے۔

(8) اور وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے، اس کی نافرمانی سے رک جانے اور تکلیف دہ تقدیر پر صبر کرنے کی ایک دوسرے کو تلقین کرتے رہے، یعنی وہ ایک دوسرے کو ترغیب دیتے تھے کہ ان احکام کی اطاعت کی جائے اور ان پر کامل طور پر، انشراح صدر اور اطمینان نفس کے ساتھ عمل کیا جائے۔ (تفسیر السعدی 2950/3)

(9) ﴿وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ﴾ ''اور ایک دوسرے کو رحم کرنے کی نصیحت کی'' یعنی فقراء اور مساکین پر رحم کرنے کی وصیت کر رہے ہیں۔ (ایسر التفاسیر:1761)

(10) یعنی محتاجوں کو عطا کرنے، اپنے جاہلوں کو تعلیم دینے، ان کے ان معاملات کا ہر لحاظ سے انتظام کرنے جن کے وہ ضرورت مند ہیں، ان کے دینی اور دنیاوی مصالح میں ان کی مدد کرنے کے لیے ایک دوسرے کو وصیت کرتے رہے، نیز وہ یہ بھی وصیت کرتے رہے کہ وہ ان کے لیے وہی چیز پسند کریں جو اپنے لیے پسند کرتے ہیں اور جو چیز اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں ان کے لیے بھی ناپسند کریں۔ (تفسیر السعدی:2950/3)

(11) سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رحم کرنے والوں پر رحمان بھی رحم کرتا ہے۔ زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔'' (ابوداؤد:4941)

(12) سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو لوگوں پر رحم نہیں کھاتا اللہ بھی اس پر رحم نہیں کھاتا۔ (بخاری:7376)

(13) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' آپس میں بغض نہ رکھو، حسد نہ کرو، پیٹھ پیچھے کسی کی برائی نہ کرو بلکہ اللہ کے بندے آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو اور کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ ایک بھائی کسی بھائی سے تین دن سے زیادہ کلام چھوڑ

کررہے۔'' (صحیح بخاری:6065)

(14) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص راستہ میں چل رہا تھا کہ اسے شدت کی پیاس لگی اسے ایک کنواں ملا اور اس میں اتر کر پانی پیا جب باہر نکلا تو وہاں ایک کتا دیکھا جو ہانپ رہا تھا اور پیاس کی وجہ سے تری کو چاٹ رہا تھا اس شخص نے کہا کہ یہ کتا بھی اتنا ہی پیاسا معلوم ہورہا ہے جتنا میں تھا چنانچہ وہ پھر کنوئیں میں اترا اور اپنے جوتے میں پانی بھرا اور منہ سے پکڑ کر اوپر لایا اور کتے کو پانی پلایا اللہ نے اس کے اس عمل کو پسند فرمایا اور اس کی مغفرت کردی صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہمیں جانوروں کے ساتھ نیکی کرنے میں بھی ثواب ملتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں ہر تازہ کلیجے والے پر نیکی کرنے میں ثواب ملتا ہے۔'' (صحیح بخاری:6009)

سوال 2: اہلِ ایمان کی کیا صفات ہیں؟

جواب: (1) ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنا۔ (2) ایک دوسرے کو رحم دِلی کی تلقین کرنا۔

﴿أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ﴾

''یہی لوگ دائیں (بازو) والے ہیں'' (18)

سوال 1: ﴿أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ﴾ ''یہی لوگ دائیں (بازو) والے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ﴾ ''یہی لوگ دائیں (بازو) والے ہیں'' یہی لوگ مومن اور متقی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے گھاٹی سے گزرنے کی توفیق دی ہے۔

(2) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ حقوق العباد کو بھی ادا کیا اور ان کاموں کو چھوڑ دیا جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا تھا۔

(3) یعنی یہ لوگ بڑے خوش نصیب اور میمون و مبارک ہیں جن کو عرش عظیم کے دائیں جانب جگہ ملے گی اور ان کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی:893,894/2)

سوال 2: دائیں بازو والے کون ہیں؟

جواب: جن کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں پکڑائے جائیں گے۔

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ﴾

''اور جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کیا وہی بائیں بازو والے ہیں'' (19)

سوال 1: ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ﴾ ''اور جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کیا وہی بائیں بازو والے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ ''اور جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کیا'' یعنی جنھوں نے ہماری آیات، ہمارے دلائل، ہماری کتابوں اور رسولوں کا انکار کیا۔ (جامع البیان:223/30)

(2) جنھوں نے ان مذکورہ امور کو اپنی پیٹھ پیچھے پھینک کر ہماری آیتوں سے کفر کیا، انھوں نے اللہ تعالیٰ کی تصدیق کی نہ وہ اس پر ایمان لائے، نہ نیک عمل کیے اور نہ اللہ کے بندوں پر رحم ہی کیا۔ (تفسیر السعدی:2951/3)

(3)﴿هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ﴾ ''وہی بائیں بازو والے ہیں۔'' یہی لوگ کافر و فاجر ہیں۔ (ایسر التفاسیر:1761)

(4) یعنی بدنصیب منحوس، شامت زدہ جن کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور عرش کے بائیں طرف کھڑے کیے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی:894/2)

﴿عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ﴾

''اُن پر بند کی ہوئی آگ ہوگی'' (20)

سوال1:﴿عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ﴾ ''اُن پر بند کی ہوئی آگ ہوگی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ﴾ ''اُن پر بند کی ہوئی آگ ہوگی'' یہ اپنی شامت اعمال کے نتیجے میں جہنم میں پھینک دیے جائیں گے اور اس کے دروازے بند کر دیے جائیں گے۔

(2) یعنی وہ آگ بڑے بڑے ستونوں میں بند کی گئی ہوگی جو اس آگ کے پیچھے کھڑے کیے گئے ہوں گے تاکہ جہنم کے دروازے کھل نہ سکیں اور (مجرمین) تنگی اور سختی میں مبتلا رہیں۔ (تفسیر السعدی:2951/3)

(3) رب العزت نے فرمایا:﴿وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ (41) فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ (42) وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ (43) لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ (44) اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ (45) وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ (46) وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اَىِٕذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ (47) اَوَاٰبَاۗؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ (48)﴾ ''اور بائیں ہاتھ والے، کیا ہی بُرے ہیں بائیں ہاتھ والے! وہ انتہائی گرم ہوا اور کھولتے ہوئے پانی میں۔ اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے۔ نہ ہی ٹھنڈا ہے اور نہ ہی باعزت ہے۔ اس سے پہلے بلاشبہ وہ نعمتوں میں پالے ہوئے تھے۔ اور وہ بہت بڑے گناہ (شرک) پر اصرار کیا کرتے تھے۔ اور وہ کہا کرتے تھے: ''کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے، تو کیا واقعی ہم ضرور اُٹھائے جانے والے ہوں گے؟ اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا بھی؟'' (الواقعہ:41,48)

(4) جہنم کی آگ میں نہ روشنی ہوگی نہ روشن دان اور نہ وہ وہاں سے نکلیں سکیں گے۔ نہ انہیں کبھی آسمان دکھائی دے گا، نہ ان کے پاؤں کہیں ٹکیں گے، نہ کبھی آرام ملے گا۔ استغفر اللہ۔ (اللّٰھم اجرنا من خزی النار)

اٰیاتھا ۱۵ ۹۱ سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ ۲۶ رکوعھا ۱

سوال 1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ اس کا ایک رکوع اور 15 آیات ہیں۔

سوال 2: ترتیب نزولی اور مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کون سا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے 91 نمبر پر ہے۔ اور ترتیب نزولی کے اعتبار سے یہ 26 سورت ہے۔

سوال 3: اس سورت کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لمبی قراءت کرنے کی شکایت پر معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تو نے ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى﴾ اور ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا﴾ اور ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى﴾ کے ساتھ نماز کیوں نہ پڑھا دی؟ (بخاری:705، مسلم:1040)

رکوع نمبر 16

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا﴾

''قسم ہے سورج اور اُس کی دھوپ کی!'' (1)

سوال 1: ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا﴾ ''قسم ہے سورج اور اُس کی دھوپ کی!'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے ذریعے کامیاب، متقی نفس اور فاسق وفاجر نفوس پر قسم کھائی ہے۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا﴾ ''قسم ہے سورج اور اُس کی دھوپ کی!'' ضحیٰ کے معنی چاشت کا وقت بھی ہے جب سورج خاصا بلند ہوجاتا ہے اور اس وقت کی دھوپ بھی جبکہ روشنی کے علاوہ سورج کی گرمی بھی اہل زمین کو متاثر کرنا شروع کر دیتی ہے۔ (تیسیر القرآن:4/647)

(3) رب العزت نے سورج اس کی حرارت، اس کی روشنی اور اس سے حاصل ہونے والے فائدوں کی قسم کھائی ہے۔

﴿وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا﴾

''اور چاند کی جب وہ اُس کے پیچھے آئے!'' (2)

سوال 1: ﴿وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا﴾ ''اور چاند کی جب وہ اُس کے پیچھے آئے!'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا﴾ ''اور چاند کی جب وہ اُس کے پیچھے آئے!''

(2) ﴿تلی﴾ بمعنی کسی چیز کا کسی دوسری چیز کے پیچھے آنا اور بار بار آتے رہنا۔ یعنی مہینے کے ایام ایسے ہوتے ہیں کہ سورج ڈوبنے کے بعد چاند نکل آتا ہے۔ (تیسیر القرآن: 647/4)

(3) یعنی چاند کی قسم جو سورج یا دن کے پیچھے آئے۔

(4) چاند اپنی روشنی میں بھی سورج کے پیچھے چلتا ہے اور منازل میں بھی۔ رب العزت نے چاند کے سورج کے پیچھے چلنے کی قسم کھائی ہے۔

﴿وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا﴾

''اور دن کی جب کہ وہ سورج کو ظاہر کر دے!'' (3)

سوال 1: ﴿وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا﴾ ''اور دن کی جب کہ وہ سورج کو ظاہر کر دے!'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا﴾ ''اور دن کی جب کہ وہ سورج کو ظاہر کر دے!'' یعنی دن کے وقت جب سورج زمین پر تمام چیزوں کو روشن کر دیتا ہے۔

سوال 2: دن سورج کو کیسے نمایاں کرتا ہے؟

جواب: دن رات کی تاریکی کو دور کر کے سورج کو نمایاں کرتا ہے۔

﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا﴾

''اور رات کی جب وہ اُسے ڈھانپ دے!'' (4)

سوال 1: ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا﴾ ''اور رات کی جب وہ اُسے ڈھانپ دے!'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا﴾ ''اور رات کی جب وہ اُسے ڈھانپ دے!'' اور رات کی قسم جب وہ زمین کو ڈھانپ کر اسے تاریک کر دے۔

(2) جب وہ تمام سطح زمین کو ڈھانپ لے اور زمین پر موجود ہر چیز تاریک ہو جائے۔ اس عالم میں اندھیرے اور اجالے، سورج اور چاند کا ایک نظم اور مہارت کے ساتھ، بندوں کے مصالح کے قیام کے لیے، ایک دوسرے کا تعاقب کرنا اس حقیقت کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے، وہ اکیلا معبود ہے جس کے سوا ہر معبود باطل ہے۔ (تفسیر السعدی: 2951،2952/3)

سوال 2: رات کس کو ڈھانپ لیتی ہے؟

جواب: رات سورج کو ڈھانپ لیتی ہے اور ہر طرف تاریکی ہو جاتی ہے۔

﴿وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا﴾

''اور آسمان کی اور اُس ذات کی جس نے اسے بنایا ہے!'' (5)

سوال 1: ﴿وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا﴾ ''اور آسمان کی اور اُس ذات کی جس نے اسے بنایا ہے!'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا﴾ ''اور آسمان کی اور اُس ذات کی جس نے اسے بنایا ہے!'' یعنی آسمان اور اس کے بنانے کی قسم! جس نے اسے بڑی شان اور عظمت والا بنایا ہے۔ جو مضبوط اور خوب صورت ہے۔ جس کو رب العزت نے مہارت کے ساتھ بنایا ہے۔

(2) ﴿فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ﴾ ''پھر نہ انہوں نے کسی طرح کھڑے ہونے کی طاقت پائی اور نہ ہی وہ بدلہ لینے والے تھے۔'' (الذریات:45)

﴿وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا﴾

''اور زمین کی اور اُس ذات کی جس نے اسے بچھایا!'' (6)

سوال 1: ﴿وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا﴾ ''اور زمین کی اور اُس ذات کی جس نے اسے بچھایا!'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا﴾ ''اور زمین کی اور اُس ذات کی جس نے اسے بچھایا!'' یعنی زمین بچھانے کی قسم جس کو اس طرح پھیلا دیا گیا کہ وہ رہنے کے قابل بھی بن جائے۔

(2) زمین کو بچھانے والے کی قسم جس نے اس کو رہنے اور بود و باش کے قابل بنایا کہ وہ رہائش کے قابل بھی ہے اور اس میں سے رزق بھی فراہم ہوتا ہے۔

﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا﴾

''اور نفس کی اور اُس ذات کی جس نے اُسے درست کیا!'' (7)

سوال 1: ﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا﴾ ''اور نفس کی اور اُس ذات کی جس نے اُسے درست کیا!'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا﴾ ''اور نفس کی اور اُس ذات کی جس نے اُسے درست کیا!'' یعنی نفس کے ٹھیک ٹھاک اور فطرت پر قائم ہونے کی حالت میں نفس کے پیدا کرنے یا پیدا کرنے والے کی قسم۔ (مختصر ابن کثیر 2/2222) ﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ

الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ۭ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ ''چنانچہ آپ یکسو ہو کر اپنا رخ دین پر قائم رکھیں، اللہ تعالیٰ کی فطرت ہے جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں، یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' (الروم:30)

(2) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔'' (بخاری:1358) جیسے جانور کا بچہ صحیح پیدا ہوتا ہے، کیا تم نے کوئی بچہ کن کٹا دیکھا ہے؟ (بخاری، مسلم)

(3) نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں نے بندوں کو حنیف پیدا کیا، پھر شیطانوں نے ان کو ان کے دین سے گمراہ کر دیا اور جو چیزیں میں نے ان کے لئے حلال کی تھیں، وہ ان پر حرام کر دیں۔'' (صحیح مسلم)

(4) نفس ایک بہت بڑی نشانی ہے جو اس قسم کو حق ثابت کرتی ہے۔ کیونکہ نفس انتہائی لطیف اور خفیف ہے۔ منتقل ہونے، حرکت، تغیر و تبدل، تاثیر اور انفعالات نفسیہ مثلاً ہم اور غم، ارادہ، قصد، محبت اور نفرت میں بہت تیز ہے۔ اگر نفس نہ ہو تو بدن مجرد بت ہے، جس کا کوئی فائدہ نہیں اور اس ہیئت میں اس کو درست کرنے جو اس وقت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ (تفسیر السعدی 2952/3)

سوال 2: درست کرنے کا مطلب کیا ہے؟

جواب: اس کا مطلب ہے (1) اعضاء کو متناسب بنانا۔ (2) ہر طرح کی صلاحیتیں عطا کرنا (3) نفس کو درست کرنا۔

﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا﴾

''پھر اُس کی بدی اور اس کا تقویٰ اُس کے دل میں ڈال دیا'' (8)

سوال 1: ﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا﴾ ''پھر اُس کی بدی اور اس کا تقویٰ اُس کے دل میں ڈال دیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا﴾ ''پھر اُس کی بدی اور اس کا تقویٰ اُس کے دل میں ڈال دیا'' مفسرین کہتے ہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سات چیزوں کی قسم کھا کر اپنی قدرت کی عظمت اور اپنی الوہیت میں یکتا ہونے کا اظہار کیا ہے۔ (صفوۃ التفاسیر 538/3)

(2) ﴿فَاَلْهَمَهَا﴾ ''اس کے دل میں ڈال دیا'' الہام کے معنی وہ بات ہے جو اللہ تعالیٰ ملاء اعلیٰ کی جانب سے بغیر کسی واسطہ کے دل میں ڈال دی جائے اور بمعنی سمجھ اور بصیرت عطا فرمانا۔ توفیق دینا، الہام شیطان کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے جبکہ وہ نصوص میں شرعیہ کے خلاف ہو۔ وحی اور الہام میں بنیادی فرق یہی ہے کہ الہام کا اطلاق صرف ذوی العقول پر ہوتا ہے جبکہ وحی عام ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ الہام کا تعلق کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے سے ہوتا ہے۔ جبکہ وحی میں بہت زیادہ وسعت ہوتی ہے۔ (تیسیر القرآن 648/4)

(3) سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں تم سے وہی کہوں گا جو آپ ﷺ فرماتے تھے کہ اے اللہ تعالیٰ! میں عاجزی، سستی، بزدلی، بخیلی،

بڑھاپے اور قبر کے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ عطا فرما اور اس کو پاک کر دے کہ تو اس کا بہتر پاک کرنے والا ہے، تو اس کا آقا اور مولیٰ ہے۔ اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو فائدہ نہ دے، اس دل سے جو تیرے سامنے نہ جھکے، اس نفس سے جو سیر نہ ہو اور اس دعا سے جو قبول نہ ہو۔ (مسلم:6906)

(4) پھر نیکی اور بدی ڈالنے اور تقدیر میں لکھے ہوئے کاموں کی طرف راہ نمائی کرنے یا کروانے کی قسم۔

(5) اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں خیر و شر کی اور نیکی بدی کی تمیز رکھ دی ہے۔ اسی وجہ سے انسان کا ضمیر اسے تنبیہ کرتا ہے اور بھلائی کر کے انسان خوش اور برائی کر کے بعض اوقات ندامت ہوتی ہے۔ یہ برائی بھلائی میں امتیاز کرنا ایک حقیقت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانی معاشرہ بھی خیر و شر کے تصور سے خالی نہیں رہا ہے۔

﴿قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا﴾

”یقیناً کامیاب ہو گیا وہ جس نے اُسے پاک کیا“ (9)

سوال 1: ﴿قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا﴾ ”یقیناً کامیاب ہو گیا وہ جس نے اُسے پاک کیا“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا﴾ ”یقیناً کامیاب ہو گیا وہ جس نے اُسے پاک کیا“ جس نے اپنے نفس کو کفر اور شرک سے، فاسد عقائد سے اور اخلاق رذیلہ سے پاک کر لیا وہ پاک ہو گیا۔ (تیسیر القرآن:648/4)

(2) یعنی جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کیا، عیوب سے صاف کیا۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ذریعے سے اس کو ترقی دی اور علم نافع اور عمل صالح کے ذریعے سے اس کو بلند کیا وہ کامیاب ہوا۔ (تفسیر السعدی:295/2)

(3) یعنی جس نے فرمانبرداری کر کے برے اخلاق سے دل کو پاک کر لیا وہ کامیاب ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰى (١٤) وَذَكَرَ اسۡمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (١٥)﴾ ”یقیناً کامیاب ہو گیا وہ جو پاک ہو گیا۔ اور اس نے اپنے رب کا نام یاد کیا، پھر اس نے نماز پڑھی۔“ (الاعلیٰ:15,14)

(4) ابن عباس فرماتے ہیں رسول ﷺ ﴿وَتَقۡوٰىهَا﴾ پڑھ کر ذرا ٹھہر جاتے اور یہ پڑھتے۔ ﴿اَللّٰهُمَّ آتِ نَفۡسِيۡ تَقۡوَاهَا وَزَكِّهَا اَنۡتَ خَيۡرُ مَنۡ زَكَّاهَا، اَنۡتَ وَلِيُّهَا وَمَوۡلَاهَا﴾ ”اے اللہ! میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا فرمایئے اور اس کا تزکیہ فرما دیجئے آپ اس کا بہترین تزکیہ نفس فرمانے والے ہیں آپ اس کے داست اور کارساز ہیں“ (مسلم)

(5) جس نے اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ذریعے پاک کیا وہ کامیاب ہو گیا۔

﴿وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىهَا﴾

”اور یقیناً نامراد ہوا وہ جس نے اُسے مٹی میں دبا دیا“ (10)

سوال 1: ﴿وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ ''اور یقیناً نامراد ہوا وہ جس نے اُسے مٹی میں دبا دیا۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ ''اور یقیناً نامراد ہوا وہ جس نے اُسے مٹی میں دبا دیا۔'' خاک میں ملا چھوڑنے سے مراد ہے کہ نفس کی باگ یکسر شہوت وغضب کے ہاتھ میں دے دے۔ عقل وشرع سے کچھ سروکار نہ رکھے۔ گویا خواہش اور اھواء کا بندہ بن جائے۔ ایسا آدمی جانوروں سے بدتر اور ذلیل ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے سورج کی دھوپ اور چاند کی چاندنی دن کا اجالا، اور رات کا اندھیرا، آسمان کی بلندی اور زمین کی پستی کو ایک دوسرے کے مقابل پیدا کیا اور نفس انسانی میں خیر وشر کی متقابل قوتیں رکھیں اور دونوں کو سمجھنے اور ان پر چلنے کی قدرت دی۔ اسی طرح متضاد ومختلف اعمال پر مختلف ثمرات ونتائج مرتب کرنا بھی اسی حکیم مطلق کا کام ہے۔ خیر وشر اور ان دونوں کے مختلف آثار ونتائج کا عالم میں پایا جانا بھی حکمت تخلیق کے اعتبار سے ایسا ہی موزوں ومناسب ہے۔ جیسے اندھیرے اور اجالے کا وجود۔ (تفسیر عثانی: 896/2)

(2) یعنی جس طرح سورج اور چاند ایک دوسرے سے مختلف ہیں، دن اور رات ایک دوسرے مختلف اور متضاد ہیں۔ زمین اور آسمان ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ فجور اور تقویٰ یا خیر اور شر ایک دوسرے کی ضد ہیں، اسی طرح خیر اور شر کی بنیاد پر اٹھنے والے اعمال کے نتائج بھی ایک دوسرے سے متضاد اور مختلف ہونے چاہیں، وہ ایک جیسے کبھی نہیں ہو سکتے، تقویٰ کی بنیاد پر کیے ہوئے اعمال کا نتیجہ اخروی فلاح اور کامیابی ہے۔ جب کہ فجور کی بنیاد پر کیے ہوئے اعمال کا نتیجہ اخروی ناکامی اور ناداری ہے۔ (تیسیر القرآن: 648/4)

(3) یعنی جس نے اپنے نفس کریم کو رذائل کی میل کچیل کے ذریعے، عیوب اور گناہوں کے قریب ہو کر، ان امور کو ترک کر کے جو اس کی تکمیل اور نشوونما کرتے ہیں اور ان امور کو استعمال میں لا کر جو اس کو بدصورت بناتے اور بگاڑتے ہیں، چھپایا وہ ناکام رہا۔ (تفسیر السعدی: 2952/3)

سوال 2: نامراد ہوا جس نے نفس کو دبایا۔ اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے: (1) جس نے اپنے نفس کو چھپا دیا۔ (2) جس نے اپنے نفس کو بے کار چھوڑ دیا۔ (3) جس نے خود کو گمراہ کر لیا۔ (4) جس نے نفس کو نیک اعمال کے لئے محنت کرنے پر نہیں لگایا۔ (5) جس نے نفس کو اطاعت کے کاموں میں نہیں گھلایا۔ ناکامی، نامرادی اُس کا نصیب بن جائے گی۔

﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَا﴾

''ثمود نے اپنی سرکشی کی بنا پر جھٹلایا'' (11)

سوال 1: ﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَا﴾ ''ثمود نے اپنی سرکشی کی بنا پر جھٹلایا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَا﴾ ''ثمود نے اپنی سرکشی کی بنا پر جھٹلایا'' یعنی ثمود نے سرکشی سے سیدنا صالح کو جھٹلا دیا۔

(2)ثمود نے حق کے مقابلے میں تکبر کر کے، سیدنا صالح کے سامنے سرکشی کا مظاہرہ کر کے اور بغاوت سے تکذیب کی۔

﴿اِذِ انۡۢبَعَثَ اَشۡقٰهَا﴾

''جب اُس کا بد بخت ترین آدمی اُٹھا'' (12)

سوال1:﴿اِذِ انۡۢبَعَثَ اَشۡقٰهَا﴾ ''جب اُس کا بد بخت ترین آدمی اُٹھا'' قبیلے کا سب سے بد بخت شخص کون تھا؟

جواب:(1)﴿اِذِ انۡۢبَعَثَ اَشۡقٰهَا﴾ ''جب اُس کا بد بخت ترین آدمی اُٹھا'' قبیلے کا بد بخت ترین شخص، قدار بن سالف، اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کے لیے اس وقت اٹھا، جب سب نے اس (جرم) پر اتفاق کیا اور اسے ایسا کرنے کا حکم دیا تو اس نے ان کی اطاعت کی۔(تفسیر السعدی:3/29522953)

(2) عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، انبی ﷺ نے اپنے ایک خطبہ میں سیدنا صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا ذکر فرمایا اور اس شخص کا بھی ذکر فرمایا جس نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالی تھیں پھر آپ نے ارشاد فرمایا:﴿اِذا انبعث اشقها﴾ یعنی اس اونٹنی کو ماڈالنے کے لئے ایک مفسد بد بخت (قدار نامی) جو اپنی قوم میں ابوزمعہ کی طرح غالب اور طاقت ور تھا، اٹھا۔(بخاری:4942،مسلم:7191)

﴿فَقَالَ لَهُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقۡيٰهَا﴾

''تو اللہ کے رسول (صالح) نے اُن سے کہہ دیا تھا اللہ تعالیٰ کی اُونٹنی اور اُس کی پینے کی باری کا خیال کرو'' (13)

سوال1:﴿فَقَالَ لَهُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقۡيٰهَا﴾ ''تو اللہ کے رسول (صالح) نے اُن سے کہہ دیا تھا اللہ تعالیٰ کی اُونٹنی اور اُس کی پینے کی باری کا خیال کرو'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَقَالَ لَهُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقۡيٰهَا﴾ ''تو اللہ کے رسول (صالح) نے اُن سے کہہ دیا تھا اللہ تعالیٰ کی اُونٹنی اور اُس کی پینے کی باری کا خیال کرو۔'' اللہ کے رسول سیدنا صالح علیہ السلام نے انہیں پہلے ہی تاکید کر دی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی کو تکلیف نہ دینا اور اسے اللہ تعالیٰ کی اونٹنی اس لئے کہا کہ یہ ان کا منہ مانگا معجزہ تھا اور قدآور عظیم الجثہ اونٹنی ایک پہاڑ کے اندر سے ان کے مطالبے پر نمودار ہوئی۔ چونکہ یہ اونٹنی ان لوگوں کے مویشیوں جتنا پانی اکیلی ہی پی جاتی تھی اور پانی کی وہاں قلت تھی، لہٰذا صالح نے باری مقرر کر دی تھی اور ساتھ ہی یہ تاکید بھی کر دی تھی کہ اسے پانی پینے اور باری کے مقابلے میں کسی طرح کی گڑ بڑ نہ کرنا ورنہ تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوگا۔(تیسیر القرآن:4/649)

(2)رب العزت نے فرمایا:﴿قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرۡبٌ وَّلَكُمۡ شِرۡبُ يَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ(...)وَلَا تَمَسُّوۡهَا بِسُوۡٓءٍ فَيَاۡخُذَكُمۡ عَذَابُ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ﴾ ''صالح نے کہا:''یہ ایک اونٹنی ہے ایک اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک مقررہ دن تمہارے لیے پانی پینے کی باری ہے۔ اور اس کو بُرائی کے ساتھ مت چھونا پھر تمہیں ایک بڑے دن کا عذاب پکڑ لے گا۔'' (الشعراء:155,156)

(3) یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں اونٹنی کا دودھ پلا کر عظیم نعمت سے نوازا ہے۔ لہٰذا اس کے جواب میں اسے قتل نہ کرو۔

﴿فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ۬ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا﴾

''پس اسے اُنہوں نے جھٹلادیا پس انہوں نے اُس کی کُونچیں کاٹ دیں۔تو اُن کے رب نے انہیں گناہ کے سبب ہلاک کر دیا پھر اُس (بستی) کو برابر کر دیا''(14)

سوال1:﴿فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ۬ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا﴾''پس اسے اُنہوں نے جھٹلادیا پس انہوں نے اُس کی کُونچیں کاٹ دیں۔تو اُن کے رب نے انہیں گناہ کے سبب ہلاک کر دیا پھر اُس (بستی) کو برابر کر دیا''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا﴾''پس اسے اُنہوں نے جھٹلادیا''انہوں نے صالح کی بات نہ مانی اور ان کو تنبیہہ کو جھوٹ سمجھا اور اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے۔

(2)﴿فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ﴾''پس انہوں نے اُس کی کُونچیں کاٹ دیں۔تو اُن کے رب نے انہیں گناہ کے سبب ہلاک کر دیا''یعنی اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کو جھٹلانے والوں کو برباد کر دیا۔رب العزت نے ان کے اوپر سے ایک زوردار چنگھاڑ اور نیچے سے زلزلہ بھیجا،تباہی نے انہیں آگھیرا تو وہ گھٹنوں کے بل اوندھے پڑے رہ گئے۔یہ عذاب ان کے گناہوں کا نتیجہ تھا۔

(3)انہوں نے صالح کو جھٹلایا اور نافرمانی کی۔(4)﴿فَسَوّٰىهَا﴾''پھر اُس (بستی) کو برابر کر دیا۔''اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سب کو برباد کر دیا۔

(5)اس سے یہ اُصول نکلتا ہے کہ اگر بُرائی کرنے والے کو کوئی روکنے والا نہ ہو،اسے پسند کرنے والے ہوں تو پوری قوم مجرم قرار پائے گی۔

﴿وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا﴾

''اور وہ اس (تباہی) کے انجام سے نہیں ڈرتا''(15)

سوال1:﴿وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا﴾''اور وہ اس (تباہی) کے انجام سے نہیں ڈرتا''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا﴾''اور وہ اس (تباہی) کے انجام سے نہیں ڈرتا''یعنی اللہ تعالیٰ جب کسی قوم پر عذاب بھیجتا ہے تو اسے کسی کے انجام کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔

(2)اس قوم کے تاوان سے وہ کیسے خوف رکھے جب کہ وہ قہار ہے اور اس کے قہر اور اس کے تصرف سے کوئی مخلوق باہر نہیں۔اس کا ہر فیصلہ اور ہر حکم حکمت پر مبنی ہے۔

سوال2:وہ اپنے کسی کام کے انجام سے نہیں ڈرتا۔اس سے کیا مراد ہے؟

جواب:(1)اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کا خوف نہیں ہے کہ اُس نے سزا دی تو کوئی بڑی قوت بدلہ لے گی۔

(2) اللہ تعالیٰ انجام سے بے خوف ہے کیونکہ اس سے بڑا کوئی نہیں۔

(3) اللہ تعالیٰ انجام سے بے پرواہ ہے کیونکہ کوئی اس سے انتقام لینے کی قدرت نہیں رکھتا۔

اٰیاتھا ۲۱ | ۹۲ سُوْرَۃُ الَّیْلِ مَکِّیَّۃٌ ۹ | رکوعھا ۱

سوال 1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی، اس میں ایک رکوع اور 21 آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور ترتیب نزولی کے اعتبار سے اس سورت کا کون سا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر 92 ہے۔ اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے یہ 9 نمبر سورت ہے۔

سوال 3: اس سورت کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے نماز میں لمبی قرات کردی۔ ایک نمازی نیت توڑ کر مسجد کے ایک گوشے میں نماز پڑھ کر چلا گیا۔ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ بولے وہ منافق ہے اس شخص نے نبی ﷺ سے شکایت کی کہ میں تو ان کے پیچھے نماز پڑھنے آیا مگر لمبی قراءت کی وجہ سے مجھے الگ ہو کر نماز پڑھنا پڑی اور اونٹنی کو فارغ ہو کر چارہ ڈالا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ کیا تم لوگوں کو فتنے میں ڈالو گے؟ تم نے اعلیٰ، الشمس، الفجر اور اللیل کیوں نہ پڑھی۔ (نسائی)

رکوع نمبر 17

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى﴾

”قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے!“ (1)

سوال 1: ﴿وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى﴾ ”قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے!“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى﴾ ”قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے!“ رب العزت نے زمانے کی قسم کھائی ہے جس میں لوگوں کے کام ان کے حالات کے فرق کے مطابق واقع ہوتے ہیں۔

(2) یعنی جب رات اپنی تاریکی سے دن کو ڈھانپ لیتی ہے اور روشنی چلی جاتی ہے اور اندھیرا چھا جاتا ہے اور سناٹا ہو جاتا ہے۔

سوال2:رات کے چھا جانے سے کیا مراد ہے؟

جواب:رات کے چھا جانے سے مراد ہے جب دن کی روشنی ختم ہوجائے اور اندھیرا چھا جائے۔

﴿وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى﴾

''اور دن کی جب وہ روشن ہوجائے!'' (2)

سوال1:﴿وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى﴾ ''اور دن کی جب وہ روشن ہوجائے!'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى﴾ ''اور دن کی جب وہ روشن ہوجائے!'' یعنی دن جب اپنی پوری روشنی کے ساتھ آجائے اور نظروں کے لئے ظاہر ہوجائے اور رات کی تاریکی باقی نہ رہے جو اس کے اور اس کے دیکھنے کے مابین حائل تھی اور دن خوب ظاہر ہوجائے۔(جامع البیان:236/30)

(2)اور دن کی جب وہ مخلوق کے لیے خوب ظاہر ہوجائے اور مخلوق اس کے نور سے روشن ہوجائے اور اپنے اپنے کاموں میں پھیل جائے۔

(تفسیر السعدی:2954/3)

(3)رب العزت نے فرمایا:﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا﴾ ''اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا ہر اُس شخص کے لیے جو چاہے کہ نصیحت حاصل کرے یا شکرگزار بننا چاہے۔'' (الفرقان:62)

﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى﴾

''اور اُس ذات کی جس نے نر اور مادہ پیدا کیا!'' (3)

سوال1:﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى﴾ ''اور اُس ذات کی جس نے نر اور مادہ پیدا کیا!'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى﴾ ''اور اُس ذات کی جس نے نر اور مادہ پیدا کیا!'' یعنی آدم عَلَیۡہِ السَّلَام اور حوا علیہما السلام اور ان کی ساری اولاد کو جس نے پیدا کیا وہ اللہ تعالیٰ ہے۔(ایسر التفاسیر:1765)

(2)اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوقات کو نر اور مادہ پیدا کیا ہے تاکہ ان کی نسل قائم رہے۔اور انہیں شہوت کے ذریعے ایک دوسرے کی طرف متوجہ کیا اور نر اور مادہ کو ایک دوسرے کے لئے موزوں بنایا۔

(3)نسفی نے کہا: وہ قادر عظیم قدرت والا ہے جو ایک ہی پانی سے نر اور مادہ پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔رب العزت نے فرمایا: ﴿وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا﴾ ''اور ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا۔'' (النبا:8)

(4)﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ ''اور ہر چیز سے ہم نے جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے تاکہ تم سبق حاصل کرو۔''

(الذاریات:49)

سوال 2: نراور مادہ کے پیدا کرنے پر قسم کیوں کھائی گئی؟

جواب: یہ قسم اس لئے کھائی گئی کہ نراور مادہ کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

﴿اِنَّ سَعۡیَکُمۡ لَشَتّٰی﴾

''یقیناً تمہاری کوششیں بلاشبہ الگ الگ ہیں'' (4)

سوال 1: ﴿اِنَّ سَعۡیَکُمۡ لَشَتّٰی﴾ ''یقیناً تمہاری کوششیں بلاشبہ الگ الگ ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّ سَعۡیَکُمۡ لَشَتّٰی﴾ ''یقیناً تمہاری کوششیں بلاشبہ الگ الگ ہیں'' جواب قسم ہے۔

(2) یعنی جس طرح دنیا میں رات اور دن، نراور مادہ مختلف ومتضاد چیزیں پیدا کی گئی ہیں، تمہارے اعمال اور کوشش بھی مختلف ومتضاد ہیں پھران مختلف اعمال ومساعی پر ظاہر ہے ثمرات ونتائج بھی مختلف ہی مرتب ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی: 897/2)

(3) یعنی تمہارے اعمال مختلف اور متضاد ہیں۔ کوئی متقی ہے تو کوئی شقی اور بدبخت، تم میں سے کوئی نیک ہے اور کوئی بد۔

(4) یعنی اے مکلفو! تمہاری کوششوں میں بہت تفاوت ہے۔ یہ تفاوت نفس اعمال، ان کی مقدار اور ان میں نشاط میں تفاوت کی بنا پر ہے اور یہ تفاوت ان اعمال کی غایت مقصود کے مطابق ہے کہ آیا یہ عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے جو بلند اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے تو اس کی بقا کے ساتھ یہ عمل بھی باقی رہے گا اور صاحب عمل اس سے منتفع ہوگا؟ یا یہ عمل کسی زائل ہونے والے فانی غایت ومقصود کے لیے ہے کہ اس کے بطلان کے ساتھ اس کی کوشش باطل اور اس کے اضمحلال کے ساتھ مضمحل ہوجائے گی؟ ہر وہ عمل جس میں اللہ کی رضا مقصود نہ ہو اسی وصف سے موصوف ہوتا ہے۔ (تفسیر السعدی: 2954/3)

(5) مختلف طرح کے اعمال اور ان کے مطابق جزا کے بارے میں رب العزت نے مزید مقامات پر ارشاد فرمایا: ﴿لَا یَسۡتَوِیۡۤ اَصۡحٰبُ النَّارِ وَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ؕ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ہُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ﴾ ''دوزخ والے اور جنت والے برابر نہیں ہوسکتے، جنت میں جانے والے ہی کامیاب ہیں۔'' (الحشر: 20)

(6) ﴿وَ نَجَّیۡنَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ کَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ﴾ ''اور ہم نے اُن لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے اور وہ ڈرا کرتے تھے۔'' (السجدہ: 18)

(7) ﴿اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنۡ نَّجۡعَلَہُمۡ کَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحۡیَاہُمۡ وَ مَمَاتُہُمۡ ؕ سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ﴾ ''جن لوگوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا ہے اُنہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم اُنہیں اُن لوگوں کی مانند بنادیں گے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے کہ اُن کا جینا اور مرنا برابر ہوجائے؟ بہت بُرا ہے جو وہ فیصلہ کررہے ہیں۔'' (الجاثیہ: 21)

﴿فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی وَ اتَّقٰی﴾

''چنانچہ جس نے دیا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچا'' (5)

سوال 1: ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰى﴾ ''چنانچہ جس نے دیا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى﴾ ''چنانچہ جس نے دیا'' یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کا حق دیا۔ (جامع البیان: 238/30)

(2) یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کیا۔

(3) جو نیکیوں میں مال خرچ کرتا رہا اور گناہوں سے بچتا رہا۔ جزائے اعمال پر یقین لے آیا اور توحید کا قائل ہو گیا۔ (مختصر ابن کثیر: 2225/2)

(4) یعنی اسے جن مالی عبادات کا حکم دیا گیا تھا، مثلاً: زکوۃ، نفقات، کفارات، صدقات اور بھلائی کے کاموں میں خرچ کرنا اور بدنی عبادات، مثلاً: نماز، روزہ وغیرہ اور وہ عبادات جو مالی اور بدنی عبادات کی مرکب ہیں، مثلاً: حج اور عمرہ وغیرہ انھیں ادا کیا۔ (تفسیر السعدی: 2954/3)

(5) ﴿وَ اتَّقٰى﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے جن حرام کاموں سے رکنے کا حکم دیا ان سے رکا رہا۔

(6) یعنی شرک اور معاصی سے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے کام ہیں ان سے رکا رہا۔

﴿وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى﴾

''اور بھلائی کو سچ مانا'' (6)

سوال 1: ﴿وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى﴾ ''اور بھلائی کو سچ مانا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى﴾ ''اور بھلائی کو سچ مانا'' رحمت عالم ﷺ سے حسنیٰ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے مراد جنت ہے۔ (ابن ابی حاتم)

(2) یعنی اس نے ہر بھلائی کی تصدیق کی۔ بھلی بات سے مراد ایمان بالغیب بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آیات بھی ہیں، اللہ تعالیٰ کی توحید بھی، رسول کی تصدیق بھی اور اخلاق حسنہ کی بجا آوری بھی۔ (تیسیر القرآن: 650/4)

سوال 2: بھلائی کی تصدیق کرنے (کو سچ ماننے) سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد یہ ہے کہ اس بات پر یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہنے یعنی تقویٰ اور اچھے اخلاق کا بہترین صلہ ملے گا۔

﴿فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰى﴾

''تو ہم جلد ہی اُس کو آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے'' (7)

سوال 1: ﴿فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰى﴾ ''تو ہم جلد ہی اُس کو آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰى﴾ ''تو ہم جلد ہی اُس کو آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے'' یہ پوری شریعت کا خلاصہ ہے جو یہ

کام کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان بنا دیتا ہے۔اسے نیکیوں کی توفیق دیتا ہے حتیٰ کہ برائی کے راستے پر چلنا اس کے لئے دشوار ہو جاتا ہے، اسی راستے کو سورہ بلد میں دشوار گھاٹی قرار دیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ راستہ خواہشات کے مخالف ہے اس لئے ابتدا میں انسانی نفس کو دشوار گزار محسوس ہوتا ہے لیکن جب وہ پختہ ارادے کے ساتھ چل پڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اسے آسان کر دیتے ہیں اس کے لئے رزق حلال کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں اور حرام کمائی اسے سخت ناگوار لگتی ہے۔

(2) تو ہم اس کے لیے اس کے کام کو آسان کر دیتے ہیں اور اس کے لیے ہر بھلائی پر عمل کرنا اور ہر برائی کو ترک کرنا سہل اور آسان بنا دیتے ہیں، کیونکہ اس نے آسانی کے اسباب اختیار کیے۔پس اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے لیے آسان کر دیا۔(تفسیر السعدی:2954,2955/3)

(3) یعنی جو شخص نیک راستہ میں مال خرچ کرتا اور دل میں خدا سے ڈرتا اور اسلام کی بھلی باتوں کو سچ جانتا، اور بشارت ربانی کو صحیح سمجھتا ہے، اس کے لئے ہم اپنی عادت کے موافق نیکی کا راستہ آسان کر دیں گے اور انجام کار انتہائی آسانی اور راحت کے مقام پر پہنچا دیں گے جس کا نام جنت ہے۔(تفسیر عثمانی:897,898/2)

(4) ہدایت اللہ تعالیٰ کے چاہنے سے ملتی ہے رب العزت نے فرمایا:﴿وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ۭ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ ''اور سیدھا راستہ اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے اور ان میں سے کچھ راستے ٹیڑھے بھی ہیں اور اگر وہ چاہتا تو ضرور تم سب کو ہدایت دے دیتا۔'' (النحل:9)

﴿وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى﴾

''اور لیکن جس نے بخل کیا اور بے پرواہ ہوا'' (8)

سوال1:﴿وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى﴾ ''اور لیکن جس نے بخل کیا اور بے پرواہ ہوا۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ﴾ ''اور لیکن جس نے بخل کیا'' اور جس نے ان کاموں میں بخل کیا جس کا انہیں حکم دیا گیا ہے۔

(2) یعنی نیکیوں پر خرچ نہ کیا۔(ابن ابی حاتم)

(3) یعنی واجب اور مستحب انفاق کو چھوڑ دیا۔اور اللہ تعالیٰ نے جو کام کرنے کا حکم دیا تھا اس نے اسے چھوڑ دیا۔اس پر دل سے راضی نہ ہوا۔

(4)﴿وَاسْتَغْنٰى﴾ ''اور بے پرواہ ہوا۔'' اور اللہ تعالیٰ سے بے نیاز بنا رہا اور نافرمانی سے اس کی عبودیت کو ترک کر دیا، نیز اس نے یہ نہ دیکھا کہ اس کا نفس غایت حد تک اپنے رب کا محتاج ہے جس کے لیے کوئی نجات ہے نہ کوئی فوز و فلاح، سوائے اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کا محبوب و معبود ہو جس کا وہ قصد کرے اور اس کی طرف متوجہ ہو۔(تفسیر السعدی:2955/3)

﴿وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى﴾

''اور بھلائی کو جھٹلایا'' (9)

سوال 1: ﴿وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى﴾ ''اور بھلائی کو جھٹلایا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى﴾ ''اور بھلائی کو جھٹلایا'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اسے یقین نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو خرچ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دے گا۔ (تیسیر القرآن: 651/4)

(2) یعنی ان عقائد حسنہ کو جھٹلایا جن کی تصدیق اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واجب کی تھی۔ (تفسیر السعدی: 2955/3)

(3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر صبح دو فرشتے نازل ہوتے ہیں ایک یہ کہتا ہے: ''اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کے عوض اور مال دے'' اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ تعالیٰ! بخل کرنے والے کے مال کو تلف کر دے''۔ (بخاری، کتاب الزکاۃ: 1442)

(4) ہم سے ابونعیم نے بیان کیا، کہا ہم سے سفیان بن عیینہ نے بیان کیا، ان سے اعمش نے، ان سے سعد بن عبیدہ نے، ان سے ابوعبدالرحمن سلمی رحمۃ اللہ علیہ نے اور ان سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بقیع الغرقد (مدینہ منورہ کے قبرستان) میں ایک جنازہ میں تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا تم میں کوئی ایسا نہیں جس کا ٹھکانا جنت یا جہنم میں لکھا نہ جا چکا ہو۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پھر کیوں نہ ہم اپنی تقدیر پر بھروسہ کر لیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمل کرتے رہو کہ ہر شخص کو اسی عمل کی توفیق ملتی رہتی ہے۔ (جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے) پھر آپ نے آیت فامامن اعطیٰ واتقیٰ آخر تک پڑھی۔ یعنی ہم اس کے لئے نیک کام آسان کر دیں گے۔ (بخاری: 4945)

سوال 2: بھلائی کو جھٹلانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس سے مراد آخرت کی جزا و سزا کو جھٹلانا ہے۔ (2) اس سے مراد حساب کتاب کو جھٹلانا ہے۔

﴿فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى﴾

''تو ہم جلد ہی اُس کو مشکل راستے کے لیے سہولت دیں گے'' (10)

سوال 1: ﴿فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى﴾ ''تو ہم جلد ہی اُس کو مشکل راستے کے لیے سہولت دیں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى﴾ ''تو ہم جلد ہی اُس کو مشکل راستے کے لیے سہولت دیں گے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والے کاموں میں اس کے لئے آسانی کر دی جائے گی جو اسے آگ تک لے جائیں گے۔ (ایسر التفاسیر: 1765)

(2) یعنی جس نے خدا کی راہ میں خرچ نہ کیا، اس کی خوشنودی اور آخرت کے ثواب کی پروانہ کی، اسلام کی باتوں اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو جھوٹ جانا، اس کا دل روز بروز تنگ اور سخت ہوتا چلا جائے گا۔ نیکی کی توفیق کم ہوتی جائے گی اور آخرکار آہستہ آہستہ عذاب الٰہی کی انتہائی

سختی میں پہنچ جائے گا۔یہی اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ سعداء جب نیک عمل اختیار کرتے ہیں اور اشقیاء جب بدعمل کی طرف چلتے ہیں تو دونوں کے لئے وہی راستہ آسان کردیا جاتا ہے۔جو انہوں نے تقدیر الٰہی کے موافق اپنے ارادہ واختیار سے پسند کرلیا ہے۔﴿كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا﴾ اِن کو بھی اور اُن کو بھی ہم آپ کے رب کی عطا سے نواز رہے ہیں۔اور آپ کے ربّ کی عطا کو کسی سے روکا نہیں گیا ہے۔(الاسراء:20)(تفسیر عثمانی:898/2)

(3) نبی ﷺ نے فرمایا:تم عمل کرو،ہر شخص جس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے وہ اس کے لئے آسان کردیا جاتا ہے۔جو اہلِ سعادت میں سے ہوتا ہے،اسے اہلِ سعادت والے عمل کی توفیق دی جاتی ہے اور جو اہلِ شقاوت میں سے ہوتا ہے،اس کے لئے شقاوت والے عمل آسان کردیئے جاتے ہیں۔(مسلم)

سوال2: تنگ راستے سے کیا مراد ہے؟

جواب:اس سے مراد شرک،کفر،نافرمانی اور شر کا راستہ ہے۔

سوال3: تنگ راستے کی طرف سہولت دینے سے کیا مراد ہے؟

جواب:اس سے مراد ہے کہ ہم نافرمانی کا راستہ آسان کردیں گے جس سے اُس کے لئے نیکی اور بھلائی کے راستے پر چلنا مشکل ہوجائے گا۔

﴿وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى﴾

''اور اُس کا مال اُس کے کام نہ آئے گا جب وہ (جہنم میں) گرے گا''(11)

سوال1:﴿وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى﴾''اور اُس کا مال اُس کے کام نہ آئے گا جب وہ (جہنم میں) گرے گا''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿تَرَدّٰى﴾ ردی یعنی کسی چیز کو بلندی سے زمین پر دے مارنا یا زمین سے گڑھے میں پھینک دینا کہ وہ ہلاک ہوجائے اور ﴿تَرَدّٰى﴾ کے معنی خود کنویں یا گڑھے میں گرنا اور ہلاکت کو پہنچنا ہے اور یہاں گڑھے سے مراد جہنم کا گڑھا ہے یعنی یہ دوسری قسم کا آدمی جہنم میں گر پڑے گا تو اس وقت اس کا مال جسے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا تھا کسی کام نہیں آئے گا کیونکہ وہ مال تو دنیا میں رہ گیا ہوگا وہاں کیسے کام آسکتا ہے۔(تیسیر القرآن:652/4)

(2) جس مال نے اسے سرکش بنایا تھا جس کی بنا پر وہ (اللہ تعالیٰ سے) بے نیاز بنا رہا اور اس میں بخل کرتا رہا اس کے کچھ کام نہ آئے گا،یعنی جب وہ ہلاک ہوگا اور اسے موت آئے گی تو نیک عمل کے سوا کوئی چیز انسان کے ساتھ نہیں جائے گی۔رہا اس کا وہ مال جس میں اس نے زکوٰۃ وغیرہ ادا نہیں کی تو یہ مال اس کے لیے وبال بن جائے گا،کیونکہ اس نے اس مال میں سے اپنی آخرت کے لیے کچھ آگے نہیں بھیجا۔(تفسیر السعدی:2955/3)

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴾ ''اور بلاشبہ تم ہمارے پاس یقیناً اکیلے آگئے ہو جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور جو بھی ہم نے تمہیں دیا تھا تم اپنی پشتوں کے پیچھے چھوڑ آئے ہو اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کے متعلق تمہارا گمان تھا کہ یقیناً وہ تمہارا کام بنانے میں حصہ دار ہیں بلاشبہ تمہارا رشتہ یقیناً ٹوٹ گیا اور تم سے وہ سب گم ہو گئے جن کو تم گمان کیا کرتے تھے۔'' (الانعام: 94)

﴿اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى﴾

''بلاشبہ ہدایت دینا یقیناً ہمارے ذمے ہے'' (12)

سوال 1: ﴿اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى﴾ ''بلاشبہ ہدایت دینا یقیناً ہمارے ذمے ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى﴾ ''بلاشبہ ہدایت دینا یقیناً ہمارے ذمے ہے'' حق کو باطل واضح کرنا اطاعت کو معصیت سے الگ کر کے بتانا ہمارا ذمہ ہے۔ (جامع البیان: 246/30)

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا﴾ ''اور آپ کہہ دیں تمہارے رب کی جناب سے یہی حق ہے پھر جو چاہے سو وہ ایمان لے آئے اور جو چاہے سو وہ کفر کرے۔ یقیناً ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی لپٹیں انہیں گھیرے میں لے چکی ہیں اور اگر وہ پانی مانگیں گے تو انہیں پگھلے ہوئے تانبے جیسا پانی دیا جائے گا جو چہروں کو بھون ڈالے گا، بڑا ہی بُرا مشروب ہے اور بہت ہی بری آرام گاہ ہے۔'' (الکہف: 29)

(3) یعنی وہ ہدایت جس کا راستہ سیدھا اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے جس پر چل کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے اس راستے کی ہدایت اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اور جہاں تک گمراہی کا تعلق ہے اس کے سارے راستے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے بند ہیں وہ انسان کو صرف عذاب تک پہنچاتے ہیں۔

﴿وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى﴾

''اور یقیناً آخرت اور دنیا ہمارے اختیار میں ہے'' (13)

سوال 1: ﴿وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى﴾ ''اور یقیناً آخرت اور دنیا ہمارے اختیار میں ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى﴾ ''اور یقیناً آخرت اور دنیا ہمارے اختیار میں ہے'' یعنی دنیا کے مالک بھی ہم ہیں اور آخرت

کے مالک بھی ہم ہیں۔ جو دنیا چاہے اسے ہم دنیا دیتے ہیں اور جو آخرت چاہے اسے ہم آخرت دیتے ہیں لیکن دنیا میں بھی اس کے مقدر کے مطابق اسے ضرور دیتے ہیں۔

(2) یعنی آخرت اور دنیا ہماری ملکیت اور ہمارے تصرف میں ہے اور اس بارے میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ پس رغبت کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ اس کی طلب کی طرف راغب ہوں اور مخلوق سے ان کی تمام امیدیں منقطع ہوں۔ (تفسیر السعدی:2955/3)

(3) جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت رکھتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں بہترین اجر سے نوازتے ہیں جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں رب العزت نے ارشاد فرمایا: ﴿وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَجَعَلۡنَا فِىۡ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالۡكِتٰبَ وَاٰتَيۡنٰهُ اَجۡرَهٗ فِى الدُّنۡيَا‌ ۚ وَاِنَّهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ﴾ ''اور ہم نے اُسے اسحٰق اور یعقوب عطا فرمائے اور اُس کی نسل میں نبوت اور کتاب رکھ دی اور ہم نے اُسے دنیا میں بھی اُس کا اجر عطا کیا اور آخرت میں یقیناً وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا۔'' (العنکبوت:27)

﴿فَاَنۡذَرۡتُكُمۡ نَارًا تَلَظّٰى﴾

''پس میں نے تمہیں شعلہ مارتی آگ سے ڈرا دیا ہے'' (14)

سوال 1: ﴿فَاَنۡذَرۡتُكُمۡ نَارًا تَلَظّٰى﴾ ''پس میں نے تمہیں شعلہ مارتی آگ سے ڈرا دیا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَنۡذَرۡتُكُمۡ نَارًا تَلَظّٰى﴾ ''پس میں نے تمہیں شعلہ مارتی آگ سے ڈرا دیا ہے۔'' یعنی میں نے بھڑکتی آگ سے تمہیں ڈرا دیا ہے۔

(2) نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ میں نے تمہیں آگ سے چوکنا کر دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز اتنی بلند تھی کہ اگر کوئی بازار میں بھی ہوتا تو وہ سن لیتا اور حرکت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر دو قدموں میں آپڑی تھی۔ (مسند احمد، بحوالہ ابن کثیر)

﴿لَا يَصۡلٰٮهَاۤ اِلَّا الۡاَشۡقَى﴾

''جس میں اُس بڑے بدبخت کے سوا کوئی داخل نہیں ہوگا'' (15)

سوال 1: ﴿لَا يَصۡلٰٮهَاۤ اِلَّا الۡاَشۡقَى﴾ ''جس میں اُس بڑے بدبخت کے سوا کوئی داخل نہیں ہوگا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَا يَصۡلٰٮهَاۤ اِلَّا الۡاَشۡقَى﴾ ''جس میں اُس بڑے بدبخت کے سوا کوئی داخل نہیں ہوگا'' یعنی جہنم میں انتہائی بدبخت داخل ہوگا جس کے دل میں نہ ایمان تھا نہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا تھا۔

(2) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: شقی کون ہے فرمایا ''جو فرائض بجا نہیں لاتا اور حرام کا ارتکاب کیا کرتا تھا۔'' (مسند احمد)

(3) نبی ﷺ نے فرمایا: ''قیامت والے دن میرا ہر امتی جنت میں جائے گا بجز اس کے جو جنت میں جانے سے انکار کردے پوچھا گیا جنت میں جانے سے کون انکار کرسکتا ہے؟ فرمایا: جو میری اطاعت کرنے والا ہے وہ جنت میں جائے گا اور جو میری نافرمانی کرنے والا ہے وہ جنت میں جانے سے انکار کرنے والا ہے۔'' (بخاری)

﴿الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی﴾

''جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا'' (16)

سوال1: ﴿الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی﴾ ''جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿الَّذِیْ كَذَّبَ﴾ ''جس نے جھٹلایا'' یعنی جس نے نبی ﷺ اور جو کچھ وہ لے کر آئے اس کی تکذیب کی۔

(2) ﴿وَتَوَلّٰی﴾ ''اور منہ موڑا'' ایمان سے، توحید سے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت سے منہ پھیرا۔

(3) جس نے آپ ﷺ کی آیات کو جھٹلایا یا ان سے اعراض کیا اور ان کی تصدیق نہ کی۔ (جامع البیان:246/30)

سوال2: بدبختی کی کیا خصوصیات ہیں؟

جواب: (1) بدبختی کی پہلی خصوصیت جھٹلانا ہے۔ (2) بدبختی کی دوسری خصوصیت منہ پھیرنا ہے۔

﴿وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی﴾

''اور عنقریب بڑا پرہیزگار اُس سے دُور ہی رکھا جائے گا'' (17)

سوال1: ﴿وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی﴾ ''اور عنقریب بڑا پرہیزگار اُس سے دُور ہی رکھا جائے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی﴾ ''اور عنقریب بڑا پرہیزگار اُس سے دُور ہی رکھا جائے گا'' یعنی عمل کرنے والا مومن اس سے دور رکھا جائے گا۔

(2) جو وفادار، پرہیزگار، نیکوکار، اطاعت شعار اور صاف ستھرا ہوگا وہ جہنم سے دور کردیا جائے گا۔ (مختصر ابن کثیر:2266/2)

(3) ابن عباس نے فرمایا: اس سے مراد سیدنا ابوبکر صدیق ہیں۔ (الدر المنثور:607/6)

﴿الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی﴾

''جو اپنا مال دیتا ہے کہ وہ پاک ہوجائے'' (18)

سوال1: ﴿الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی﴾ ''جو اپنا مال دیتا ہے کہ وہ پاک ہوجائے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿الَّذِیۡ یُؤۡتِیۡ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی﴾ ''جو اپنا مال دیتا ہے کہ وہ پاک ہو جائے'' یعنی اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے نفس کا تزکیہ اور گناہوں اور عیوب سے اس کی تطہیر ہو۔ ہم اسے بچا لیں گے۔ (تفسیر سعدی:2955,2956/3)

(2) یعنی جو قلب و مال پاک کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں نیکیوں پر اپنا حلال مال خرچ کرتا رہتا ہے اور قربانی کے لئے تیار رہتا ہے۔

(3) آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ جب انفاق مستحب ترک واجب، قرض اور نفقہ واجبہ کی عدم ادائیگی وغیرہ کو متضمن ہو تو یہ غیر مشروع ہے بلکہ بہت سے اہل علم کے نزدیک یہ عطیہ لوٹا یا جائے گا، کیونکہ وہ ایک مستحب فعل کے ذریعے سے اپنے نفس کا تزکیہ کر رہا ہے اور اس پر واجب فوت ہو رہا ہے۔ (تفسیر السعدی:2956/3)

سوال 3: کون سا مال پاکیزگی کے حصول کے لئے دیا جاتا ہے؟

جواب:(1) وہ مال جو کسی احسان کے جواب میں نہ دیا جائے۔(2) جس کو بدلے کے طور پر نہ دیا جائے۔

(3) جس کو اخلاص سے دیا جائے۔(4) جس کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دیا جائے۔

(5) جس کو جنت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کے لئے دیا جائے۔

﴿وَمَا لِاَحَدٍ عِنۡدَہٗ مِنۡ نِّعۡمَۃٍ تُجۡزٰۤی﴾

''اور اُس پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے'' (19)

سوال 1:﴿وَمَا لِاَحَدٍ عِنۡدَہٗ مِنۡ نِّعۡمَۃٍ تُجۡزٰۤی﴾ ''اور اُس پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَمَا لِاَحَدٍ عِنۡدَہٗ مِنۡ نِّعۡمَۃٍ تُجۡزٰۤی﴾ ''اور اُس پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے۔'' یعنی وہ اس لئے مال خرچ نہیں کرتا کہ کسی نے اس پر احسان کیا جس کا وہ بدلہ چکا رہا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے، آخرت بنانے کے لئے مال خرچ کرتا ہے تا کہ اسے اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو اور جنتوں کی صدا بہار نعمتیں ملیں۔

(2) آیت کریمہ کا مصداق اگرچہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بلکہ کہا جاتا ہے کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سبب ہی سے نازل ہوئی۔ ان پر مخلوق میں سے کسی کا بھی کوئی احسان نہیں تھا کہ جس کا اسے بدلہ دیا جا رہا ہو حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کا بھی آپ پر کوئی (دنیاوی) احسان نہ تھا۔ البتہ بحیثیت رسول احسان تھا جس کا بدلہ اتارنا کسی کے لیے ممکن نہیں اور یہ ہے دین اسلام کی طرف دعوت دینے کا احسان، ہدایت اور دین حق کی تعلیم، کیونکہ ہر شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے زیر احسان ہے۔ یہ ایسا احسان ہے جس کا بدلہ دیا جا سکتا ہے نہ مقابلہ کیا جا سکتا ہے، تاہم جو بھی ان اوصاف فاضلہ سے متصف ہوگا، اس کا مصداق ٹھہرے گا۔ (تفسیر سعدی:2956/3)

﴿اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی﴾

''مگر صرف اپنے رب کی رضا کی تلاش میں جو سب سے بلند ہے'' (20)

سوال 1: ﴿اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی﴾ ''مگر صرف اپنے رب کی رضا کی تلاش میں جو سب سے بلند ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی﴾ ''مگر صرف اپنے رب کی رضا کی تلاش میں جو سب سے بلند ہے'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال اللہ تعالیٰ کی خوشی کے لئے خرچ کرتا ہے۔ (2) اس کے تمام اعمال اللہ تعالیٰ کے لئے خالص ہیں۔

سوال 2: ربّ کی رضا چاہنے کے لئے جو عمل کیا جاتا ہے اس کا کیا درجہ ہے؟

جواب: اعمال میں سے سب سے افضل عمل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کیا جائے۔

سوال 3: کون سا صدقہ افضل ہے؟

جواب: جس کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر دیا جائے۔

﴿وَلَسَوْفَ يَرْضٰى﴾

''اور یقیناً بہت جلد وہ خوش ہو جائے گا'' (21)

سوال 1: ﴿وَلَسَوْفَ يَرْضٰى﴾ ''اور یقیناً بہت جلد وہ خوش ہو جائے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَسَوْفَ يَرْضٰى﴾ ''اور یقیناً بہت جلد وہ خوش ہو جائے گا'' وہ اطمینان رکھے کہ اسے ضرور خوش کر دیا جائے گا، اور اس کی یہ تمنا ضرور پوری ہو کر رہے گی۔ ﴿ان الله لايضيع اجر المحسنين﴾ یقیناً اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (تفسیر عثمانی: 898/2)

(2) یہ متقی مختلف انواع کے اکرام و تکریم اور ثواب پر راضی ہو گا جو اللہ تعالیٰ اسے عطا کرے گا۔ (تفسیر سعدی: 2956/3)

(3) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو گا اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اتنا مال و دولت اور نعمتیں عطا فرمائے گا کہ وہ خوش ہو جائے گا۔ (مختصر ابن کثیر: 653/4)

رکوعھا 1	۹۳ سُوْرَةُ الضُّحٰی مَكِّيَّةٌ 11	اٰیاتھا 11

سوال 1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی اس کا ایک رکوع اور گیارہ آیات ہیں۔

سوال 2: ترتیب نزولی اور مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کون سا نمبر ہے؟

جواب: ترتیب نزولی کے اعتبار سے یہ گیارہویں سورت ہے اور مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا 93 نمبر ہے۔

رکوع نمبر 18

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَالضُّحٰى﴾

''قسم ہے دھوپ نکلنے کے وقت کی!'' (1)

سوال 1: ﴿وَالضُّحٰى﴾ ''قسم ہے دھوپ نکلنے کے وقت کی!'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالضُّحٰى﴾ ''قسم ہے دھوپ نکلنے کے وقت کی!'' رب العزت نے اپنے رسول پر اپنی عنایت کو واضح کرنے کے لئے چاشت کے وقت کی قسم کھائی جب کہ اس کی روشنی پھیل جائے۔

سوال 2: چاشت کا وقت کون سا ہوتا ہے؟

جواب: جب دن طلوع ہوتا ہے اور سورج ذرا بلند ہوتا ہے۔ وہ چاشت کا وقت ہے۔

سوال 3: یہاں چاشت سے کیا مراد ہے؟

جوب: یہاں اس سے مراد پورا دن ہے۔

﴿وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى﴾

''اور رات کی جب وہ چھا جائے!'' (2)

سوال 1: ﴿وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى﴾ ''اور رات کی جب وہ چھا جائے!'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى﴾ ''اور رات کی جب وہ چھا جائے!'' ﴿سَجٰى﴾ یعنی رات کا خاموش اور سنسان ہو جانا۔

(2) اس سے مراد مکمل اندھیرا چھا جانا ہے کیونکہ اس وقت ہر چیز سکون میں آجاتی ہے۔

(3) رب العزت نے رات کی قسم کھائی ہے جبکہ وہ ٹھہر جائے اور تاریکی چھا جائے۔

(4) اندھیرے اجالے کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى (۱) وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى (۲)﴾ ''قسم ہے رات

کی جب وہ چھا جائے !اور دن کی جب وہ روشن ہو جائے !'' (الیل:1,2)

سوال 2: رب العزت نے یہاں چاشت اور رات کی قسم کس مقصد کے لئے کھائی ہے؟

جواب: یہاں چاشت اور رات کی قسم اس لئے کھائی گئی ہے کہ جیسے دنیا کے نظام میں دن آتا ہے تو رات بھی آتی ہے۔ اسی طرح سے انسانی ترقی کے لئے نرمی اور سختی دونوں کا پیش آنا ضروری ہے۔

﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى﴾

''آپ کے رب نے آپ کو نہ چھوڑا ہے اور نہ وہ ناراض ہوا ہے'' (3)

سوال 1: ﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى﴾ ''آپ کے رب نے آپ کو نہ چھوڑا ہے اور نہ وہ ناراض ہوا ہے۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى﴾ ''آپ کے رب نے آپ کو نہ چھوڑا ہے اور نہ وہ ناراض ہوا ہے۔'' رب العزت نے رسول ﷺ اللہ کو تسلی دی ہے کہ آپ غم نہ کریں۔ آپ ﷺ کے رب نے نہ آپ ﷺ کو چھوڑا ہے اور نہ ہی وہ ناراض ہوا ہے۔

(2) یعنی جب سے آپ پر اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے، اس نے آپ کو نہیں چھوڑا اور جب سے اس نے آپ کی نشوونما کی اور آپ پر مہربانی کی، اس نے آپ پر توجہ اور عنایت کو ترک نہیں کیا بلکہ وہ آپ کی کامل ترین طریقے سے تربیت کرتا رہتا ہے اور درجہ بدرجہ آپ کو بلندی عطا کرتا رہتا ہے۔ (تفسیر سعدی:2957/3)

(3) ﴿وَمَا قَلٰى﴾ ''اور نہ وہ ناراض ہوا ہے۔'' یعنی جب سے اللہ تعالیٰ نے آپ سے محبت کی ہے وہ آپ سے ناراض نہیں ہوا، کیونکہ ضد کی نفی، اس کی ضد کے ثبوت کی دلیل ہے۔ محض نفی، جب تک کہ وہ ثبوت کمال کی متضمن نہ ہو، مدح نہیں ہوتی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے ماضی کا حال ہے، جبکہ موجودہ حالت اللہ تعالیٰ کی آپ کے ساتھ محبت اس میں استمرار، کمال کے درجات میں آپ کی ترقی اور آپ پر اللہ تعالیٰ کی دائمی عنایت کے لحاظ سے کامل ترین حال ہے۔ (تفسیر سعدی:2957/3)

(4) اگر سورج کی دھوپ کے بعد رات کی تاریکی کا آنا اللہ تعالیٰ کی خفگی اور ناراضی کی دلیل نہیں، اور نہ اس کا ثبوت ہے کہ اس کے بعد دن کا اجالا کبھی نہ ہوگا۔ تو چند روز نور وحی کے رکے رہنے سے یہ کیوں کر سمجھ لیا جائے کہ آج کل خدا اپنے منتخب کئے ہوئے پیغمبر سے خفا اور ناراض ہو گیا اور ہمیشہ کے لئے وحی کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ ایسا کہنا تو خدا کے علم محیط اور حکمت بالغہ پر اعتراض کرنا ہے۔ گویا اسے خبر نہ تھی کہ جس کو میں نبی بنا رہا ہوں وہ آئندہ چل کر اس کا اہل ثابت نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی:900/2)

سوال 2: تمہارے ربّ نے تمہیں نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا ہے۔ یہ بات کیوں کہی گئی؟

جواب: نزولِ وحی میں آنے والی رکاوٹ کی وجہ سے کافروں نے کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو ربّ نے چھوڑ دیا ہے۔ اُس کا جواب دیا گیا ہے کہ تمہارے ربّ نے نہ تمہیں چھوڑا ہے نہ وہ ناراض ہوا ہے۔

﴿وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی﴾

''اور یقیناً آپ کے لیے آخرت دنیا سے بہت بہتر ہے''(4)

سوال 1: ﴿وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی﴾ ''اور یقیناً آپ کے لیے آخرت دنیا سے بہت بہتر ہے۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی﴾ ''اور یقیناً آپ کے لیے آخرت دنیا سے بہت بہتر ہے'' یعنی آپ کے لئے آخرت دنیا سے بہتر ہے، اسی وجہ سے نبی ﷺ کو دنیا سے بے رغبتی تھی۔ ایک حدیث میں ہے نبی ﷺ نے دنیا کی بے ثباتی بیان فرماتے ہیں انسان کی مثال ایک مسافر سے دی جاتی ہے جو چند ساعتیں کسی درخت کے سائے میں آرام کرتا ہے اور پھر چل دیتا ہے۔ (شوکانی، اشرف الحواشی:712)

(2) یعنی آپ کی پچھلی حالت پہلی حالت سے کہیں ارفع اعلیٰ ہے۔ وحی کی یہ چندروزہ رکاوٹ آپ کے نزول وانحطاط کا سبب نہیں بلکہ بیش از بیش عروج وارتقاء کا ذریعہ ہے اور اگر پچھلی سے بھی پچھلی حالت کا تصور کیا جائے۔ یعنی آخرت کی شان وشکوہ کا، جبکہ آدم اور آدم کی ساری اولاد آپ کے جھنڈے تلے جمع ہوگی۔ تو وہاں کی بزرگی اور فضیلت تو یہاں کے اعزاز واکرام سے بے شمار درجہ بڑھ کر ہے۔ (تفسیر عثمانی:900/2)

(3) یعنی آپ کے احوال میں سے ہر متاخر حال کو سابقہ احوال پر فضیلت حاصل ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ درجات عالیہ پر ترقی کرتے رہے، اللہ تعالیٰ آپ کے دین کو تمکن عطا کرتا رہا، آپ کے دشمنوں کے خلاف آپ کو فتح ونصرت سے بہرہ مند کرتا رہا اور آپ کے احوال کو درست کرتا رہا یہاں تک کہ دشمنوں کے خلاف آپ کو فتح ونصرت سے بہرہ مند کرتا رہا اور آپ کے احوال کو درست کرتا رہا یہاں تک کہ آپ نے وفات پائی۔ آپ فضائل، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں، آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کے سرور کے ایسے حال پر پہنچ گئے جہاں اولین وآخرین نہیں پہنچ سکے۔ پھر اس کے بعد آخرت میں آپ کے حال سے متعلق اکرام وتکریم اور انواع واقسام کے انعامات کی تفصیلات کے بارے میں مت پوچھیے۔ (تفسیر سعدی:2957/3)

(4) اس آیت میں آپ ﷺ کو بہت بڑی خوشخبری دی ہے اور اس وقت جب کے اس کے پورا ہونے کے آثار بھی نہیں تھے۔

سوال 2: ''تمہارے لئے آخرت دنیا سے بہتر ہے'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ دنیا تو دارُ الامتحان ہے۔ یہاں آزمائشیں، مشکلات اور پریشانیاں ہیں اور آخرت دارُ الجزاء ہے۔ دارُ الجزا تمہارے لئے بہت اچھا ہے۔

﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾

''اور جلد ہی آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے'' (5)

سوال 1: ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾ ''اور جلد ہی آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾ ''اور جلد ہی آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے'' یعنی آخرت میں رب العزت کی جانب سے آپ ﷺ کے لئے ایسے انعامات دیے جائیں گے کہ آپ ﷺ خوش ہو جائیں گے۔

(2) ان انعامات میں سے ایک کوثر بھی ہے جس کے دونوں کناروں پر ایک ایک خول دار موتی کے بے شمار خوب صورت اور گول گول کمرے ہوں گے اور جس کی مٹی خالص مشک کی ہوگی۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے سامنے وہ تمام خزانے لائے گئے جو آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی امت کو ملنے والے ہیں۔ آپ خوش ہوئے پھر آپ ﷺ نے یہ آیات اتاری۔ آپ کو جنت میں لاکھوں محل ملیں گے، ہر محل میں ان کے مناسب حوریں اور خادم ہوں گے۔ (ابن جریر)

(3) آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کیا کچھ دیا تھا ہم اس کا احاطہ نہیں کر سکتے بلکہ ہم تو یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ وہ کون سی عز و شرف کی بات تھی جو آپ ﷺ کو عطا نہ کی ہو۔ آپ ﷺ کو صحابہ کی ایسی جماعت عطا کی جن میں سے ایک ایک فرد آپ ﷺ پر اپنی جان تک فدا کرنے پر فخر محسوس کرتا تھا۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا غیر مشروط فاتح بنایا۔ ان کا معلم اور مزکی بنایا۔ اپنی کتاب کا مفسر بنایا۔ پورے عرب سے آپ ﷺ کی کوششوں سے کفر اور شرک کا مکمل طور پر استیصال ہو گیا۔ پورے جزیرہ عرب میں اسلام کا غلبہ ہو گیا۔ آپ ﷺ 23 سال کے قلیل عرصے ایک وحشی اجڈ ایک دوسرے کے خون کی پیاسی قوم کو دنیا بھر کی تہذیب وتمدن کی علمبردار قوم بنا دیا۔ پھر آپ ﷺ کی زندگی کے بعد آپ ﷺ کی یہ تحریک پوری دنیا پر چھا گئی۔ آپ ﷺ نے ایک قلیل عرصے میں ایسا تمدنی، اخلاقی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی انقلاب بپا کیا جس کی نظیر پوری دنیا کی تاریخ ڈھونڈنے سے کہیں نہیں ملتی۔ یہ سب کچھ کیا تھا؟ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عطا تھی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم آپ ﷺ کو اتنا کچھ عطا کریں گے کہ آپ ﷺ خوش ہو جائیں گے۔ (تیسیر القرآن 655/4)

سوال 2: ''تمہارا ربّ تمہیں اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس سے مراد دنیا کی فتوحات بھی ہیں اور (2) آخرت کا اجر و ثواب بھی ہے۔

(3) اس سے شفاعت کا حق بھی مراد ہے جو آپ ﷺ کو دیا جائے گا۔

﴿اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَاٰوٰى﴾

''کیا اُس نے آپ کو یتیم نہیں پایا تو اس نے ٹھکانہ دیا'' (6)

سوال 1: ﴿اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى﴾ ''کیا اُس نے آپ کو یتیم نہیں پایا تو اس نے ٹھکانہ دیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى﴾ ''کیا اُس نے آپ کو یتیم نہیں پایا تو اس نے ٹھکانہ دیا۔'' نبی ﷺ اپنی پیدائش سے پہلے ہی یتیم ہو گئے تھے، آپ ﷺ کے ماں باپ اس وقت وفات پا گئے تھے، جب کہ آپ ﷺ اپنی دیکھ بھال خود نہیں کر سکتے تھے۔

(2) اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مسلسل بہترین سرپرست دیے اور آرام کی جگہ دی، پہلے دادا پھر چچا ابو طالب جنہوں نے اپنی جان سے بڑھ کر آپ ﷺ کو محبت دی۔ جب آپ ﷺ کو نبوت دی تو دس سال تک آپ ﷺ کی سرپرستی اور حفاظت کو احسن انداز میں نبھایا۔ اس کے بعد انصار مدینہ نے آپ ﷺ کی حفاظت کا ذمہ لیا۔

(3) پھر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے ذریعے آپ ﷺ کی مدد فرمائی اور خود اپنی جانب سے نصرت عطا فرمائی۔ (تیسیر القرآن: 655/4)

سوال 2: یتیم کون ہوتا ہے؟

جواب: جس سے باپ کی شفقت بھرا سایہ چھن جاتا ہے۔

﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى﴾

''اور اس نے آپ کو بے خبر پایا، تو ہدایت دی؟'' (7)

سوال 1: ﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى﴾ ''اور اس نے آپ کو بے خبر پایا، تو ہدایت دی؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى﴾ ''اور اس نے آپ کو بے خبر پایا تو ہدایت دی؟'' آیت میں ﴿ضَآلًّا﴾ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہ لفظ عربی زبان میں مندرجہ ذیل چھ معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (i) ﴿ضل﴾ کا بنیادی معنی راستہ کھو دینا یا گم کر دینا ہے۔ (ii) کبھی انسان اسی حیرانی کے عالم میں کسی غلط راستے میں بھی پڑ جاتا ہے۔ اب اگر یہ غلط راستے پر پڑنا غیر ارادی طور پر اور سہواً ہو تو ضل کے معنی بھولنا ہوں گے۔ (iii) اگر غلط راستے میں پڑنا اور راستے سے ہٹ جانا ارادہ کے ساتھ یعنی عمداً ہو تو یہ گناہ ہے۔ (iv) اور کبھی یہ لفظ کسی چیز کے اپنے وجود کو کھو کر دوسری چیز کے مل جانے کے معنوں میں آتا ہے۔ (v) کبھی یہ لفظ ایسے کام کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو رہا ہو یعنی جس غرض کے لیے کوئی کام کیا جائے وہ پوری نہ ہو۔ (vi) اور کبھی یہ لفظ کسی کی محبت میں فریفتہ ہونے پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ (تیسیر القرآن: 656,657/4)

(2) یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس حال میں پایا کہ آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔ پس اس نے آپ کو وہ علم عطا کیا جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ کو بہترین اعمال اور بہترین اخلاق کی توفیق بخشی۔ (تفسیر سعدی: 2958/3)

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ

جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ ''اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے ایک رُوح کی وحی کی، آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے؟ اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے؟ لیکن ہم نے اُسے ایک روشنی بنادیا ہے جس کے ساتھ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں اور یقیناً آپ سیدھی راہ کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں۔'' (الشوریٰ:52)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو کیسے ہدایت بخشی؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا کی، کتاب نازل کی اور سیدھا راستہ دکھایا۔

﴿وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی﴾

''اور آپ کو مال سے محروم پایا تو مال دار کر دیا؟'' (8)

سوال 1: ﴿وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی﴾ ''اور آپ کو مال سے محروم پایا تو مال دار کر دیا؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَوَجَدَكَ عَآئِلًا﴾ ''اور آپ کو مال سے محروم پایا'' یعنی آپ ﷺ کو محتاج پایا۔

(2) ﴿فَاَغْنٰی﴾ ''تو مال دار کر دیا؟'' اس طرح کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تجارت میں آپ ﷺ مضارب ہو گئے۔ اس میں نفع ملا۔ پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے نکاح کر لیا اور اپنا تمام مال حاضر کر دیا۔ یہ تو ظاہری غناء تھا۔ باقی آپ کے قلبی اور باطنی غناء کا درجہ تو وہ غنی عن العالمین ہی جانتا ہے۔ کوئی بشر اس کا کیا اندازہ کر سکے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ابتداء سے مورد انعامات رہے ہیں۔ آئندہ بھی رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی 901/2)

(3) اللہ تعالیٰ نے آپ کو شہروں کی فتوحات کے ذریعے سے، جہاں سے آپ کے لیے مال اور خراج آیا، غنی کر دیا۔ جس ہستی نے آپ کی یہ کمی دور کی ہے وہ عنقریب آپ کی ہر کمی کو دور کر دے گی اور وہ ہستی جس نے آپ کو تونگری تک پہنچایا، آپ کو پناہ دی، آپ کو نصرت عطا کی اور آپ کو راہ راست سے نوازا، اس کی نعمت پر شکر ادا کیجیے۔ (تفسیر سعدی: 2958/3)

(4) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دولت مندی کثرت مال سے نہیں ہوتی، بلکہ دولتمندی دل کے غنی ہونے کا نام ہے۔ (صحیح مسلم: 2420)

(5) سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اسلام قبول کیا اور اسے بقدر کفایت رزق عطا کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے عطا کردہ مال پر قناعت عطا کر دی تو وہ شخص کامیاب ہوا۔ (صحیح مسلم: 2426)

(6) اللہ تعالیٰ نے صغیر صاغر اور امیر شاکر کے دونوں مقام آپ ﷺ کے لئے جمع فرما دیے۔

سوال 2: غنی کرنے سے یہاں کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہر ایک سے بے نیازی ہے۔

﴿فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ﴾

''چنانچہ تم یتیم پر سختی نہ کرو'' (9)

سوال 1: ﴿فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ﴾ ''چنانچہ تم یتیم پر سختی نہ کرو'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ﴾ ''چنانچہ تم یتیم پر سختی نہ کرو۔'' یعنی یتیم کے بارے میں آپ ﷺ اپنا دل تنگ نہ کریں۔ کبھی آپ ﷺ یتیم تھے اور رب العزت نے آپ ﷺ کو پناہ دی اس لئے آپ ﷺ بھی یتیموں کے سر پر محبت اور شفقت سے ہاتھ رکھ دیں۔ انہیں ڈانٹیں نہیں اور نہ ان پر دل تنگ کریں۔ ان پر سختی نہ کریں بلکہ ان سے نرمی سے پیش آئیں۔ ان سے حسن سلوک کریں اور ان سے محبت کریں۔

(2) بلکہ اس کی خبر گیری اور دلجوئی کر۔ جس طرح تم کو یتیمی کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے ٹھکانا دیا۔ تم دوسرے یتیموں کو ٹھکانا دو۔ اسی طرح مکارم اخلاق اختیار کرنے سے بندہ اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ ﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً﴾ ''اللہ تعالیٰ کا رنگ، اور کس کا رنگ اللہ تعالیٰ کے رنگ سے اچھا ہے؟'' (تفسیر عثمانی: 901/2)

(3) ''سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں یوں ہوں گے اور آپ ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو باہم ملایا۔'' (بخاری: 6005)

﴿وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾

''اور سائل کو مت جھڑکو'' (10)

سوال 1: ﴿وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾ ''اور سائل کو مت جھڑکو'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾ ''اور سائل کو مت جھڑکو'' سائل سے مراد کوئی چیز طلب کرنے والا اور کوئی بات پوچھنے والا بھی ہے یعنی اگر آپ ﷺ سے کوئی چیز طلب کرے تو اسے ضرور کچھ نہ کچھ دو اور اگر نہ دے سکو تو نرمی سے معذرت کرلو۔ آپ ﷺ کی طرف سے سائل کے لئے ترش روئی اور ڈانٹ نہ ہو۔

(2) احادیث میں سائلین کے مقابلہ پر آپ کی وسعت اخلاق کے جو قصے منقول ہیں وہ بڑے سے بڑے مخالف کو آپ کے اخلاق کا گرویدہ بنا دیتے ہیں۔ صاحب روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ سائل کے زجر کی ممانعت اس صورت میں ہے وہ نرمی سے مان جائے۔ ورنہ اگر اڑی لگا کر کھڑا ہو جائے اور کسی طرح نہ مانے اس وقت زجر جائز ہے۔ (تفسیر عثمانی: 901/2)

(3) سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اگر کوئی مانگنے والا آتا یا آپ کے سامنے کوئی حاجت پیش کی جاتی تو آپ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرماتے کہ تم سفارش کرو کہ اس کا ثواب پاؤ گے اور اللہ تعالیٰ پاک اپنے نبی کی زبان سے جو فیصلہ چاہے گا وہ دے گا۔ (صحیح بخاری:1432)

(4) سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مانگنے میں لپٹ کر نہ مانگو۔ اللہ تعالیٰ کی قسم تم میں کوئی مجھ سے چیز مانگتا ہے تو اس کے مانگنے کی وجہ سے وہ چیز مجھ سے نکل جاتی ہے۔ یعنی خرچ ہو جاتی ہے تو میں اس کو برا جانتا ہوں۔ اس کو میرے عطا کردہ مال میں برکت نصیب نہیں ہوتی۔ (صحیح مسلم:2390)

(5) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسکین وہ نہیں جو گھومتا رہتا ہے اور لوگوں کے ارد گرد پھرتا رہتا ہے پھر ایک لقمہ یا دو لقمے اور ایک کھجور یا دو کھجوریں لے کر لوٹ جاتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ تعالیٰ کے رسول پھر مسکین کون ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسکین وہ ہے جو اتنا مالدار نہ ہو جس سے ضرورت زندگی پوری کر سکے اور نہ لوگ اسے مسکین تصور کرتے ہوں کہ اس کو صدقہ دیں اور نہ وہ لوگوں سے کچھ مانگتا ہو۔ (صحیح مسلم:2393)

(6) عبدالرحمن بن بجید اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ''بعض دفعہ کوئی سائل میرے دروازے پر آن کھڑا ہوتا ہے جسے میرے پاس دینے کو کچھ نہیں ہوتا تو میں کیا کروں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم فقیر کو دینے کے لئے بکری کے ایک جلے ہوئے کھر کے سوا کچھ نہ پاؤ تو وہی اس کے ہاتھ میں رکھ دو''۔ (ترمذی)

(7) ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں ایسے آدمی کی خبر نہ دوں جو سب سے بدتر ہے؟'' صحابہ نے عرض کیا: ''ہاں بتائیے'' فرمایا: ''وہ شخص جس سے اللہ تعالیٰ کے نام پر مانگا جائے اور وہ کچھ نہ دے۔'' (نسائی) (تیسیر القرآن:658/4)

(8) سیدنا معاویہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے چمٹ کر سوال نہ کیا کرو، جو شخص بھی تم میں سے مجھ سے کوئی سوال کرتا ہے تو میں اسے کچھ نہ کچھ دے دیتا ہوں، حالانکہ میں اس کو مکروہ سمجھتا ہوں۔ اس طرح اس چیز میں برکت نہیں رہتی جو میں اس دے دیتا ہوں''۔ (مسلم)

(9) سائل سے مراد اگر علم طلب کرنے والا ہو تو اس کا مطلب ہے طالب علم سے حسن سلوک کریں۔ اس کا اکرام کریں۔ اس سے شفقت اور مہربانی سے پیش آئیں۔

(10) کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دین کی تلاش تھی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد پوری کی، اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی دین کی بات پوچھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ڈانٹیں نہیں۔

سوال 2: سائل کو کیوں جھڑکا جاتا ہے؟

جواب: سائل کو تکبر کی وجہ سے جھڑکا جاتا ہے۔

سوال 3: جھڑکنے میں کیا کچھ شامل ہے؟

جواب: جھڑکنے میں سختی اور لہجے کی تلخی بھی شامل ہے۔

سوال4: سائل کو کیسے جواب دینا چاہیے؟

جواب: سائل کو نرمی، پیار اور محبت سے جواب دینا چاہیے۔

﴿وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾

''اور رہی رب کی نعمت تو آپ بیان کیا کرو''(11)

سوال1: ﴿وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ ''اور رہی رب کی نعمت تو آپ بیان کیا کرو۔'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ﴾ ''اور رہی رب کی نعمت'' یعنی رب العزت نے آپ ﷺ کو جو بھی دین دنیا کی نعمتیں عطا کی ہیں آپ ﷺ ان کا اظہار کریں۔ یعنی آپ ﷺ مال دار نہ تھے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مال دار بنایا، آپ ﷺ اس نعمت کا اظہار کریں۔ آپ ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے: ﴿اَللّٰهُمَّ اَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِنَا وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَاهْدِنَا سُبُلَ السَّلَامِ وَنَجِّنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ وَجَنِّبْنَا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَبَارِكْ لَنَا فِيْ اَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُلُوْبِنَا وَاَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ، وَاجْعَلْنَا شَاكِرِيْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِيْنَ بِهَا قَابِلِيْهَا وَاَتِمَّهَا عَلَيْنَا﴾ ''اے اللہ! ہمارے دلوں میں الفت پیدا فرما دے اور ہمارے آپس کے معاملات کی اصلاح کر دے اور سلامتی کے راستوں کی طرف ہماری راہ نمائی فرما اور ہمیں اندھیروں سے نجات دے کر نور کی طرف لے آ۔ اور ہمیں تمام ظاہری اور چھپی بدکاریوں سے محفوظ رکھ۔ اور ہمارے لیے ہمارے کانوں ہماری آنکھوں اور ہمارے دلوں اور ہمارے ازواج، اور ہمارے بچوں میں برکتیں عطا فرما بلا شبہ تو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے اور ہمیں اپنی نعمتوں کا شکر کرنے والا بنا دے اور ان کی تعریف کرنے والا ان کو قبول کرنے والا بنا دے اور ان (نعمتوں) کو ہم پر کامل فرما دے۔ (ابوداود:969)

(2) ﴿فَحَدِّثْ﴾ ''تو آپ بیان کیا کرو'' یعنی ان نعمتوں کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کیجیے اور اگر کوئی مصلحت ہو تو ان کا خاص طور پر ذکر کیجیے، ورنہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا علی الاطلاق ذکر کیجیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا ذکر، اس پر شکر گزاری کا موجب اور دلوں میں اس ہستی کی محبت کا موجب ہے جس نے نعمت عطا کی، کیونکہ محسن کے ساتھ محبت کرنا دلوں کی فطرت ہے۔ (تفسیر سعدی:2958/3)

(3) اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نعمت نبوت سے سرفراز فرمایا۔ آپ ﷺ لوگوں سے اس کا ذکر کریں اور اس کی دعوت دیں، چنانچہ آپ ﷺ نے شروع میں اپنے گھر والوں کو دعوت توحید دی پھر آہستہ آہستہ دعوت کا دائرہ وسیع کرتے چلے گئے اور جب آپ ﷺ پر نماز فرض ہو گئی تو آپ ﷺ نے نماز پڑھی۔ (مختصر ابن کثیر:2229/2)

سوال2: اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر کیا انعامات کیے تھے؟

جواب: (1) نبوت ورسالت۔ (2) ہدایت۔ (3) یتیمی کے باوجود کفالت۔ (4) مالداری عطا کرنا وغیرہ۔

سوال3: اللہ تعالیٰ کو نعمتوں کا کیسا اظہار نا پسند ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کو ایسا اظہار نا پسند ہے جس میں نعمتوں پر فخر وغرور ہوتا ہے۔

سوال4: اللہ تعالیٰ کو نعمتوں کا کیسا اظہار پسند ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کو نعمتوں کا ایسا اظہار پسند ہے جس میں اس کے فضل وکرم کا احساس ہو، اس کا خوف ہو کہ کہیں وہ نعمتوں سے محروم نہ کردے۔

سوال5: نبوت ورسالت اور ہدایت کے احسان کا اظہار کیسے ہو سکتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی ہدایت، رسالت اور نبوت کا اظہار دعوتِ دین سے ممکن ہے۔ دین کی دعوت بذاتِ خود اظہار ہے۔

رکوعھا ۱ | ۹۴ سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَكِّيَّةٌ ۱۲ | اٰیاتھا ۸

سوال1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی، اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی، اس کا ایک رکوع اور 8 آیات ہیں۔

سوال2: مصحف میں ترتیب نزولی اور ترتیب کے اعتبار سے اس کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 94 ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 12 ہے۔

رکوع نمبر 19

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾

''کیا ہم نے آپ کے لئے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا'' (1)

سوال1: ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ ''کیا ہم نے آپ کے لئے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ رب العزت نے نبی ﷺ کو اپنا احسان یاد دلایا ہے ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ ''کیا ہم نے آپ کے لئے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا'' کہ کیا ہم نے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کے لیے، نیکیوں کو آسان کرنے اور مصائب کو برداشت کرنے کے لیے

اخلاق حسنہ سے متصف ہونے کے لیے آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا۔ اگر آپ کا دل تنگ ہوتا تو نیکی کا راستہ لوگوں کے لیے کیسے آسان ہوتا اور آپ ﷺ بھلائی پر کیسے عمل کرتے؟

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ ''تو جس شخص کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے یہ کہ اسے ہدایت دے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے وہ چاہتا ہے کہ اسے گمراہ کر دے اس کا سینہ تنگ، نہایت گھٹا ہوا بنا دیتا ہے گویا کہ وہ مشقت سے آسمان میں چڑھ رہا ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ گندگی ڈال دیتا ہے اُن لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے۔''

(الانعام:125)

(3) اللہ تعالیٰ نے آپ کا دل منور کیا۔ آپ کی شریعت میں آسانی، نرمی اور لچک رکھی اور طاقت سے زیادہ کسی کو تکلیف نہیں دی۔

سوال 2: سینہ کھول دینے سے کیا مراد ہے؟

جواب: سینہ کھول دینے سے مراد ہے: (1) حق کا دل میں واضح ہو جانا۔ (2) حق کا دل میں سما جانا۔ (3) حق کے لئے سینے کا فراخ ہو جانا۔

سوال 3: جس کا سینہ اسلام کے لئے کھل جاتا ہے اُس میں کیا تبدیلی آتی ہے؟

جواب: (1) وہ حق کو پہچان لیتا ہے۔ (2) وہ حق کو قبول کر لیتا ہے۔

سوال 4: شرحِ صدر کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے دو واقعات تحریر کریں؟

جواب: شرحِ صدر سے مراد شقِ صدر بھی ہے۔ معتبر روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کا دو دفعہ سینہ چاک کیا گیا۔ پہلا شقِ صدر: جب آپ ﷺ عمر کے چوتھے سال میں تھے سیدنا جبرائیل علیہ السلام آئے۔ انہوں نے آپ ﷺ کا دل چیرا اور اس سے وہ شیطانی حصہ نکال دیا جو انسان کے اندر ہے۔ پھر اسے دھو کر بند کر دیا۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء) دوسرا شقِ صدر: معراج کے موقع پر آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کر کے آپ ﷺ کا دل نکالا گیا۔ اُسے زمزم سے دھو کر اپنی جگہ رکھ دیا گیا اور اسے ایمان اور حکمت سے بھر دیا گیا۔ (صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ)

﴿وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ﴾

''اور ہم نے آپ پر سے آپ کا بوجھ اُتار دیا'' (2)

سوال 1: ﴿وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ﴾ ''اور ہم نے آپ پر سے آپ کا بوجھ اُتار دیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ﴾ ''اور ہم نے آپ پر سے آپ کا بوجھ اُتار دیا'' ہم نے آپ سے آپ کے گناہ کا بوجھ اتار دیا ہے۔

(تفسیر سعدی:2959/3)

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا

مُّسْتَقِيمًا﴾ ''تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے بخش دے آپ کا کوئی گناہ، جو پہلے ہو چکا اور جو بعد میں ہوا اور آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے اور آپ کی سیدھے راستے کی طرف راہ نمائی کرے''۔(الفتح:2)

(3) یعنی آپ کو بار نبوت اٹھانے کے اسباب فراہم فرما دیئے۔(مختصر ابن کثیر:2213/2) یعنی وہ ذہنی بوجھ دور کر دیئے جو قوم کے گمراہیوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے تھا۔آپ کا ذہنی بوجھ ہلکا کر دیا گیا جب آپ کو سمجھ آ گئی کہ اصلاح توحید، آخرت، اور رسالت پر ایمان لانے کی وجہ سے ہو گی۔اس سے ساری دنیا کی اصلاح ہو گی۔

سوال 2: رسول اللہ ﷺ کون سا بوجھ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے دور کر دیا؟

جواب: یہ بوجھ نبوت سے پہلے کا ہے۔اس دور میں اگرچہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو گناہوں سے محفوظ رکھا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کا آپ ﷺ کو علم نہ تھا۔اس لئے آپ ﷺ کے دل پر 40 برس کی عبادات اور اطاعت نہ کرنے کا بوجھ تھا۔جو دراصل تھا نہیں لیکن آپ ﷺ کے احساس کی وجہ سے بوجھ تھا۔اللہ تعالیٰ نے اسے اُتار دینے کا اعلان کیا ہے

﴿الَّذِیٓ اَنۡقَضَ ظَهۡرَكَ﴾

''جس نے آپ کی کمر توڑ دی تھی''(3)

سوال: ﴿الَّذِیٓ اَنۡقَضَ ظَهۡرَكَ﴾ ''جس نے آپ کی کمر توڑ دی تھی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿الَّذِیٓ اَنۡقَضَ ظَهۡرَكَ﴾ ''جس نے آپ کی کمر توڑ دی تھی'' یعنی وہ ذہنی دباؤ جو قوم کی گمراہی کی وجہ سے تھا کہ اصلاح کی صورت سمجھ نہیں آتی تھی جس کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ اَلَّا یَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ﴾ ''شاید آپ خود کو ہلاک کرنے والے ہیں کہ وہ مومن کیوں نہیں ہوتے؟''(الشعراء:3) اس بوجھ کو دور کرنے کے لیے آپ کو یقین عطا کیا گیا کہ توحید آخرت اور رسالت کے عقیدے کے ساتھ بگاڑ کا دور کرنا ممکن ہے۔

(2) ابتداء میں یہ بوجھ دعوت پر مخالفت کی وجہ سے بھی تھا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہاڑوں جیسا حوصلہ عطا فرمایا جس کی وجہ سے آپ ذمہ داریاں نبھانے کے لیے تیار ہوئے۔

﴿وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ﴾

''اور ہم نے آپ کے لئے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا''(4)

سوال: ﴿وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ﴾ ''اور ہم نے آپ کے لئے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ﴾ ''اور ہم نے آپ کے لئے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا'' یعنی جہاں میرا ذکر ہو گا وہیں تمہارا ذکر بھی ہو

گا مثلاً اذان اور تکبیر میں اشھد ان لا الہ الا اللہ کے ساتھ اشھد ان محمد رسول اللہ بھی آتا ہے۔

(2) نبی ﷺ نے فرمایا مجھ سے جبرائیل نے کہا: کہ میرا اور آپ کا رب فرماتا ہے کہ آپ کا ذکر کیسے بلند کروں؟ میں بولا اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ فرمایا: جب میرا ذکر ہوگا تو اس کے ساتھ آپ کا بھی ذکر ہوگا۔ (مسند ابویعلی)

(3) یعنی ہم نے آپ کی قدر و منزلت بلند کی، ہم نے آپ کو ثنائے حسن اور ذکر بلند سے سرفراز کیا جہاں آج تک مخلوق میں سے کوئی ہستی نہیں پہنچ سکی۔ پس جب بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ مثلاً: اسلام میں داخل ہوتے وقت، اذان اور اقامت کے اندر، خطبوں اور دیگر امور میں جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ کا ذکر بلند کیا ہے۔ امت کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے بعد آپ کے لیے جو محبت، تعظیم اور اجلال ہے وہ کسی اور کے لیے نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی امت کی طرف سے افضل ترین جزائے خیر عطا کرے جو کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے عطا کی ہے۔ (تفسیر سعدی: 2959/3)

﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾

''پس یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے'' (5)

سوال 1: ﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ ''پس یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ ''پس یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے'' یعنی شدت کے ساتھ سہولت ہے۔

(2) ایک عظیم الشان خوشخبری ہے کہ جب بھی کوئی تنگی اور سختی پائی جائے گی تو اس کے ساتھ ساتھ آسانی بھی ہوگی حتیٰ کہ اگر تنگی گوہ کے بل میں داخل ہو جائے تو آسانی اس کے ساتھ داخل ہوگی اور اسے باہر نکال لائے گی۔ (تفسیر سعدی: 2959/3)

(3) سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے اور آپ کے سامنے ایک چٹان تھی۔ فرمایا اگر سختی اتر کر اس چٹان میں گھس جائے تو آسانی بھی اس میں گھس کر سختی کو باہر نکال دے گی اس پر یہ آیت اتری۔ (مسند بزار)

سوال 2: تنگی کے ساتھ آسانی کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اس کا مطلب ہے کہ اسلام کے لئے تکلیفیں برداشت کرتے ہوئے گھبرائیں نہیں۔ جلد ہی آپ ﷺ کو آسانی نصیب ہوگی۔

﴿اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾

''یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے'' (6)

سوال 1: ﴿اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ ''یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ ''یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے'' اب بھی عادۃ اللہ تعالیٰ یہی ہے کہ جو شخص سختی پر صبر کرے

اور سچے دل سے اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھے اور ہر طرف سے ٹوٹ کر اسی سے لولگائے۔ اسی کے فضل و رحمت کا امیدوار رہے، امتداد زمانہ سے گھبرا کر آس نہ توڑ بیٹھے ضرور اللہ اس کے حق میں آسانی کرے گا۔ ایک طرح کی نہیں، کئی طرح کی۔ (تفسیر عثمانی:904/2)

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ ۖ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا ۚ سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا﴾ ''لازم ہے کہ خوش حال اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرے گا جو اللہ تعالیٰ نے اُسے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتا ہے مگر اسی کی جو اس نے اسے دیا ہے اللہ تعالیٰ تنگ دستی کے بعد جلد ہی آسانی پیدا کر دے گا۔

(3) نبی ﷺ نے فرمایا: ''تکلیف کے ساتھ کشادگی ہوتی ہے اور تنگی کی معیت میں کشائش ہے۔'' (مسند احمد:307/1)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے دوبارہ بات کو دُہرا کر کسے خوش خبری دی ہے؟

جواب: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے خوش خبری ہے کہ جلد ہی آسانیوں کا دور آنے والا ہے۔

﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ﴾

''تو جب آپ فارغ ہو جائیں تو محنت کریں'' (7)

سوال: ﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ﴾ ''تو جب آپ فارغ ہو جائیں تو محنت کریں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَإِذَا فَرَغْتَ﴾ ''تو جب آپ فارغ ہو جائیں'' یعنی جب آپ گھریلو اور دوسرے دنیاوی کاموں سے فارغ ہو جائیں۔

(2) ﴿فَانصَبْ﴾ ''تو محنت کریں'' تو خلوص اور رغبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کریں۔ یعنی دعا کریں، اللہ تعالیٰ کی عبادت کی مشقت اٹھائیں۔

(3) سیدنا مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں جب امر دنیا سے فارغ ہو کر نماز کے لئے کھڑا ہو تو محنت کے ساتھ عبادت کر اور مشغولیت کے ساتھ کی طرف توجہ کر۔ (4) سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب فرض نماز سے فارغ ہو تو تہجد کی نماز میں کھڑا ہو۔

(5) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے ہوئے اپنے رب کی طرف توجہ کر۔

(6) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یعنی دعا کر۔

(7) زید بن اسلم اور ضحاک فرماتے ہیں جہاد سے فارغ ہو کر اللہ کی عبادت میں لگ جا ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اپنی نیت اور اپنی رغبت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رکھ۔ (ابن کثیر:561)

(9) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صحت اور فراغت دو ایسی نعمتیں ہیں کہ جن کے بارے

میں اکثر لوگ دھوکا کھائے ہوئے ہیں۔یعنی ان کی قدر نہیں کرتے'' (بخاری:6412)

(10) یعنی نماز سے فارغ ہو یا تبلیغ اور جہاد سے فارغ ہو تو دُعا میں محنت کرو یا اتنی عبادت کرو کہ تم تھک جاؤ۔

(11) یعنی جب آپ کے دل میں اللہ تعالیٰ کے ڈر سے روکنے والے کوئی چیز رہ نہ جائے تب آپ دعا اور عبادت کرتے جائیں۔

﴿وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾

''اور اپنے رب کی طرف رغبت کریں'' (8)

سوال 1: ﴿وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾ ''اور اپنے رب کی طرف رغبت کریں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِلٰى رَبِّكَ﴾ ''اور اپنے رب کی طرف'' یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہو کر اکیلے اپنے رب کی۔

(2) ﴿فَارْغَبْ﴾ ''رغبت کریں'' یعنی اپنی پکار کے جواب اور اپنی دعاؤں کی قبولیت کے لیے اپنی رغبت بڑھایے۔ آپ ان لوگوں میں سے نہ ہوں جو فارغ ہوتے ہیں تو کھیل تماشے میں مشغول ہو جاتے ہیں، اپنے رب اور اس کے ذکر سے منہ موڑ لیتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ آپ خسارہ پانے والوں میں شامل ہو جائیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس آیت کریمہ کے معنی ہیں کہ جب نماز پڑھ کر اس سے فارغ ہوں تو دعا میں محنت کیجیے اور اپنے مطالب کے سوال کرنے میں اپنے رب کی طرف رغبت کیجیے۔ اس قول کے قائلین، اس آیت کریمہ سے، فرض نمازوں کے بعد دعا اور ذکر وغیرہ کی مشروعیت پر استدلال کرتے ہیں۔ واللہ اعلم (تفسیر سعدی:2960/3)

(3) یعنی آپ تبلیغ کے کاموں سے، گھریلو مشاغل سے اور اسلام لانے والوں کی تعلیم و تربیت سے فراغت حاصل ہو تو اپنے پروردگار سے لو لگایئے اور یکسو ہو کر اس سلسلے میں ریاضت کیجیے کیونکہ مشکلات کے دوران عبادت کے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس پر توکل ہی انسان کو ایسا حوصلہ عطا کرتا ہے جس سے مصائب کو برداشت کرنے کے قابل بن جاتا ہے۔ (تیسیر القرآن:662/4)

(4) نماز سے فارغ ہونے کے بعد دعا میں خوب محنت کریں۔

سوال 2: ربّ کی طرف رغبت یا توجہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرو۔ ہر معاملے میں اُس پر بھروسہ رکھو۔ جنت کی اُمید رکھو۔

آیاتھا ۸ | ۹۵ سُوْرَةُ التِّیْنِ مَكِّيَّةٌ ۲۸ | رکوعھا ۱

سوال 1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس میں کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں ایک رکوع اور 8 آیات ہیں۔

سوال2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے۔

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے یہ 95 سورت ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے 34 سورت ہے۔

سوال3: اس سورت کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے، تو آپ نے عشاء کی (پہلی) دو رکعتوں میں سے ایک میں سورۃ ﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ﴾ کی قراءت فرمائی اور میں نے آپ سے بڑھ کر کسی کی اچھی آواز یا قراءت نہیں سنی۔ (بخاری:769,767؛ مسلم:1037)

رکوع نمبر 20

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ﴾

"قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی!" (1)

سوال: ﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ﴾ "قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی!" اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ﴾ "قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی!" التین سے مراد انجیر ہے یہ خوش ذائقہ پھل ہے جس میں بہت غذائیت بھری ہے اور زیتون سے مراد زیتون ہے۔

(2) انجیر اور زیتون کی قسم ان مقامات کے حوالے سے کھائی گئی جہاں انبیاء علیہم السلام پیدا ہوئے یعنی بیت المقدس جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیغمبر بن کر آئے۔

(3) اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان دونوں کی قسم ان کے اور ان کے پھل کے کثیر الفوائد ہونے کی بنا پر کھائی ہے، نیز اس بنا پر قسم کھائی ہے کہ ان دونوں درختوں کی ارض شام (فلسطین) میں، جو سیدنا عیسیٰ ابن مریم کی نبوت کا محل ومقام ہے، کثرت ہے۔ (سعدی:2961/3)

(4) اس آیت میں انجیر یا اس کے درخت اور زیتون کے درخت کی قسم نہیں کھائی گئی بلکہ اس سرزمین کی قسم کھائی گئی ہے جس میں یہ پھل بکثرت پیدا ہوتے ہیں وہ علاقہ شام اور فلسطین کا ہے۔ عربوں کا قاعدہ ہے کہ کسی چیز کا جز بول کر کل مراد لیتے ہیں۔ یہ بھی ان کا قاعدہ ہے کہ کسی علاقے کی پیداوار کا نام لے کر اس علاقہ مراد لیتے ہیں۔

﴿وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ﴾

''اور طورِ سینا کی!'' (2)

سوال: ﴿وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ﴾ ''اور طورِ سینا کی!'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ﴾ ''اور طورِ سینا کی!'' طورِ سینا سے مراد وہ پہاڑ ہے جس پر رب العزت نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا۔ (ایسر التفاسیر: 1771)

(2) طور سینین کو سورۃ المومنون کی آیت 20 میں طور سیناء کہا گیا ہے۔ اور آج کل بھی سیناء ہی ہے۔ یہ ایک بلند پہاڑ ہے جو مصر سے مدین یا مدین سے مصر جاتے ہوئے راستہ میں پڑتا ہے۔ اسی پہاڑ کی ایک چوٹی کا نام طور ہے۔ اور اسی پہاڑ کے دامن میں وادی کا نام طویٰ ہے جسے قرآن میں وادی مقدس اور البقعۃ المبارکہ بھی کہا گیا ہے اسی مقام پر موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا کی گئی اور دو دفعہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا۔ (تیسیر القرآن 4/663) (3) طور سیدنا موسیٰ کا مقام نبوت ہے۔

﴿وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ﴾

''اور اس پُر امن شہر کی قسم!'' (3)

سوال: ﴿وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ﴾ ''اور اس پُر امن شہر کی قسم!'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ﴾ ''اور اس پُر امن شہر کی قسم!'' اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے اس کو امین اس لئے کہا گیا کہ وہ بلد حرام ہے۔ اس میں قتال نہیں ہوتا جو اس میں داخل ہوتا امن پاتا ہے۔

(2) اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے جو محمد ﷺ کی نبوت کا محل و مقام ہے۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان مقامات مقدسہ کی قسم کھائی جن کو اللہ تعالیٰ نے چن لیا اور جہاں تمام انبیاء میں سب سے زیادہ شرف وفضیلت کے حامل نبی مبعوث ہوئے۔ (تفسیر سعدی: 3/2961)

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ﴾ ''اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ یقیناً ہم نے حرم کو پُر امن بنایا ہے؟ حالانکہ لوگ اُن کے اردگرد سے اُچک لیے جاتے ہیں تو کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں؟'' (العنکبوت: 67)

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾

''بلاشبہ یقیناً ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا'' (4)

سوال 1: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ ''بلاشبہ یقیناً ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ﴾''بلاشبہ یقیناً ہم نے انسان کو پیدا کیا''یعنی جنس انسان آدم اور ان کی اولاد کو پیدا کیا۔

(2)﴿فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ﴾''بہترین ساخت پر''بہترین اور خوب صورت بنایا۔اس کی تخلیق میں اعتدال رکھا اور حسن ترتیب سے پیدا کیا۔(ایسر التفاسیر:1771)

(3)اللہ تعالیٰ نے انسان کو فکر، فہم، علم، عقل اور نتائج اخذ کرنے کی جو صلاحیتیں دی ہیں، وہ کسی اور مخلوق کو نہیں دی گئیں۔

(4)اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو بھی صرف انسانوں میں سے مبعوث کیا۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سفر سے واپس میرے ہاں تشریف لائے اور میں نے تب اپنے طاقچے پر پردہ رکھا تھا، جس میں تصویریں تھیں۔جب آپ ﷺ نے اسے دیکھا تو آپ ﷺ نے اس پردے کو پھاڑ ڈالا اور فرمایا:''قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب میں وہ لوگ مبتلا ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی مانند تخلیق کی کوشش کرتے ہیں۔''(بخاری:5954)

(5)ابوزرعہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ میں ایک مکان میں داخل ہوا تو دیکھا کہ مکان کے اوپر ایک مصور تصویر بنا رہا ہے، تو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے (اس سے) کہا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:''(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے)اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو میری تخلیق کی مانند تخلیق کی کوشش کرے، یہ لوگ ایک دانہ یا ایک چیونٹی تو بنا کر دکھائیں۔''(بخاری:5953)

(6)سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے ایک گدا خریدا، جس پر تصویریں بنی ہوئی تھیں، جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ دروازے ہی میں کھڑے ہو گئے اور اندر داخل نہ ہوئے میں نے عرض، یہ اس لیے ہے کہ آپ ﷺ اس پر تشریف رکھیں اور اس پر ٹیک لگائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:''ان تصویروں کے بنانے والوں کو قیامت کے روز عذاب دیا جائے گا۔ان سے کہا جائے گا کہ جو کچھ تم نے بنایا ہے اسے زندہ کرو اور (سنو!) فرشتے کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویریں ہوں۔''(بخاری:5957)

سوال2:اللہ تعالیٰ نے انسان کو کیسے بہترین ساخت پر پیدا کیا؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ نے سارے جانوروں کے مقابلے میں انسان کو دراز قامت بنایا۔

(2)سب جانوروں کا منہ نیچے کو جھکا ہوا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سر اٹھا کر چلنے والا بنایا۔

(3)سب جانور منہ مار کر یا پنجوں میں پکڑ کر کھاتے پیتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہاتھوں سے کھانے پینے والا بنایا۔

(4)اللہ تعالیٰ نے انسان کے اعضاء کو متناسب بنایا۔

(5)اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل، فہم، تدبر، حکمت اور سننے، دیکھنے کی قوتیں عطا کیں اور یہ ساری اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔اس اعتبار سے انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کا پرتو ہے۔انسان کی پیدائش میں ان تمام چیزوں کا اہتمام کرنا ہی اَحسن تقویم ہے۔

﴿ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ﴾

''پھر ہم نے اُس کولوٹا کر نیچوں سے سب سے نیچا کر دیا''(5)

سوال1:﴿ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ﴾''پھر ہم نے اُس کولوٹا کر نیچوں سے سب سے نیچا کر دیا''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ﴾''پھر ہم نے اُس کولوٹا کر نیچوں سے سب سے نیچا کر دیا''انسان بہترین جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کو جب بے حیائی اور برائی کے لئے استعمال کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بغاوت پر اتر آتا ہے تو وہ حیوانی سطح سے بھی نیچے گر جاتا ہے کیونکہ رب العزت نے حیوانوں کو خیر اور شر کی تمیز نہیں دی۔انسان نیکی اور بدی کی اور خیر وشر کی تمیز رکھتا ہے پھر بھی اخلاقی لحاظ سے پستی میں گر جاتا ہے۔انسانوں میں شہوت پرستی،حرص،کمینہ پن،طمع،خودغرضی،ظلم،قتل وغارت گیری،لوٹ کھسوٹ جیسی جو برائیاں پائی جاتی ہیں وہ حیوانوں میں نہیں پائی جاتیں۔اس لئے وہ ساری مخلوقات سے پست ہو جاتا ہے۔

(2)سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ذلیل ترین عمر کو پہنچ گئے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا جب کہ ان کی عقلیں جا چکیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کا عذر نازل فرمایا کہ جو حضرات عقلیں زائل ہونے سے پہلے عمل صالح کر چکے ہیں ان کے لیے ان کا اجر ہے۔(تفسیر ابن عباس:484/3)

(3)یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو حسن وجمال جوانی اور کمال دے کر رذی عمر میں لوٹا دیا۔

سوال2:انسان کیسے سب نیچوں سے نیچ ہو جاتا ہے؟

جواب:انسان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کر کے اپنے آپ کو اَحسنِ تقویم کے اعزاز سے گرا کر اَسفل السافلین میں شامل کر لیتا ہے۔

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ﴾

''مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے تو اُن کے لیے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے''(6)

سوال:﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ﴾''مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے تو اُن کے لیے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾''مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے''یعنی جن لوگوں نے دل سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کیا اور اس کے احکامات کی اطاعت کی اور نیک اعمال کیے۔انہوں نے اخلاق حسنہ اپنائے برائی کو خود سے بچائے رکھا۔

(2)﴿فَلَهُمْ﴾ ''تو اُن کے لیے'' یعنی ان کے لئے ان کے اعمال کے اجر کے طور پر۔

(3)﴿اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ﴾ ''کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے'' کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ان کے لئے ایسی جنتیں ہوں گی جن کے پھل نہ ختم ہوں گے نہ ان کا موسم جائے گا۔ان کے سائے دائمی ہونگے ،ان کی لذتیں اور نعمتیں سدا بہار ہوں گی۔

(4)رب العزت نے فرمایا:﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ؕ﴿۷﴾ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ﴿۸﴾﴾ ''یقینا جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے، وہی تمام مخلوقات میں سے بہترین لوگ ہیں۔اُن کی جزا اُن کے رب کے پاس ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ اُس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہوگیا اور وہ اُس سے راضی ہوگئے۔ یہ اُسی شخص کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈر گیا'' (البینۃ:7,8)

﴿فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ﴾

''پس اس کے بعد جزا کے بارے میں جھٹلانے پر تجھے کون سی چیز آمادہ کرتی ہے''؟(7)

سوال:﴿فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ﴾ ''پس اس کے بعد جزا کے بارے میں جھٹلانے پر تجھے کون سی چیز آمادہ کرتی ہے؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ﴾ ''پس اس کے بعد جزا کے بارے میں جھٹلانے پر تجھے کون سی چیز آمادہ کرتی ہے؟'' اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا۔وہ دوبارہ زندگی دینے پر قدرت رکھتا ہے۔

(2)اللہ تعالیٰ نے انسان سے خطاب کیا ہے کہ تمہیں بہترین صورت میں پیدا کیا جب کہ وہ صورتیں بگاڑنے کی پوری قدرت رکھتا ہے اور وہ تمہیں دوبارہ کسی اور صورت میں پیدا کرسکتا ہے۔کیا اس کے بعد بھی تم قیامت اور جزا سزا کا انکار کرو گے؟

(3)انسان اپنے اعمال کے اعتبار سے دو گروہوں میں بٹ گئے ایک ﴿اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ کے تقاضے پورے کرنے والے اور دوسرے ﴿اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ﴾ تک پہنچنے والے۔کیا دونوں گروہ کے اعمال ایک جیسے ہیں کہ ان کے نتائج ایک جیسے ہوں پھر آخرت میں نیک لوگوں کو ان کے اعمال کا اچھا بدلہ ملے اور برے لوگوں کو برا۔اس کے انکار کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔

(4)پس اے انسان کون سی چیز اس کے بعد تجھے اعمال کی جزا و سزا کے جھٹلانے پر آمادہ کرتی ہے، حالانکہ تو اللہ تعالیٰ کی بہت سی نشانیوں کو دیکھ چکا ہے جن سے تجھے یقین حاصل ہوسکتا ہے اور تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھ چکا ہے جو تجھ پر واجب ٹھہراتی ہیں کہ تو ان میں سے کسی چیز کا انکار نہ کرے جس کی اس نے تجھے خبر دی ہے۔(سعدی:2961/3)

﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ﴾

''کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے''؟(8)

سوال1:﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ﴾''کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے؟''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ﴾''کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے'' دنیا کے بادشاہوں کے ہاں بھی عدل کا قانون رائج کرنے کی کوشش کی جاتی ہے وہ مجرموں کو سزا اور اچھے کام کرنے والوں کو ایوارڈ دیتے ہیں۔تو جو جہانوں کا بادشاہ ہے اس کے انصاف کا بھی یہی تقاضا ہے کہ وہ ظالموں سے انتقام لے اور برے عمل کرنے والوں کو سزا دے اللہ تعالیٰ تو سب حاکموں سے بڑا عادل حاکم ہے اس نے دنیا میں فوراً حساب نہیں چکایا آخرت تک موخر کردیا ہے وہاں وہ انصاف کے تقاضے پورے کرے گا۔

سوال2:اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے۔اس کے تقاضوں کو وہ کیسے پورا کرتا ہے؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔(2)وہ انصاف کے لئے قیامت برپا کرے گا۔

اٰیاتھا ۱۹ | ۹۶ سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَکِّیَّةٌ ۱ | رکوعھا ۱

سوال1:سورۃ العلق کہاں نازل ہوئی؟

جواب:سورۃ العلق مکہ میں نازل ہوئی۔اسی سورۃ سے وحی کا آغاز ہوا۔یہ اس دور میں نازل ہوئی جب آپ نہیں جانتے تھے کہ یہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کسے کہتے ہیں۔

سوال2:اس سورۃ میں کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب:اس سورۃ میں ایک (1) رکوع اور انیس (19) آیات ہیں۔

سوال3:مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا کیا نمبر ہے؟

جواب:مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 96 ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے یہ قرآن مجید کی پہلی سورۃ ہے۔

سوال4:اس سورۃ کے اور کون سے نام ہیں؟

جواب:اس سورۃ کا نام اقراء اور القلم بھی ہے

سوال5:اس سورت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا سب سے پہلی وحی جو رسول اللہ ﷺ پر شروع ہوئی وہ اچھے خواب تھے۔ پس جو خواب آپ ﷺ دیکھتے تھے وہ (صاف صاف) صبح کی روشنی کے مثل ظاہر ہو جاتا تھا۔ (پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے) خلوت کی محبت آپ ﷺ کو دے دی گئی۔ چنانچہ آپ ﷺ غار حرا میں خلوت فرمایا کرتے تھے اور وہاں آپ کئی رات (لگاتار) عبادت کیا کرتے تھے۔ بغیر اس کے کہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر آتے اور اسی قدر زادراہ بھی لے جاتے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پاس وحی آ گئی اور آپ ﷺ غار حرا میں تھے یعنی فرشتہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے (آپ ﷺ سے) کہا کہ پڑھو! آپ ﷺ نے فرمایا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں پھر فرشتے نے مجھے پکڑ لیا اور مجھے (زور سے) بھینچا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہوئی۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھیے! تو میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ پھر فرشتے نے مجھے پکڑ لیا اور (زور سے) بھینچا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہوئی پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھیے۔ تو میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ فرشتے نے مجھے پھر پکڑ لیا اور سہ بار مجھے (زور سے) بھینچا پھر مجھ کہا کہ ﴿اقرا باسم ربك﴾ الخ (العلق: 1,3) ”اپنے پروردگار کے نام (کی برکت) سے پڑھو جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا پڑھو اور (یقین کر لو کہ) تمہارا پروردگار بڑا بزرگ ہے“۔ پس رسول اللہ ﷺ کا دل اس واقعہ کے سبب سے (مارے خوف کے) کانپنے لگا اور آپ ﷺ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور (وہاں موجود لوگوں سے) کہا کہ مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے کمبل اوڑھا دو۔ چنانچہ انھوں نے آپ ﷺ کو کمبل اڑھا دیا یہاں تک کہ (جب) آپ ﷺ کے دل سے خوف جاتا رہا تو آپ ﷺ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے سب حال (جو غار میں گزرا تھا) بیان کر کے کہا کہ بلاشبہ مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا بولیں کہ ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ یقیناً آپ صلہ رحمی کرتے ہیں ناتواں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، جو چیز لوگوں کے پاس نہیں وہ انہیں دیتے ہیں مہمان کی خاطر تواضع کرتے ہیں اور (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) مدد کرتے ہیں۔ پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو لے کر چلیں اور ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزی جو کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا کے بیٹے تھے، کے پاس آپ ﷺ کو لائیں اور ورقہ وہ شخص تھا جو زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا اور عبرانی کتاب لکھا کرتا تھا۔ یعنی جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تھا انجیل کو عبرانی میں لکھا کرتا تھا اور بڑا بوڑھا آدمی تھا کہ بینائی جا چکی تھی۔ تو اس سے ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اے میرے چچا کے بیٹے! اپنے بھتیجے (ﷺ) سے (ان کا حال) سنو! ورقہ بولے، اے میرے بھتیجے! تم کیا دیکھتے ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا ان سے بیان کر دیا تو ورقہ نے آپ ﷺ سے کہا کہ یہ وہ فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا۔ اے کاش! میں اس وقت (جب آپ ﷺ نبی ہوں گے) جوان ہوتا۔ اے کاش میں (اس وقت تک) زندہ رہتا جب کہ آپ ﷺ کو آپ کی قوم (مکہ سے) نکالے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے (یہ سن کر بہت تعجب سے) فرمایا: کیا یہ لوگ مجھے نکالیں گے؟ ورقہ نے کہا: ہاں جس شخص نے آپ ﷺ جیسی بات بیان کی اس سے (ہمیشہ) دشمنی کی گئی اور اگر مجھے آپ ﷺ (کی نبوت) کا دور مل گیا تو میں آپ ﷺ کی بہت ہی بھرپور طریقے سے مدد

کروں گا۔مگر چند ہی روز گزرے تھے کہ ورقہ کی وفات ہوگئی اور وحی (کی آمد عارضی طور پر چند روز کے لیے) رک گئی۔(بخاری:3،مسلم:160)

سوال6: وحی کا آغاز کیسے ہوا؟

جواب: رسول اللہ ﷺ پر نزول کے اعتبار سے یہ قرآن کی اولین سورت ہے، یہ نبوت کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی، جب آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا چیز ہے؟ پس جبریل علیہ السلام پیغام الٰہی لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے کہا کہ آپ پڑھیں مگر آپ نے عذر پیش کیا اور کہا ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔'' جبریل بار بار یہی بات دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ نے پڑھا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ﴿اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِيۡ خَلَقَ﴾ یعنی جس نے عام مخلوق کو پیدا کیا، پھر انسان کو خاص کر کے اس کی تخلیق کی ابتدا کا ذکر کیا۔(تفسیر سعدی:3/2962)

رکوع نمبر21

﴿بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ﴾

﴿اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِيۡ خَلَقَ﴾

''آپ پڑھیں اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا''(1)

سوال: ﴿اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِيۡ﴾ ''آپ پڑھیں اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِقۡرَاۡ﴾ ''آپ پڑھیں'' اس سے اللہ تعالیٰ نے یہ سمجھایا ہے کہ جو ربّ پیدا کرتا ہے وہی پڑھاتا ہے۔ اسی کے نام سے انسان کے لئے پڑھنا ممکن ہے۔ (2) یعنی جس نے سب چیزوں کو پیدا کیا، کیا وہ تم میں صفت قرأت پیدا نہیں کر سکتا۔(تفسیر عثمانی:2/908)

﴿خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ﴾

''اُس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا''(2)

سوال: ﴿خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ﴾ ''اُس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ﴾ ''اُس نے انسان کو پیدا کیا'' خاص طور پر انسان کی پیدائش کا ذکر، انسان کے شرف کو واضح کرنے کے لئے۔

(2) ﴿مِنۡ عَلَقٍ﴾ ''خون کے لوتھڑے سے'' جمے ہوئے خون میں نہ حس ہے نہ شعور، نہ علم نہ ادراک، محض جماد لایعقل ہے، پھر جو خدا

جمادلایعقل کوانسان عاقل بناتا ہے، وہ ایک عاقل کو کامل اور ایک امی کو قاری وعالم نہیں بنا سکتا۔ یہاں تک قرأت کا امکان ثابت کرنا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو کچھ مشکل نہیں کہ تم کو باوجود امی ہونے کے قاری بنادے، آگے اس کی فعلیت اور وقوع پر متنبہ فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی:908/2)

﴿اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ﴾

''آپ پڑھیں اور آپ کا رب سب سے زیادہ کریم ہے'' (3)

سوال1: ﴿اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ﴾ ''آپ پڑھیں اور آپ کا رب سب سے زیادہ کریم ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ﴾ ''آپ پڑھیں اور آپ کا رب سب سے زیادہ کریم ہے'' یعنی آپ کا رب بہت زیادہ اور وسیع صفات کا مالک، بہت زیادہ کرم واحسان اور بے پایاں جود والا ہے۔ جس کا کرم یہ ہے کہ اس نے مختلف انواع کے علوم کے ذریعے سے تعلیم دی۔ (تفسیر سعدی:2963/3)

(2) یعنی آپ کی تربیت جس شان سے کی گئی، اس سے آپ کی کامل استعداد اور لیاقت نمایاں ہے جب ادھر سے استعداد میں قصور نہیں اور ادھر سے مبدأ فیاض میں بخل نہیں بلکہ وہ تمام کریموں سے بڑھ کر کریم ہے۔ پھر وصول فیض میں کیا چیز مانع ہوسکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی:908/2)

(3) اس پروردگار کا نام لے کر پڑھیں جس نے انسان کی پیدائش سے پہلے ہی اس کی زندگی کی بقا کے سارے اسباب مہیا کر دیے۔

سوال2: ''آپ پڑھیں اور آپ کا رب سب سے زیادہ کریم ہے'' یہ بات کیوں کہی گئی؟

جواب: رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے بار بار یہ کہا تھا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کرم کرنے والا ہے۔ وہ کوتاہیوں سے درگزر کرتا ہے۔

﴿الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ﴾

''وہ ذات جس نے قلم سے علم سکھایا'' (4)

سوال: ﴿الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ﴾ ''وہ ذات جس نے قلم سے علم سکھایا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اور قلم کے ساتھ علم عطا کیا جس کے ذریعے سے تمام علوم کو محفوظ اور حقوق کو ضبط کیا جاتا ہے وہ لوگوں کے لیے ایسا ایلچی ہوتا ہے جو ان کے لیے بالمشافہ خطاب کا قائم مقام ہوتا ہے۔ (تفسیر سعدی:2963/3)

(2) امام تفسیر مجاہد نے ابو عمرو سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات میں چار چیزیں اپنے دست قدرت سے خود بنائیں اور ان کے سوا باقی مخلوقات کے لئے حکم دیا کن ہو جا وہ موجود ہوگئیں۔ یہ چار چیزیں یہ ہیں قلم، عرش، جنت عدن، آدم علیہ السلام۔ (معارف القرآن:785/8)

(3) (i) یہ بات اس لئے کی گئی کہ جو علم انسان کے حافظے میں ہوتا ہے وہ انسان کے ساتھ چلا جاتا ہے۔ جس کا انسان اپنی زبان سے

اظہار کرتا ہے وہ بھی نہیں رہتا۔ البتہ قلم سے لکھا ہوا محفوظ رہتا ہے (اگر کسی وجہ سے ضائع نہ ہو جائے تو)۔
(ii) قلم سے آسمانی کتابوں کی حفاظت ہوئی۔ (iii) اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا۔ (iv) قلم ہی تقدیر لکھتا ہے۔ (v) قلم سے ہی تاریخ اور اسلاف کا ذخیرۂ علم محفوظ رہتا ہے۔
(4) محمد رسول اللہ ﷺ نے کبھی لکھا پڑھا نہ تھا، فرمایا کہ قلم سے بھی علم وہی دیتا ہے یوں بھی وہی دے گا۔ اور ممکن ہے ادھر بھی اشارہ ہو کہ جس طرح مفیض و مستفیض کے درمیان قلم واسطہ ہوتا ہے، اللہ اور محمد کے درمیان جبریل محض ایک واسطہ ہیں۔ جس طرح قلم کا توسط اس کو مستلزم نہیں کہ وہ مستفیض سے افضل ہو جائے۔ ایسے ہی یہاں حقیقت جبریلیہ کا حقیقت محمدیہ سے افضل ہونا لازم نہیں آتا۔ (تفسیر عثمانی:908/2)
(5) قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قلم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اگر وہ نہ ہوتا تو نہ کوئی دین قائم ہوتا اور نہ زندگی کی اصلاح ہوتی۔'' (فتح القدیر)
(6) علماء نے فرمایا ہے کہ عالم میں قلم تین ہیں۔ ایک سب سے پہلا قلم جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور تقدیر کائنات لکھنے کا اس کو حکم دیا، دوسرے فرشتوں کے قلم جس سے وہ تمام ہونے والے واقعات اور ان کی مقادیر کو نیز انسانوں کے اعمال کو لکھتے ہیں۔ تیسرے عام انسانوں کے قلم جس سے وہ اپنے کلام لکھتے اور اپنے مقاصد میں کام لیتے ہیں اور کتابت درحقیقت بیان کی ایک قسم ہے اور بیان انسان کی مخصوص صفت ہے۔

﴿عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ﴾

''اس نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا'' (5)

سوال: ﴿عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ﴾ ''اس نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿عَلَّمَ الْاِنْسَانَ﴾ ''اس نے انسان کو وہ کچھ سکھایا'' یعنی جنس انسان۔
(2) ﴿مَالَمْ يَعْلَمْ﴾ ''جو وہ نہیں جانتا تھا'' یعنی جن کا اسے علم نہ تھا۔
(3) اللہ تعالیٰ نے انسان کو ماں کے پیٹ سے نکالا، وہ اس وقت کچھ نہیں جانتا تھا، اس کی سماعت، بصارت اور عقل سے بہرہ ور کیا، اس کے لیے حصول علم کے تمام اسباب آسان کیے، اسے قرآن کی تعلیم دی، حکمت سکھائی۔ (تفسیر سعدی:2963/3)
(4) انسان کی عزت و شرافت علم سے ہے۔ انسان اپنی پیدائش کے آغاز میں جما ہوا خون تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر کرم کیا کہ اسے وہ باتیں بتا دیں جنہیں وہ جانتا نہ تھا۔ (5) علم ہی کی وجہ سے آدم کی فرشتوں پر فضیلت ثابت ہوئی۔
(6) علم کبھی تو دل میں ہوتا ہے اور کبھی زبان پر اور کبھی تحریر کی گرفت میں آجاتا ہے۔ پس علم کی تین قسمیں ہیں ذہنی، لفظی اور رسمی۔ رسمی، ذہنی اور لفظی تو لازم ہے لیکن ذہنی اور لفظی رسمی کو لازم نہیں۔ اس وجہ سے اقراء فرمایا۔ ایک اثر میں ہے کہ علم لکھ لیا کرو اور یہ بھی ہے کہ جس نے علم

پر عمل کیا اللہ پاک اسے اس علم کا بھی وارث بنا دے گا جسے وہ جانتا نہ ہوگا۔

﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى﴾

"ہرگز نہیں! بلاشبہ یقیناً انسان سرکش ہو جاتا ہے" (6)

سوال 1: ﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى﴾ "ہرگز نہیں! بلاشبہ یقیناً انسان سرکش ہو جاتا ہے" اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى﴾ "ہرگز نہیں! بلاشبہ یقیناً انسان سرکش ہو جاتا ہے" یعنی بڑا تکبر کرنے والا، اترانے والا، سرکش اور مغرور ہے۔ (2) انسان ہی حد سے تجاوز کرتا ہے۔ اور اپنے رب کے سامنے تکبر کرتا ہے پھر ان کا انکار کرتا ہے۔ (جامع البیان: 277/30)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے انسان کی سب سے بڑی غلطی کو کیسے واضح کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان سرکشی کرتا ہے۔

﴿اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى﴾

"کہ وہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے کہ وہ مستغنی ہو گیا" (7)

سوال 1: ﴿اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى﴾ "کہ وہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے کہ وہ مستغنی ہو گیا" اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى﴾ "کہ وہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے کہ وہ مستغنی ہو گیا" یعنی جب وہ اپنے آپ کو خوش حال دیکھتا ہے تو تکبر کرتا ہے۔ (2) یعنی جب اس نے اپنے آپ کو غنی دیکھا تو سرکشی اور بغاوت پر اتر آیا۔

سوال 2: انسان سرکشی کیوں کرتا ہے؟

جواب: انسان خود کو بے نیاز دیکھتا ہے۔ اُسے لگتا ہے کوئی مجھے پکڑنے والا، مجھ سے حساب کتاب لینے والا نہیں۔

﴿اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى﴾

"یقیناً تیرے رب ہی کی طرف واپسی ہے" (8)

سوال 1: ﴿اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى﴾ "یقیناً تیرے رب ہی کی طرف واپسی ہے" اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى﴾ "یقیناً تیرے رب ہی کی طرف واپسی ہے" رُجْعٰى بمعنی لوٹ کر واپس جانے کا مقام، یعنی انسان دنیا میں کتنی بھی سرکشی اختیار کر لے۔ بالآخر اس کو اپنے رب کے پاس جانا پڑے گا، اس وقت اسے معلوم ہو جائے گا کہ اس کی اس متکبرانہ روش کا انجام کیسا ہوتا ہے؟ (تیسیر القرآن: 668/4)

(2)اے غافل انسان! دنیا کے خزانے بھی اکٹھے کر لے تو کتنے دن تک کام آئیں گے؟ یہ دنیا ختم ہو جائے گی اور موت آ کر تمہارا گلا دبا دے گی۔تم نے مرجانا ہے اور لوٹ کر اپنے رب کے پاس جانا ہے۔تیری فرعونیت خاک میں مل جائے گی تجھے اپنے رب کو حساب دینا ہے تم کس عزت کی تلاش میں ہو آخرت کی عزت کے لئے کوشش کرو جب تم سے سوال ہوگا عمر کن کاموں میں گزاری؟ جوانی کن کاموں میں پرانی کردی؟ مال کہاں سے کمایا؟ اور کہاں خرچ کیا؟ علم پر کتنا عمل کیا؟ ساری مخلوق کے سامنے رسوا ہونے سے بچنے کے لئے آج ہی لوٹ جانے کی تیاری کرو۔

(3)رب العزت نے فرمایا:﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ (۴۲) مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ (۴۳)﴾ ''اور آپ اللہ تعالیٰ کو ہرگز غافل خیال نہ کریں اس سے جو ظالم کرتے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ انہیں اس دن کے لیے ڈھیل دے رہا ہے جس میں نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔اس حالت میں کہ تیز دوڑنے والے، اپنے سروں کو اوپر اٹھانے والے ہوں گے۔ان کی نگاہ ان کی اپنی جانب ہی نہیں لوٹے گی اور ان کے دل خالی ہوں گے۔'' (ابراہیم:42,43)

سوال2:اللہ تعالیٰ نے سرکشی کا علاج کیسے کیا ہے؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرے ربّ کی طرف پلٹنا ہے یعنی مالک کے پاس جاؤ گے وہ حساب کتاب لے گا۔پھر سرکشی کا بُرا نتیجہ سامنے آئے گا۔

﴿اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى﴾

''کیا تم نے اُس شخص کو دیکھا ہے جو منع کرتا ہے؟'' (9)

سوال:﴿اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى﴾ ''کیا تم نے اُس شخص کو دیکھا ہے جو منع کرتا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى﴾ ''کیا تم نے اُس شخص کو دیکھا ہے جو منع کرتا ہے'' یہ آیتیں ابوجہل کی مذمت میں نازل ہوئیں جو رسول اللہ ﷺ کو بیت اللہ کے قریب نماز پڑھنے پر دھمکیاں دیتا تھا۔

(2)سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوجہل نے (اپنے ساتھیوں سے) پوچھا، کیا محمد ﷺ تمہارے سامنے اپنا چہرہ زمین پر رکھتے ہیں؟ (یعنی وہ تمہارے سامنے ایک اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہے) کہا گیا، ہاں! ابوجہل نے کہا، لات اور عزیٰ کی قسم! اگر میں نے انہیں ایسا کرتے دیکھ لیا تو ان کی گردن روند ڈالوں گا، یا ان کے چہرے کو مٹی میں لتھیڑ دوں گا۔(پھر ایسا ہوا کہ) وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے، تو اس نے آپ کی گردن روندنے کا ارادہ کیا، لیکن اچانک وہ آپ سے دور ہو گیا اور اپنی ایڑیوں

کے بل لوٹ گیا اور وہ اپنے ہاتھوں سے (کسی چیز سے) بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس سے کہا گیا، تجھے کیا ہوا؟ اس نے کہا، میرے اور ان کے درمیان آگ کی ایک خندق تھی، بڑا ہولناک منظر تھا اور (فرشتوں کے) بازو تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کے ایک ایک عضو کو اچک لیتے۔'' (مسلم:7065)

(3) یعنی وہ جزا کے دن سے نہیں ڈرتا خود بھی رب کا راستہ چھوڑتا ہے اور دوسروں کو بھی چھوڑنے کی دعوت دیتا ہے۔

﴿عَبْدًا اِذَا صَلّٰى﴾

''ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے'' (10)

سوال: ﴿عَبْدًا اِذَا صَلّٰى﴾ ''ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿عَبْدًا اِذَا صَلّٰى﴾ ''ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے'' یعنی اپنے عمل کا جائزہ تو لو تم نماز پڑھنے سے روکتے ہو۔ جو ایمان والے اعمال میں سب سے افضل عمل ہے۔

(2) یعنی اس کی سرکشی اور تمرد کو دیکھو کہ خود کو تو اپنے رب کے سامنے جھکنے کی توفیق نہیں، دوسرا بندہ اگر خدا کے سامنے سر بسجود ہوتا ہے اسے بھی نہیں دیکھ سکتا۔ ان آیات میں اشارہ ابو جہل ملعون کی طرف ہے۔ جب وہ نبی ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھتا تو چڑاتا اور دھمکاتا تھا۔ اور طرح طرح سے ایذائیں پہنچانے کی سعی کرتا تھا۔ (تفسیر عثمانی:909/2)

﴿اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى﴾

''کیا آپ نے دیکھا اگر وہ ہدایت پر ہو؟'' (11)

سوال: ﴿اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى﴾ ''کیا آپ نے دیکھا اگر وہ ہدایت پر ہو؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَرَءَيْتَ﴾ ''کیا آپ نے دیکھا'' یعنی اے نماز سے روکنے والے؟ یہ تو بتاؤ۔

(2) ﴿اِنْ كَانَ﴾ ''اگر وہ ہو'' اگر نماز پڑھنے والا شخص (3) ﴿عَلَى الْهُدٰٓى﴾ ''ہدایت پر'' وہ حق پر ہو، حق کا علم رکھتا ہو۔ اس پر عمل کرتا ہو۔

(4) ﴿عَلَى الْهُدٰٓى﴾ ''ہدایت پر'' اس سے مراد سیدھے راستے پر ہونا ہے، بے خطا ہونا ہے۔

﴿اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى﴾

''تقویٰ کا حکم دیتا ہو'' (12)

سوال 1: ﴿اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى﴾ ''تقویٰ کا حکم دیتا ہو'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى﴾ ''تقویٰ کا حکم دیتا ہو'' یعنی وہ محمد رسول اللہ ہیں جنہیں آپ بیت اللہ میں نماز پڑھنے سے روک رہے ہو اگر وہ سیدھے راستے پر ہوں ان کی عبادت اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہو ان کی زندگی تقویٰ والی ہو اور وہ دوسروں کو بھی نیکی کی ترغیب دلاتا ہو۔(2) کیا یہ اچھی بات ہے۔(تفسیر سعدی:2963/3)

سوال2:تقویٰ یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہنے کا حکم کون دیتا ہے؟

جواب: جو خود اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو۔

سوال3: ڈر کر رہنے کے حکم سے مراد کن چیزوں کا حکم دینا ہے؟

جواب: ڈر کر رہنے سے مراد ان چیزوں کا حکم دینا ہے جن کی وجہ سے انسان جہنم کی آگ سے بچ سکے یعنی توحید، عملِ صالح اور اِخلاص کی تعلیم۔

﴿اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى﴾

''کیا تم نے دیکھا اگر اس نے جھٹلایا اور منہ موڑا؟'' (13)

سوال1:﴿اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى﴾ ''کیا تم نے دیکھا اگر اس نے جھٹلایا اور منہ موڑا؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ﴾ ''کیا تم نے دیکھا اگر اس نے جھٹلایا'' یعنی اگر نماز سے روکنے والے نے جھٹلایا ہو۔

(2)﴿وَتَوَلّٰى﴾ ''اور منہ موڑا؟'' اور حکم سے منہ موڑا ہو تو کیا وہ زمین و آسمان کے خالق کے عذاب سے نہیں ڈرتا؟

سوال2:﴿اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى﴾ ''کیا تم نے دیکھا اگر اس نے جھٹلایا اور منہ موڑا؟'' سے اللہ تعالیٰ نے کس طرف توجہ دلائی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے کہ بھلا بتاؤ جو شخص پیغمبر کو جھٹلاتا ہے اور ایمان سے منہ موڑتا ہے، یہ اس شخص کی مخالفت کرنے کا حق رکھتا ہے جو ہدایت پر ہے، نماز پڑھتا ہے اور تقویٰ کا حکم دیتا ہے۔

﴿اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى﴾

''کیا اُس نے نہیں جانا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے'' (14)

سوال:﴿اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى﴾ ''کیا اُس نے نہیں جانا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى﴾ ''کیا اُس نے نہیں جانا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔'' کیا اللہ تعالیٰ کے گھر میں اس کی عبادت سے روکنے والا نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس کی حرکتوں کو دیکھتا ہے۔ وہ ان سارے معاملات کا حساب لے گا۔

﴿كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ﴾

''ہرگز نہیں! یقیناً اگر وہ باز نہ آیا تو ہم پیشانی کے بالوں سے لازماً کھینچیں گے''(15)

سوال:﴿كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ﴾ ''ہرگز نہیں! یقیناً اگر وہ باز نہ آیا تو ہم پیشانی کے بالوں سے لازماً کھینچیں گے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ﴾ ''ہرگز نہیں! یقیناً اگر وہ باز نہ آیا''اللہ رب العزت نے ڈانٹ کر فرمایا کہ اگر وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا اور سرکشی سے نہ رکا۔

(2)اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر وہ نبی ﷺ کی دشمنی اور مخالفت سے باز نہ آیا۔

(3)﴿لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ﴾ ''تو ہم پیشانی کے بالوں سے لازماً کھینچیں گے''تو ہم اس کی گناہ گار پیشانی کو بڑی سختی سے پکڑیں گے۔

(4)رب العزت نے فرمایا:﴿يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ﴾ ''مجرموں کو ان کی علامت ہی سے پہچان لیا جائے گا، پھر اُنہیں ان کی پیشانی کے بالوں اور قدموں سے پکڑا جائے گا۔''(الرحمن:41)

﴿نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ﴾

''جو جھوٹی، خطا کار پیشانی ہے''(16)

سوال:﴿نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ﴾ ''جو جھوٹی، خطا کار پیشانی ہے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ﴾ ''جو جھوٹی، خطا کار پیشانی ہے''یعنی جس سر پر یہ چوٹی ہے وہ جھوٹ اور گناہوں سے بھرا ہوا ہے گویا اس کا دروغ اور گناہ بال بال میں سرایت کر گیا ہے۔(تفسیر عثمانی:909/2)(2)یہ اس بدبخت کی پیشانی ہوگی جو جھوٹا اور گناہ گار ہے۔

﴿فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ﴾

''پس وہ اپنی مجلس کو بلا لے''(17)

سوال:﴿فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ﴾ ''پس وہ اپنی مجلس کو بلا لے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَلْيَدْعُ﴾ ''پس وہ بلا لے''اب وہ جس پر عذاب واجب ہو چکا ہے۔

(2)﴿نَادِيَهٗ﴾ ''اپنی مجلس کو''اپنے ساتھیوں، حمایتیوں قبیلے کے لوگوں کو بلا لے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خلاف اس کی مدد کریں۔

(3)سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ ابوجہل آیا، اس نے کہا، کیا میں نے تمہیں اس سے منع نہیں کیا؟ کیا میں نے تمہیں اس کام سے منع نہیں کیا؟ کیا میں نے تمہیں اس کام سے منع نہیں کیا؟ پھر جب نبی ﷺ نماز

سے فارغ ہوئے تو اس نے آپ کو دھمکایا۔ ابوجہل نے کہا، تمہیں معلوم ہے کہ اس شہر میں مجھ سے زیادہ کسی کے اصحاب مجلس نہیں ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اتاریں ﴿فَلْيَدْعُ نَادِيَه سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ﴾ ''پس وہ اپنی مجلس کو بلالے۔ جلد ہی ہم دوزخ کے فرشتوں کو بلالیں گے۔'' (العلق:17،18) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم! اگر وہ اپنے ہم نشین بلاتا تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے اسے پکڑ لیتے۔ (ترمذی:3349)

﴿سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ﴾

''جلد ہی ہم دوزخ کے فرشتوں کو بلالیں گے'' (18)

سوال: ﴿سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ﴾ ''جلد ہی ہم دوزخ کے فرشتوں کو بلالیں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ﴾ ''جلد ہی ہم دوزخ کے فرشتوں کو بلالیں گے'' ہم عذاب والے فرشتے بلالیں گے اور دیکھیں گے کہ کون غالب آتا ہے۔

(2) ﴿الزَّبَانِيَةَ﴾ سے مراد بالاتفاق دوزخ کا عذاب دینے والے فرشتے ہیں۔

﴿كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾

''ہرگز نہیں، آپ اُس کی بات نہ مانو اور سجدہ کرو اور بہت قریب ہو جاؤ'' (19)

سوال 1: ﴿كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ ''ہرگز نہیں، آپ اُس کی بات نہ مانو اور سجدہ کرو اور بہت قریب ہو جاؤ'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ ''ہرگز نہیں، آپ اُس کی بات نہ مانو'' یعنی وہ تو اسی چیز کا حکم دیتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جس سے خسارہ ہو اس لئے اس کی بات نہ مانو۔

(2) وہ آپ کو نماز سے روکتا ہے آپ اس کی بات مان کر کعبہ میں نماز کی ادائیگی سے نہیں رکیں گے۔

(3) ﴿وَاسْجُدْ﴾ ''اور سجدہ کرو'' یہاں سجدے سے مراد صرف سجدہ نہیں بلکہ نماز ہے۔

(4) ﴿وَاقْتَرِبْ﴾ ''اور بہت قریب ہو جاؤ'' آپ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے کثرت سے نماز پڑھتے رہیں۔

(5) سجدوں وغیرہ اور دیگر نیکیوں اور عبادات سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیجئے، کیونکہ یہ تمام عبادات اور اس کی رضا کے قریب کرتی ہیں۔ یہ ہر اس شخص کے لیے عام ہے جو بھلائی سے روکتا ہے اور ہر اس امر کے لیے عام ہے جس سے روکا گیا ہے اگرچہ یہ آیات ابوجہل کے بارے میں اس وقت نازل ہوئیں جب اس نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھنے سے روکا، آپ کو تکذیب دی اور اذیت پہنچائی۔ (تفسیر سعدی:2964/3)

(6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بندہ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے، جب وہ سجدے میں ہو،تو (سجدے میں) دعا زیادہ کیا کرو۔'' (مسلم:482)

(7) سیدنا ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استنجاء اور وضو کے لیے پانی لایا کرتا تھا۔ آپ نے ایک رات فرمایا: مانگ۔ تو میں نے کہا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے علاوہ اور کچھ؟ میں نے عرض کیا بس یہی۔ تو آپ نے فرمایا: تو اپنے معاملے میں سجود کی کثرت کے ساتھ میری مدد کر۔ (مسلم:1094)

سوال 2: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا حکم دیا گیا؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ اس کی بات ہرگز نہ مانو، سجدہ کرو اور قریب ہو جاؤ۔

ایاتہا ۵ | ۹۷ سُورَۃُ الْقَدْرِ مَکِّیَّۃٌ ۲۵ | رکوعہا ۱

سوال 1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس میں کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ مکی سورت ہے اس میں ایک رکوع اور پانچ آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر 97 ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے 65 سورت ہے۔

رکوع نمبر 22

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾

''یقیناً ہم نے اس (قرآن) کو لیلۃ القدر میں نازل کیا'' (1)

سوال 1: ﴿اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ ''یقیناً ہم نے اس (قرآن) کو لیلۃ القدر میں نازل کیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ﴾ ''یقیناً ہم نے اس (قرآن) کو نازل کیا'' رب العزت نے قرآن کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہم نے اسے لیلۃ القدر میں نازل کیا ہے۔

(2) ﴿فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ ''لیلۃ القدر میں'' لیلۃ القدر کو شب مبارک یا لیلۃ مبارکہ بھی کہتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ

مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنۡذِرِیۡنَ﴾ ''یقیناً ہم نے اس کو ایک بابرکت رات میں نازل کیا ہے۔ یقیناً ہم ڈرانے والے تھے۔'' (الدخان:3)

(3) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لیلۃ القدر کو آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ (بخاری:2017)

سوال 2: لیلۃ القدر کس مہینے کی رات ہے؟

جواب: لیلۃ القدر یعنی مرتبے والی رات رمضان میں آتی ہے رب العزت نے فرمایا: ﴿شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰی وَالۡفُرۡقَانِ ۚ فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡكُمُ الشَّهۡرَ فَلۡیَصُمۡهُ ؕ وَمَنۡ كَانَ مَرِیۡضًا اَوۡ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنۡ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیۡدُ اللّٰهُ بِكُمُ الۡیُسۡرَ وَلَا یُرِیۡدُ بِكُمُ الۡعُسۡرَ ۫ وَلِتُكۡمِلُوا الۡعِدَّۃَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمۡ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ﴾ ''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، جو انسانوں کے لیے ہدایت ہے اور ہدایت کی اور حق و باطل کا فرق کرنے کی واضح دلیلیں ہیں، تو تم میں سے جو کوئی اس مہینے میں حاضر ہو تو وہ اس کے روزے رکھے، اور جو کوئی بیمار ہو یا کسی سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے تعداد پوری کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تم پر تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا اور تا کہ تم تعداد پوری کر سکو اور تم اس پر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو جو اُس نے تمہیں ہدایت دی ہے اور تا کہ تم شکر گزار بنو۔'' (البقرہ:185)

سوال 3: رمضان اور لیلۃ القدر کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: (1) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، اور شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں۔'' (نسائی:2108)

(2) سیدنا واثلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صحف ابراہیم ماہ رمضان کی پہلی رات میں نازل کئے گئے۔ تورات اس وقت نازل کی گئی جب رمضان کے چھ (6) دن گزر چکے تھے۔ انجیل تب نازل کی گئی جب رمضان کے 13 دن گزر چکے تھے۔ زبور اس وقت نازل کی گئی جب رمضان کے اٹھارہ (18) دن گزر چکے تھے اور قرآن اس وقت نازل کیا گیا جب رمضان کے چوبیس دن گزر چکے تھے۔ (صحیح الجامع الصغیر:1497، الصحیحہ:1575) (احمد:17109)

(3) رسول ﷺ نے فرمایا: یہ مہینہ آ گیا اور اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، جو اس سے محروم رہا، وہ ہر طرح کی (خیر) سے محروم رہا، اور اس کی بھلائی سے محروم وہی رہے گا جو (واقعی) محروم ہو۔ (ابن ماجہ:1644)

(4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ اس رات زمین میں فرشتوں کی تعداد کنکریوں کی تعداد سے زیادہ ہوتی ہے۔ (صحیحہ:2205)

سوال 4: اس رات کو لیلۃ القدر کیوں کہا گیا؟

جواب: (1) ﴿اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ﴾ ''یقیناً ہم نے اس (قرآن) کو لیلۃ القدر میں نازل کیا'' لیلۃ القدر کی شان عظیم ہے اس کی قدر و

منزلت کی بنا پر اسے لیلۃ القدر کہا گیا۔(2) لیلۃ القدر کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحمت نازل فرمائی جس کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔

(3) لیلۃ القدر کو اس لیے یعنی مرتبے والی رات کہا گیا کہ سال بھر میں جو کچھ وقوع پذیر ہوتا ہے یعنی عمر، رزق، تقدیر، وغیرہ اس میں مقدر کر دی جاتی ہے اس لیے اس کو لیلۃ القدر کہا گیا۔

سوال 5: لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ کا نام اَلۡقَدۡر کیوں ہے؟

جواب: (1) قدر کے معنی اندازہ اور فیصلہ کرنے کے ہیں۔ اس اعتبار سے اس کے معنی اندازہ اور فیصلہ کرنے کے ہیں۔ اسی لئے اسے لیلۃ الحکم بھی کہتے ہیں۔

(2) قدر کے معنی قدر و منزلت کے ہیں۔ اس رات کی عبادت کی بہت قدر ہوتی ہے۔ اس لئے اسے لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ کہتے ہیں۔

(3) قدر کے معنی تنگی کے ہیں۔ لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ تنگی والی رات ہے کیونکہ اس رات اتنی کثرت سے فرشتے زمین پر آتے ہیں کہ وہ تنگ ہو جاتی ہے۔

سوال 6: لیلۃ القدر کو مبہم کیوں رکھا گیا ہے؟

جواب: لیلۃ القدر کو مبہم رکھنے میں حکمت ہے۔ آخری عشرے کی طاق راتوں میں اس کی فضیلت حاصل کرنے کے شوق میں لوگ خوب عبادت کرتے ہیں۔

سوال 7: قرآنِ مجید کو لیلۃ القدر میں نازل کیا گیا۔ اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ قرآنِ مجید کو نازل کرنے کا آغاز یا لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر یعنی بیت العزت میں ایک ہی مرتبہ اُتار دیا گیا اور وہاں سے حالات اور ضروریات کے مطابق نبی ﷺ پر اُتر تار ہا حتیٰ کہ 23 سال میں پورا ہوا۔

﴿وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ﴾

''اور تم کیا جانو کہ لیلۃ القدر کیا ہے'' (2)

سوال 1: ﴿وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ﴾ ''اور تم کیا جانو کہ لیلۃ القدر کیا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ﴾ ''اور تم کیا جانو کہ لیلۃ القدر کیا ہے'' یعنی یہ رات اتنی جلیل القدر اور عظیم الشان ہے کہ آپ کو اس کا علم نہیں۔

(2) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص ایمان کے ساتھ ساتھ خالص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے لیلۃ القدر کا قیام کرے، تو اس کے تمام سابقہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ (بخاری: 2014، مسلم: 760)

سوال2: لیلۃ القدر کو کیسے تلاش کریں؟

جواب: (1) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔'' (بخاری:2017)

(2) زر بن حبیش کہتے ہیں کہ میں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: ''تمہارے بھائی عبداللہ مسعود کہتے ہیں کہ جو شخص سال بھر قیام کرے وہ اس رات کو پالے گا'' ابی بن کعب کہنے لگے: ''اللہ تعالیٰ ابو عبدالرحمن (عبداللہ بن مسعود کی کنیت) کو بخشے وہ خوب جانتے ہیں کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہے۔ اور وہ ستائیسویں رات ہے۔ مگر وہ چاہتے ہیں کہ لوگ اسی پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں'' پھر ابی نے بغیر استثناء کے قسم کھائی کہ وہ ستائیسویں رات ہے'' میں نے پوچھا: ''ابو المنذر! (ابی بن کعب کی کنیت) تم کیسے بات کہتے ہو'' انہوں نے کہا: اس نشانی کی بنا پر جو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بتائی اور وہ علامت یہ ہے کہ اس کی صبح کو جب سورج نکلتا ہے تو اس میں شعاع نہیں ہوتی۔ (ترمذی: ابواب التفسیر)

(3) آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص لیلۃ القدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے قیام کرے اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ (بخاری، کتاب الایمان)

سوال3: لیلۃ القدر میں کون سی دعا کرنی چاہیے؟

جواب: (1) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، اگر مجھے لیلۃ القدر مل جائے تو میں (اپنے رب سے) کیا دعا مانگوں؟ آپ نے فرمایا: ''یہ دعا کرنا: ﴿اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ﴾ ''اے اللہ! تو درگزر کرنے والا ہے اور درگزر کو پسند فرمانے والا ہے، سو مجھ سے بھی درگزر فرما۔'' (ترمذی:3513) (ابن ماجہ:3853)

سوال4: لیلۃ القدر کے بارے میں یہ سوال کیوں کیا گیا کہ تم کیا جانو لیلۃ القدر کیا ہے؟

جواب: یہ سوال اس لئے کیا گیا تاکہ رات کی اہمیت اور عظمت کو واضح کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی عظمت کا ادراک کوئی کر بھی نہیں سکتا۔

سوال5: لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ہزار مہینوں سے مراد 83 سال اور 4 ماہ ہیں۔ اس ایک رات کی عبادت کا ثواب اتنا زیادہ ہے۔ یہ اُمت پر احسان ہے کہ زیادہ ثواب حاصل کرنے کے لئے آسانی فراہم کر دی۔

﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ﴾

''لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے'' (3)

سوال: ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ﴾ ''لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے'' ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کا کیا مفہوم ہے؟

جواب:(1)﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ﴾ ''لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے'' یعنی لیلۃ القدر میں کیا جانے والا عمل ان ہزار مہینوں میں کیے جانے والے عمل سے بہتر ہے جس میں لیلۃ القدر نہ ہو اور اس میں کثیر خیر اور بھلائیاں تقسیم ہوتی ہیں جو ہزار مہینوں میں بھی نہیں ہوتیں۔(تفسیر منیر:726/15)

(2) یعنی قدر کی رات فضیلت میں ایک ہزار مہینے کے برابر ہے۔ وہ عمل جو شب قدر میں واقع ہوتا ہے، ایک ہزار مہینے میں جو شب قدر سے خالی ہوں، واقع ہونے والے عمل سے بہتر ہے۔ یہ ان امور میں سے ہے جن پر خرد حیران اور عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ضعیف القویٰ امت کو ایسی رات سے نوازا جس کے اندر عمل ایک ہزار مہینوں کے عمل سے بڑھ کر ہے، یہ ایک ایسے معمر شخص کی عمر کے برابر ہے جسے اسی سال سے زیادہ طویل عمر دی گئی ہو۔(تفسیر سعدی:2965/3)

﴿تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ﴾

''اور روح اُس میں اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے بارے میں اُترتے ہیں'' (4)

سوال1:﴿تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ﴾ ''اور روح اُس میں اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے بارے میں اُترتے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ ''فرشتے اترتے ہیں'' فرشتے اس مبارک رات میں کثرت سے نازل ہوتے ہیں۔

(2)﴿وَالرُّوْحُ فِيْهَا﴾ ''اور روح اُس میں'' یعنی جبرائیل امین اس رات میں نازل ہوتے ہیں۔

(3)﴿بِاِذْنِ رَبِّهِمْ﴾ ''اپنے رب کے حکم سے'' یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے نازل ہوتے ہیں۔

(4)﴿مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ﴾ ''ہر کام کے بارے میں'' ہر حکم سے مراد انسانوں کی تقدیریں ہیں جو اس دن طے کی جاتی ہیں جیسا کہ رب العزت نے فرمایا ﴿فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ﴾ ''اس رات میں ہر محکم کام کا فیصلہ صادر کیا جاتا ہے۔'' (الدخان:4)

سوال2:اس رات میں فرشتے کثرت سے کیوں اترتے ہیں؟

جواب:اس مبارک رات میں فرشتے کثرت سے اترتے ہیں کیونکہ یہ بڑی برکت والی رات ہے اور فرشتے برکتوں اور رحمتوں کے موقع پر ہی اترتے ہیں مثلاً تلاوت قرآن کے موقع پر اترتے ہیں، ذکر کی مجلسوں کو گھیر لیتے ہیں اور طلباء کی عظمت کے لیے ان کے قدموں کے نیچے پر بچھا دیتے ہیں۔(مختصر ابن کثیر:2236/2)

﴿سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾

''وہ رات فجر کے طلوع ہونے تک سلامتی ہی سلامتی ہے'' (5)

سوال1:﴿سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾ ''وہ رات فجر کے طلوع ہونے تک سلامتی ہی سلامتی ہے'' سلامتی سے کیا مراد ہے؟

جواب:(1)﴿سَلٰمٌ﴾ ''سلامتی ہی سلامتی ہے'' اس رات میں جو فرشتے نازل ہوتے ہیں وہ سارے عبادت گزاروں کے لیے سلامتی کی دعائیں کرتے ہیں۔

(2) اس رات میں جتنے فیصلے کیے جاتے ہیں وہ سب خیر اور سلامتی کے ہوتے ہیں حتیٰ کہ اگر کسی قوم کی تباہی کا فیصلہ بھی ہو تو زمین والوں کے لیے دعائے خیر اور سلامتی ہے۔

(3) یہ رات ہر آفت اور ہر شر سے سلامت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی بھلائی کثیر ہے۔

(4)﴿هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾ ''فجر کے طلوع ہونے تک'' یعنی اس رات کی ابتدا غروب آفتاب سے ہوتی ہے اور اس کا اختتام اور اس کی انتہا طلوع فجر ہے۔

ایاتھا ۸ | ۹۸ سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۰ | رکوعھا ۱

سوال1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس میں کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ مدنی سورت ہے اس میں ایک رکوع اور آٹھ آیات ہیں۔

سوال2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 98 ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 100 ہے۔

سوال3: اس سورت کی کیا فضیلت ہے؟

جواب:(1) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں سورت ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ پڑھ کر سناؤں۔ سیدنا ابن ابی کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام بھی لیا ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ہاں۔ اس پر وہ رونے لگے۔ (بخاری:4959)

(2) ابی کہتے ہیں۔ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے یہ حکم ملا ہے کہ تمہیں فلاں فلاں سورت سناؤں۔ میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ: کیا میرا وہاں ذکر آیا تھا! آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں عبد الرحمن بن ابزیٰ بولے: (ابو المنذر ابی رضی اللہ عنہ) آپ ﷺ تو یہ سن کر خوش ہوئے ہوں گے! بولے، خوش کیوں نہ ہوتا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾ ''آپ کہہ دیں یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے، سو اسی کے ساتھ تو لازم ہے کہ وہ خوش ہوں، وہ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جسے لوگ جمع کرتے ہیں۔'' (یونس:58) (مسند احمد)

رکوع نمبر 23

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾

﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ﴾

''اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کیا وہ باز آنے والے نہ تھے یہاں تک کہ اُن کے پاس واضح دلیل آئے'' (1)

سوال: ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ﴾ ''اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کیا وہ باز آنے والے نہ تھے یہاں تک کہ اُن کے پاس واضح دلیل آئے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ ''اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کیا'' یعنی یہود ونصاریٰ میں سے جن لوگوں نے کفر کیا۔

(2) ﴿وَالْمُشْرِكِيْنَ﴾ ''اور مشرکین میں سے'' یعنی عرب کے مشرک اور دنیا کے ہر طرح کے لوگ۔

(3) ﴿مُنْفَكِّيْنَ﴾ ''وہ باز آنے والے نہ تھے'' یعنی یہ سب لوگ اپنے کفر اور گمراہی سے باز آنے والے نہ تھے یعنی وہ گمراہی میں بھٹکتے رہیں گے اور ان کا کفر بڑھتا ہی رہے گا۔

(4) اہل کتاب یہود ونصاریٰ ہوئے، اور مشرکین وہ قومیں جو بت پرستی یا آتش پرستی وغیرہ میں مبتلا تھیں اور کوئی کتاب سماوی ان کے ہاتھ میں نہ تھی۔ (تفسیر عثمانی: 913/2)

(5) ﴿حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ﴾ ''یہاں تک کہ اُن کے پاس واضح دلیل آئے'' یعنی محمد ﷺ اور قرآن کریم۔

﴿رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً﴾

''اللہ تعالیٰ کی جناب سے ایک رسول جو پاک صحیفے پڑھ کر سنائے'' (2)

سوال 1: ﴿رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً﴾ ''اللہ تعالیٰ کی جناب سے ایک رسول جو پاک صحیفے پڑھ کر سنائے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾ ''اللہ تعالیٰ کی جناب سے ایک رسول'' اللہ تعالیٰ نے بَیِّنَہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مبعوث کیا۔ (تفسیر سعدی: 2966/3)

(2) نبی ﷺ کی بعثت سے پہلے سب دین والے بگڑ چکے تھے۔اور ہر ایک غلطی پر مغرور تھا۔اب چاہیے کسی حکیم یا ولی یا بادشاہ عادل کے سمجھانے سے راہ پر آ جائیں تو یہ ممکن نہ تھا جب تک ایک ایسا عظیم القدر رسول نہ آئے جس کے ساتھ اللہ کی پاک کتاب، اس کی قومی مدد ہو کہ چند سال میں ایک ایک ملک کو ایمان کی روشنی سے بھر دے اور اپنی زبردست تعلیم اور ہمت وعزیمت سے دنیا کی کایا پلٹ کر دے۔چنانچہ وہ رسول، اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتا ہوا آیا جو پاک ورقوں میں لکھی ہوئی ہے۔(تفسیر عثمانی:914/2)

(3)﴿يَتْلُوا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً﴾ ''جو پاک صحیفے پڑھ کر سنائے'' یعنی وہ قرآن جو آپ پڑھ کر سناتے ہیں وہ پاکیزہ اوراق میں لکھا ہوا فرشتوں کے پاس موجود ہے رب العزت نے فرمایا:﴿فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ (١٣) مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ (١٤) بِأَيْدِيْ سَفَرَةٍ (١٥) كِرَامٍ بَرَرَةٍ (١٦)﴾ ''ان صحیفوں میں ہے جو قابلِ احترام ہیں۔بلند مرتبہ ہیں، پاکیزہ ہیں۔ایسے کاتبوں کے ہاتھوں میں ہیں۔جو معزز ہیں، نیک ہیں۔'' (عبس:16،13)

(4) یعنی وہ شیطان کی دستبرد ہونے سے محفوظ ہیں کیونکہ اسے پاک فرشتے ہی چھوتے ہیں۔

(5) یہ کلام باطل کی پہنچ سے دور ہے رب العزت نے فرمایا:﴿لَّا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ﴾ ''باطل اس کے پاس نہ اُس کے آگے سے آ سکتا ہے اور نہ اُس کے پیچھے سے، کمال حکمت والے، تمام خوبیوں والے کی جناب سے نازل کردہ ہے۔'' (فصلت:42)

(6) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ صحیفے جھوٹ اور شک اور نفاق اور گمراہی سے پاک ہیں۔(معارف القرآن:797/8)

(7) اس کتاب میں کوئی کجی نہیں ہے، جیسا کہ فرمایا:﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا﴾ ''سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی۔'' (الکہف:1)

(8)﴿صُحُفًا مُّطَهَّرَةً﴾ کے دو مطلب ہیں اور دونوں ہی درست ہیں۔ایک یہ ہے کہ جو قرآن وہ پیش کرتا ہے۔وہ ہر طرح کی تحریف، اضافہ یا ترمیم اور حذف سے پاک ہے۔نیز وہ ہر قسم کی انسانی دستبرد سے پاک ہے۔جبکہ اہل کتاب کی کتابوں میں تحریف بھی موجود ہے۔انسانوں کے اضافے بھی اور حذف بھی۔دوسرا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی تعلیم نہایت پاکیزہ ہے جو کسی نبی کی سیرت و کردار کو داغدار نہیں بناتا جبکہ اہل کتاب نے بعض انبیاء کی سیرت پر گھناؤنے الزام لگائے انہیں ان سے پاک کرتا ہے۔(تیسیر القرآن:675/4)

سوال 2: ''پاک صحیفوں'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد قرآنِ مجید ہے جو لوحِ محفوظ میں پاک صحیفوں پر لکھا ہے۔

﴿فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ﴾

''جن میں مضبوط احکام کی تحریریں ہوں'' (3)

سوال:﴿فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ﴾ ''جن میں مضبوط احکام کی تحریریں ہوں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ﴾ ''جن میں مضبوط احکام کی تحریریں ہوں'' یعنی اس میں مستحکم احکامات ہیں جن میں کوئی کجی نہیں جو حق کو باطل سے واضح کرتے ہیں۔(صفوۃ التفاسیر:560/3)

(2) سچی خبریں اور عدل پر مبنی احکام ہیں جو حق اور راہ راست کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں۔ جب ان کے پاس یہ واضح دلیل آجاتی ہے تب اس وقت طالب حق اور وہ شخص جس کا مقصد طلب حق نہیں ہے، دونوں واضح ہوجاتے ہیں۔ پس جو کوئی ہلاک ہوتا ہے تو دلیل سے ہلاک ہوتا ہے اور جو کوئی زندہ رہتا ہے تو دلیل سے زندہ رہتا ہے۔(تفسیر سعدی:2966/3)

(3) یعنی قرآن کی ہر سورت گویا ایک مستقل کتاب ہے۔ یا یہ مطلب ہو کہ جو عمدہ کتابیں پہلے آچکی ہیں ان سب کے ضروری خلاصے اس کتاب میں درج کردیئے گئے ہیں۔ یا﴿كُتُبٌ قَيِّمَةٌ﴾ سے علوم ومضامین مراد ہیں۔ یعنی اس کے علوم صحیح وراست اور مضامین نہایت مضبوط ومعتدل ہیں۔(تفسیر عثمانی:914/2)

﴿وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ﴾

''اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی جدا جدا نہیں ہوئے مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح دلیل آئی'' (4)

سوال1:﴿وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ﴾ ''اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی جدا جدا نہیں ہوئے مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح دلیل آئی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ ''اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی جدا جدا نہیں ہوئے'' یعنی اہل کتاب کے پاس محمد ﷺ جیسا پیغمبر اور قرآن جیسی روشن کتاب آئی پھر بھی وہ تفرقے بازی کا شکار ہوئے۔ ان میں سے تھوڑے لوگ ایمان لائے اور باقی کافر رہے اللہ رب العزت نے اختلاف کی مذمت کی ہے﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ ''اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ جو الگ الگ ہوگئے اور اپنے پاس واضح احکامات آنے کے بعد بھی اختلاف کیا اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے بہت بڑا عذاب ہوگا۔'' (آل عمران:105)

(2)﴿اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ﴾ ''مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح دلیل آئی'' یعنی جو اپنے ماننے والوں کے لیے اجتماع اور اتفاق کی موجب ہے مگر ان کے بگاڑ اور ان کی خساست کی بنا پر ہدایت نے ان کی گمراہی میں اور بصیرت نے ان کے اندھے پن میں اضافے کے سوا کچھ نہیں کیا حالانکہ تمام کتابیں ایک ہی اصل اور ایک ہی دین لے کر آئی ہیں۔(سعدی:2967/2)

سوال2: اہلِ کتاب کے درمیان کیسے اختلاف ہوا؟

جواب: اہلِ کتاب نبی ﷺ کے آنے سے پہلے ایک تھے۔آپ ﷺ کی بعثت کی وجہ سے ان کے درمیان اختلاف ہوگیا۔ان میں سے کچھ لوگ ایمان لائے لیکن ان کے اکثر لوگ محروم رہے۔

سوال 3: یہاں ﴿الْبَيِّنَةُ﴾ ’’واضح دلیل‘‘ سے کیا مراد ہے؟

جواب: واضح دلیل سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

سوال 4: رسول اللہ ﷺ کی بعثت کو واضح دلیل سے تعبیر کرنے میں کیا نکتہ ہے؟

جواب: اس کی وجہ یہی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی سچائی واضح تھی۔اس میں انکار کی گنجائش نہیں تھی۔

سوال 5: جب رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے انکار کی گنجائش نہیں تھی، پھر لوگوں نے کیسے تکذیب کی؟

جواب: لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب بغض، عناد اور حسد کی وجہ سے کی۔

سوال 6: متفرق ہونے والوں میں سے صرف اہلِ کتاب کا نام لیا گیا حالانکہ دوسرے لوگ بھی متفرق ہوئے تھے۔اس کی وجہ بتائیے؟

جواب: متفرق ہونے والوں میں سے اہلِ کتاب کا نام اس لئے لیا گیا کیونکہ وہ علم والے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ان کی کتابوں میں پیشین گوئیاں موجود تھیں۔

سوال 7: اہلِ کتاب کو اُن کی کتابوں میں کیا حکم دیا گیا تھا؟

جواب: اہلِ کتاب کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ:

(1) اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کرتے ہوئے اُس کی عبادت کریں۔(2) نماز قائم کریں۔(3) زکوٰۃ دیں۔

﴿وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعۡبُدُوا۟ ٱللَّهَ مُخۡلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ حُنَفَآءَ وَيُقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤۡتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَۚ وَذَٰلِكَ دِينُ ٱلۡقَيِّمَةِ﴾

’’اور اُنہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اس حال میں کہ وہ دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرنے والے، یکسو ہونے والے ہوں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہی مضبوط دین ہے‘‘ (5)

سوال 1: ﴿وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعۡبُدُوا۟ ٱللَّهَ مُخۡلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ﴾ ’’اور اُنہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اس حال میں کہ وہ دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرنے والے‘‘ آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَآ أُمِرُوٓا۟﴾ ’’اور اُنہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا‘‘ یعنی ان کی کتابوں تورات اور انجیل میں۔ (ایسر التفاسیر: 1772)

(2) ﴿إِلَّا لِيَعۡبُدُوا۟ ٱللَّهَ مُخۡلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ﴾ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اس حال میں کہ وہ دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص

کرنے والے"یعنی شریعتوں میں انہیں اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا۔

(3) یعنی ظاہری اور باطنی عبادات میں اللہ تعالیٰ کے قرب اور اللہ تعالیٰ کی خوشی، اس کی رضا کو اپنا مقصد بنا کر اس کی عبادت کریں۔

(4) ﴿حُنَفَآءَ﴾ "یکسو ہونے والے ہوں"یعنی توحید کے خلاف ادیان سے منہ موڑ کر ایک اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جانے والے۔

(5) یعنی تمام ادیان سے منہ موڑ کر دین اسلام کی طرف مائل ہونے والے۔(ایسر التفاسیر:1777)

(6) اللہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ "پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے کہ آپ ابراہیم کی ملت کی پیروی کریں جو ایک اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جانے والے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔" (النحل:123)

(7) رب العزت نے فرمایا: ﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ "ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ وہ یک سو مسلمان تھے اور مشرکوں سے نہیں تھے۔" (آل عمران:67)

سوال 2: ﴿وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ﴾ "اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہی مضبوط دین ہے" آیت کے اس حصے کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ﴾ "اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں" رب العزت نے نماز کا اور زکوٰۃ کا تذکرہ ان کی فضیلت کی وجہ سے کیا ہے۔ (2) نماز بدن کی اشرف عبادت ہے اور زکوٰۃ فقراء اور محتاجوں کے لیے احسان ہے۔(الاساس:6623/11)

(3) نماز اور زکوٰۃ نے دین کے تمام شرائع کو قائم کیا ہے۔

(4) ﴿وَذٰلِكَ﴾ یعنی توحید اور دین میں اخلاص دونوں ہی۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ "اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر ہم اس کی طرف وحی کرتے رہے کہ بلاشبہ میرے سوا کوئی معبود نہیں چنانچہ تم میری ہی عبادت کرو۔" (الانبیاء:25)

(5) ہر رسول یہی دعوت لے کر آیا جیسا کہ رب العزت نے واضح کیا: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۭ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾ "اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ہر اُمت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو، چنانچہ ان میں سے کچھ کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور ان میں سے کچھ وہ تھے جن پر گمراہی مسلط ہوگئی سو تم زمین میں سیر کرو پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟" (النحل:36)

(6) ﴿دِيْنُ الْقَيِّمَةِ﴾ "مضبوط دین ہے"یعنی مستقیم دین ہے جو جنت تک پہنچاتا ہے اور باقی تمام ادیان جہنم لے جاتے ہیں۔

سوال3: دین قیم کے اہم ارکان کی وضاحت کریں؟

جواب: دین قیم یعنی مستحکم دین جو ابتدائے انسانیت سے نبی ﷺ تک ایک ہی رہا ہے۔اس کے تین ارکان ہیں

(1) اللہ تعالیٰ کو خالق اور مالک سمجھا جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔(2) نماز کو ٹھیک طریقے سے ادا کیا جائے۔

(3) اپنے مالوں میں سے زکوٰۃ ادا کی دی جائے نماز اور زکوٰۃ وہی ادا کر سکتے ہیں جو آخرت کی جواب دہی کا یقین رکھتے ہیں۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ﴾

''یقینا جنہوں نے اہل کتاب اور مشرکین میں سے کفر کیا وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، وہی تمام مخلوقات میں سے بدترین لوگ ہیں'' (6)

سوال1: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ﴾ ''یقینا جنہوں نے اہل کتاب اور مشرکین میں سے کفر کیا وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، وہی تمام مخلوقات میں سے بدترین لوگ ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ''یقینا جنہوں نے اہل کتاب اور مشرکین میں سے کفر کیا وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' رب العزت نے کافروں اور مشرکوں کے پاس واضح دلیل آجانے کے بعد ان کی ہولناک جزا کو بیان کیا ہے۔(2) ﴿فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ﴾ ''جہنم کی آگ میں'' یعنی آگ کا عذاب جو انہیں گھیر لے گا۔

(3) ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ''ہمیشہ رہنے والے ہیں'' یعنی ان کے لیے جہنم کا عذاب کبھی ختم نہیں ہوگا۔وہاں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہیں گے۔کافر اور مشرک دوزخ کی آگ میں جائیں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

(4) ﴿اُولٰۗىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ﴾ ''وہی تمام مخلوقات میں سے بدترین لوگ ہیں'' یہ لوگ مخلوق میں سے بدتر ہیں کیونکہ انھوں نے حق کو پہچان کر اس کو ترک کر دیا اور یوں دنیا و آخرت میں انھوں نے نقصان اٹھایا۔(تفسیر سعدی:2967/3)

(5) بدترین مخلوق سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ، اُس کے رسول ﷺ اور کتابوں کا انکار کرتے ہیں۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ﴾

''یقینا جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے، وہی تمام مخلوقات میں سے بہترین لوگ ہیں'' (7)

سوال1:﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ﴾ یقیناجوایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے، وہی تمام مخلوقات میں سے بہترین لوگ ہیں'' اس آیتکی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ''یقیناجوایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے'' اللہ رب العزت نے ان مخلص لوگوں کے انجام کے بارے میں بتایا ہے جو سچے دل سے ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے یعنی فرض عبادات اور تمام معاملات کو اخلاص کے ساتھ انجام دیتے رہے۔

(2)﴿اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ﴾ ''وہی تمام مخلوقات میں سے بہترین لوگ ہیں'' کیونکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور اس کی معرفت حاصل کی اور وہ دنیاوآخرت کی نعمتوں سے فیض یاب ہوئے۔(تفسیر سعدی:2967/3)﴿اَلْبَرِيَّةِ﴾ میں ساری مخلوق حتیٰ کہ فرشتے بھی شامل ہیں۔مومن سب سے افضل اور کافرو مشرک سب سے بدتر ہیں۔

سوال2: بہترین مخلوق سے مراد کون لوگ ہیں؟

جواب: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے یعنی جن کے دل بھی جھک گئے، مان گئے اور اعضاء بھی نیک عمل کرنے میں مصروف رہے۔وہ بہترین اور افضل مخلوق ہیں۔

﴿جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۗ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۗ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ﴾

''اُن کی جزا اُن کے رب کے پاس ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ اُس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہوگیا اور وہ اُس سے راضی ہوگئے۔یہ اُسی شخص کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈر گیا''(8)

سوال1:﴿جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ ''اُن کی جزا اُن کے رب کے پاس ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ اُس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ ''اُن کی جزا اُن کے رب کے پاس ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ اُس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں''۔یعنی قیامت کے دن انہیں نیک اعمال کا بہترین بدلہ ملنے والا ہے۔سدا بہار باغات جہاں سے کبھی نکالا نہیں جائے گا۔

(2) جن میں خوب صورت نہریں جاری ہیں انہیں جنت سے اوپر کسی چیز کی طلب نہیں رہے گی۔

سوال 2: ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ﴾ ''اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہوگیا اور وہ اُس سے راضی ہو گئے یہ اُسی شخص کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈر گیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ ''اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہوگیا اور وہ اُس سے راضی ہو گئے'' اللہ تعالیٰ ان سے اس سبب سے راضی ہوا کہ انھوں نے اس کی مرضی کو پورا کیا اور وہ اللہ تعالیٰ پر راضی ہوئے کہ اس نے ان کے لیے مختلف انواع کی تکریمات تیار کیں۔ ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ جزائے حسن ﴿لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ﴾ ''اُس شخص کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈر گیا'' یعنی جو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اس کی نافرمانیوں سے باز رہتا ہے اور ان امور کو قائم کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر واجب کیے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 2967/3)

(2) اللہ تعالیٰ ان سے اس لیے راضی ہوا کہ انہوں نے اخلاص کے ساتھ نیک اعمال کیے۔

(3) وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے اس ثواب اور جزا کی وجہ سے جو اپنے رب کی اطاعت کی وجہ سے ان کی تکریم کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کی۔

(4) ﴿ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ﴾ ''یہ اُسی شخص کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈر گیا'' یعنی یہ جزا ان کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ کے ڈر سے اس کی نافرمانیوں سے بچے۔

(5) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے خطاب کے لئے فرمائیں گے ''یا اهل الجنة'' تو اہل جنت جواب دیں گے ''اے ہمارے رب ہم حاضر ہیں اور اطاعت حکم کے لئے تیار ہیں اور ہر بھلائی آپ ہی کے ہاتھ میں ہے پھر حق تعالیٰ فرمائیں گے ''هل رضيتم'' یعنی تم لوگ راضی اور خوش ہو وہ جواب دیں۔ اے ہمارے پروردگار، اب بھی راضی نہ ہونے کا کیا احتمال ہے جب کہ آپ نے ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما دیا جو کسی مخلوق کو نہیں ملا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا میں تم کو اس سے بھی افضل اور بہتر نعمت دے دوں، پھر فرمائیں گے کہ میں نے اپنی رضا تمہارے اوپر نازل کردی اب کبھی تم سے ناراض نہ ہوں گا۔ (بخاری، مسلم)

(6) ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ﴾ ''جو لوگ بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں یقیناً اُن کے لیے بخشش اور بڑا اجر ہے۔'' (الملک: 12)

سوال 3: ایمان والوں کی جزا اپنے ربّ کے یہاں کیا ہے؟

جواب: ایمان والوں کی جزا اپنے ربّ کے یہاں ہمیشہ رہنے والے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اُس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ کن لوگوں سے راضی ہوتا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے راضی ہوتا ہے جو اس سے ڈرتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے بچتے ہیں۔

(2) اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوتا ہے جو غلطی تسلیم کر لیتے ہیں اور فوراً توبہ کر لیتے ہیں۔

سوال5: اللہ تعالیٰ سے کون راضی ہوجاتا ہے؟

جواب: جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہے وہ اس کی رضا پر راضی ہوجاتا ہے۔

ایاتھا ٨ | ٩٩ سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ ٩٣ | رکوعھا ١

سوال1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ مدنی سورت ہے۔ اس میں ایک رکوع اور آٹھ آیات ہیں۔

سوال2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر 99 ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر 93 ہے۔

سوال3: سورۃ الزلزال کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا، اے اللہ کے رسول! مجھے کچھ قرآن پڑھا دیجئے۔ آپ نے فرمایا: ''تین سورتیں پڑھو جن کی ابتدا میں ''الٓرٰ'' آتا ہے (یعنی یونس، ہود اور یوسف)۔'' اس نے کہا، میری عمر بڑی ہوگئی ہے، دل سخت ہوگیا ہے (یعنی نسیان غالب ہے) اور زبان موٹی ہوگئی ہے (اس وجہ سے میں یہ بڑی بڑی سورتیں یاد نہیں کرسکتا) آپ نے فرمایا: ''پھر تم ''حٰمٓ'' والی تین سورتیں پڑھ لیا کرو۔ اس پر بھی اس نے اپنی پہلی بات ہی کہی۔ آپ نے فرمایا: ''تو مسبحات والی تین سورتیں یاد کرلو (جن کے شروع میں سبح اور یسبح آتا ہے) اس پر بھی اس نے اپنی وہی بات دہرائی اور کہنے لگا، اے اللہ تعالیٰ کے رسول! مجھے کوئی جامع سورت پڑھا دیجئے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سورۃ ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا﴾ پڑھائی، آخر تک۔ تب وہ شخص کہنے لگا، قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں اس سے کبھی زیادہ نہیں کروں گا، پھر وہ پیٹھ پھیر کر چلا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ فرمایا: ''اس آدمی نے نجات پائی۔ (ابوداود: 1399۔ مسند احمد: 6583)

رکوع نمبر 24

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا﴾

''جب زمین پوری شدت سے ہلا دی جائے گی اس کا سخت ہلایا جانا'' (1)

سوال1:﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا﴾''جب زمین پوری شدت سے ہلا دی جائے گی اس کا سخت ہلایا جانا''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ﴾''جب زمین پوری شدت سے ہلا دی جائے گی''یعنی جب قیامت کے لیے زمین کو حرکت دی جائے گی۔

(2)﴿زِلْزَالَهَا﴾''اس کا سخت ہلایا جانا''یعنی جب خوفناک زلزلے آئیں گے اور زمین اندر سے ہلا دی جائے گی۔اس حرکت سے وہ کانپ اٹھے گی۔رب العزت نے فرمایا:﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ (٦) تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ (٧)﴾''جس دن ہلا ڈالے گی،سخت ہلا ڈالنے والی۔اُس کے بعد پیچھے آنے والی آئے گی۔''(النازعات:7,6)

(3)زمین کے زلزلے علاقائی نہیں ہوں گے،پوری زمین کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ﴾''اے لوگو!اپنے رب سے ڈرو،یقیناً قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔''(الحج:1)

(4)شدید زلزلوں کی وجہ سے ریزہ ریزہ ہو جائیں گے عمارتیں گر جائیں گی،ٹیلے برابر ہو جائیں گے اور زمین میں کوئی نشیب وفراز نہیں رہے گا۔وہ چٹیل میدان بن جائے گی۔﴿وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ﴾''اور جب زمین پھیلا دی جائے گی۔''(الانشقاق:3)

سوال2:زمین کب اپنی پوری شدت سے ہلا دی جائے گی؟

جواب:زمین پہلی دفعہ صور پھونکنے کے بعد اپنی پوری شدت سے ہلا دی جائے گی۔

سوال3:زمین کو شدت سے ہلانے کا کیا نتیجہ سامنے آئے گا؟

جواب:اپنی پوری شدت سے ہلنے کی وجہ سے ساری زمین لرز اُٹھے گی اور ہر چیز ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔

﴿وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا﴾

''اور زمین اپنے سارے بوجھ باہر نکال دے گی''(2)

سوال1:﴿وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا﴾''اور زمین اپنے سارے بوجھ باہر نکال دے گی''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا﴾''اور زمین اپنے سارے بوجھ باہر نکال دے گی''یعنی زمین اپنے خزانوں اور مردوں کو باہر نکال کر خالی ہو جائے گی۔(2)زمین میں مردے اس کا بوجھ ہیں۔(جامع البیان:291/30)

(3)زمین میں تین طرح کے بوجھ ہیں(i)معدنیات اور خزانے(ii)دفن شدہ مردے۔

(iii)زمین کے اجزاء جن پر انسان نے اچھے برے عمل کیے ہوں گے۔

(4) رب العزت نے فرمایا:﴿وَ اَلۡقَتۡ مَا فِیۡهَا وَ تَخَلَّتۡ﴾ ''اور جو کچھ اُس کے اندر ہے اُسے باہر نکال دے گی اور خالی ہوجائے گی۔'' (الانشقاق:4)

(5) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''زمین اپنے پوشیدہ خزانے اگل دے گی اور وہ سونے اور چاندی کے ستونوں کی مانند ہوں گے۔ قاتل آئے گا اور (ان کو دیکھ کر) کہے گا، (افسوس صد افسوس!) میں نے اس کے لالچ میں (فلاں کو) قتل کیا تھا۔ رشتے ناطے قطع کرنے والا آئے گا اور کہے گا (افسوس!) میں نے اسی کے لالچ میں (ناطہ) توڑا تھا۔ چور آئے گا اور کہے گا، (افسوس!) اسی کے لالچ میں میرا ہاتھ کاٹا گیا۔ پھر وہ سب اسے چھوڑ کر چلے جائیں گے اور وہ اس میں سے کچھ بھی نہیں لیں گے۔ (مسلم:2341)

سوال 2: زمین کے بوجھ کون ہیں؟

جواب: (1) زمین کے بوجھ مُردہ انسان ہیں جو زمین میں دفن ہیں۔ (2) اس بوجھ سے مراد زمین کے خزانے بھی ہیں۔

سوال 3: زمین اپنے بوجھ کب نکال پھینکے گی؟

جواب: یہ دوسری دفعہ صور پھونکنے کے بعد ہوگا اور سب انسان زندہ ہوکر زمین سے نکل آئیں گے۔

﴿وَقَالَ الۡاِنۡسَانُ مَا لَهَا﴾

''اور انسان کہے گا: ''اُس کو کیا ہوا؟'' (3)

سوال 1: ﴿وَقَالَ الۡاِنۡسَانُ مَا لَهَا﴾ ''اور انسان کہے گا: ''اُس کو کیا ہوا؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَالَ الۡاِنۡسَانُ مَا لَهَا﴾ ''اور انسان کہے گا: ''اُس کو کیا ہوا؟'' یعنی کافر کہے گا کہ کس چیز نے زمین کو متحرک کر دیا ہے۔ (ایسر التفاسیر:1779) (2) انسان کو تعجب ہوگا کہ زمین کو کیا حادثہ پیش آیا ہے کہ ہم اس پر آرام سے چلتے پھرتے تھے، یہ ٹھہری ہوئی تھی۔ ہلتی نہ تھی اور اب یہ پارے کی طرح بے قرار ہے۔ اس وقت یہ معلوم ہوجائے گا کہ اب زمین بچے گی نہیں۔

سوال 2: انسان کیوں کہے گا کہ اُس کو کیا ہوا؟

جواب: انسان دہشت زدہ ہوکر کہے گا کہ زمین کو کیا ہوا۔ یہ اپنے بوجھ باہر پھینک رہی ہے، خزانے اُگل رہی ہے اور بُری طرح ہل رہی ہے۔

﴿یَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا﴾

''اُس دن وہ اپنی خبریں بیان کرے گی'' (4)

سوال 1: ﴿یَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا﴾ ''اُس دن وہ اپنی خبریں بیان کرے گی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿یَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا﴾ ''اُس دن وہ اپنی خبریں بیان کرے گی'' یعنی زمین اپنے اوپر رہنے والوں کے خیر و شر کے

بارے میں جو اس پر واقع ہوئے، گواہی دے گی۔ (ایسر التفاسیر: 1779)

(2) یعنی زمین بتائے گی کہ مجھ پر رہنے والوں نے کیا اچھے برے اعمال کیے اور زمین کی گواہی یا تو بندوں کے حق میں ہو گی یا خلاف۔

(3) رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور پوچھا: جانتے ہو زمین کی خبریں کیا ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی خبریں یہ ہیں کہ جس بندے نے زمین کی پشت پر جو کچھ کیا ہوگا، اس کی گواہی دے گی۔ کہے گی: فلاں فلاں شخص نے فلاں عمل فلاں دن میں کیا تھا۔ (ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ: 2429)

﴿بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا﴾

''اس لیے کہ آپ کے رب نے اُسے وحی کی ہوگی'' (5)

سوال 1: ﴿بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا﴾ ''اس لیے کہ آپ کے رب نے اُسے وحی کی ہوگی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا﴾ ''اس لیے کہ آپ کے رب نے اُسے وحی کی ہوگی'' زمین خبریں اس لیے بیان کرے گی کہ اللہ تعالیٰ اس کو حکم دے گا کہ جو کچھ تیری پشت پر ہوا، اس کے بارے میں شہادت دو اور زمین اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرے گی۔

سوال 2: زمین کیسے کلام کرے گی؟

جواب: زمین کو رب اُسی طرح قوتِ گویائی دے دے گا جیسے اُس نے انسان کو زبان دے رکھی ہے۔ ایسے ہی وہ زمین کو بھی کلام کرنے کی قوت دے دے گا۔ زمین اللہ تعالیٰ کے حکم سے کلام کرے گی۔

﴿يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ﴾

''جس دن لوگ الگ الگ پلٹیں گے تاکہ اُن کے اعمال اُن کو دکھائے جائیں'' (6)

سوال 1: ﴿يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ﴾ ''جس دن لوگ الگ الگ پلٹیں گے تاکہ اُن کے اعمال اُن کو دِکھائے جائیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ﴾ ''جس دن لوگ الگ الگ پلٹیں گے تاکہ اُن کے اعمال اُن کو دِکھائے جائیں'' یعنی حساب کے میدان میں۔

(2) ﴿يَصْدُرُ النَّاسُ﴾ ''لوگ پلٹیں گے'' لوگ گروہ در گروہ واپس لوٹیں گے۔ کوئی جنت کا پروانہ لے کر اور کوئی جہنم کا حکم نامہ لے کر، کوئی خوش نصیب اور کوئی بدنصیب لوٹے گا۔ اس کے بعد ان کی کبھی ملاقات نہیں ہوگی۔

(3) ﴿أَشْتَاتًا﴾ ''الگ الگ'' یعنی گروہ گروہ تاکہ اپنے عمل پہچان لیں اور جزا یا سزا پائیں۔

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ (10) وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ (11) وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ (12) وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ (13) عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ﴾ ''اور جب اعمال نامے پھیلائے جائیں گے۔ اور جب آسمان کی کھال اتار دی جائے گی۔ اور جب جہنم دہکا دی جائے گی۔ اور جب جنت قریب لائی جائے گی۔ تو ہر جان، جان لے گی کہ وہ کیا لے کر آئی ہے؟'' (التکویر:10,14)

(5) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِن كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّن يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ﴾ ''اور جس دن ہم ہر اُمت میں سے ان لوگوں کا ایک گروہ جمع کریں گے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے، پھر اُن کی قسمیں بنائی جائیں گی۔'' (النمل:83) انسان کے اعمال کے اثرات جو زمین پر کیے گئے زمین انہیں پیش کر دے گی اور لوگ ہی دیکھ لیں گے۔

سوال 2: لوگ کہاں پلٹیں گے؟

جواب: (1) لوگ قبروں سے نکل کر حشر کے میدان میں حساب کتاب کے لئے پلٹیں گے۔

(2) لوگ حساب کتاب کے بعد جنت اور دوزخ کی طرف پلٹیں گے۔

سوال 3: لوگ مختلف گروہوں میں کیوں پلٹیں گے؟

جواب: لوگ اپنے اعمال کی بنیاد پر مختلف گروہوں میں پلٹیں گے۔

سوال 4: زمین کی خبریں اور لوگوں کا پلٹنا کس مقصد کے لئے ہوگا؟

جواب: زمین کی خبریں اور لوگوں کا پلٹنا اس لئے ہوگا تاکہ لوگوں کو ان کے اعمال دکھائے جائیں۔

﴿فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ﴾

''تو جو ذرّہ برابر نیکی کرے گا وہ اُس کو دیکھ لے گا'' (7)

سوال 1: ﴿فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ﴾ ''تو جو ذرّہ برابر نیکی کرے گا وہ اُس کو دیکھ لے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ﴾ ''تو جو ذرّہ برابر نیکی کرے گا وہ اُس کو دیکھ لے گا'' کسی شخص نے معمولی نیکی بھی کی ہوگی حتیٰ کہ چیونٹی کے برابر، وہ اسے دیکھ لے گا۔

(2) نبی ﷺ نے اس لیے نیکی کو حقیر جاننے سے منع کیا کیونکہ حقیر ترین چیز بھی دکھا دی جائے گی، رب العزت نے فرمایا: ﴿وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا ۚ وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا﴾ ''اور کتاب اعمال رکھ دی جائے گی، پس آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ اس سے ڈرنے والے ہوں گے جو اس میں ہوگا اور کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی! یہ کتاب کیسی ہے جس نے چھوٹا بڑا کچھ بھی نہیں

چھوڑا مگر اس کو شمار کر رکھا ہے اور جو بھی انہوں نے کیا تھا وہ سب اس کو سامنے پائیں گے اور آپ کا رب کسی ایک پر ظلم نہیں کرتا۔'' (الکھف:49)

سیدنا جابر بن سلیم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی بھی نیکی کو حقیر نہ جانو، خواہ اپنے ڈول سے پانی طلب کرنے والے برتن میں پانی ہی ڈال دو، خواہ اپنے بھائی سے مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ بات ہی کر لو۔'' (مسلم)

(3) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن دوسری پڑوسن کی (دی ہوئی کسی چیز کو بھی) حقیر نہ سمجھے، اگرچہ وہ بکری کے پائے کا گوشت ہو۔'' (بخاری:2566)

(4) سیدنا عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آگ سے بچ جاؤ، خواہ آدھی کھجور کے ساتھ۔ (بخاری:6563)

(5) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گھوڑا تین طرح کے لوگ تین قسم کا پالتے ہیں۔ ایک شخص کے لیے وہ اجر ہوتا ہے، دوسرے کے لیے وہ معافی ہے، تیسرے کے لیے عذاب ہے۔ جس کے لیے وہ اجر و ثواب ہے وہ شخص ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کی نیت سے پالتا ہے۔ چراگاہ یا اس کی بجائے راوی نے یہ کہا باغ میں اس کی رسی کو دراز کر دیتا ہے اور وہ گھوڑا چراگاہ یا باغ میں اپنی رسی تڑا لے اور ایک دو کوڑے (پھینکنے کی دوری) تک اپنی حد سے بڑھ گیا تو اس کے نشانات قدم اور اس کی لید بھی مالک کے لیے ثواب بن جاتی ہے اور اگر کسی نہر سے گزرتے ہوئے اس میں سے مالک کے ارادہ کے بغیر خود ہی اس نے پانی پی لیا تو یہ بھی مالک کے لئے باعث ثواب بن جاتا ہے۔ دوسرا شخص جس کے لئے اس کا گھوڑا باعث معافی پردہ بنتا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس نے لوگوں سے بے پرواہ رہنے اور لوگوں (کے سامنے سوال کرنے سے) بچنے کے لئے اسے پالا اور اس گھوڑے کی گردن پر جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اس کی پیٹھ کا جو حق ہے اسے بھی وہ ادا کرتا رہتا ہے۔ تو گھوڑا اس کے لئے باعث معافی پردہ بن جاتا ہے اور جو شخص گھوڑا اپنے دروازے پر فخر اور دکھاوے اور اسلام دشمنی کی غرض سے باندھتا ہے، وہ اس کے لئے وبال ہے۔ نبی ﷺ سے گدھوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق مجھ پر کوئی خاص آیت سوا اس اکیلی عام اور جامع آیت کے نازل نہیں کی ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ﴾ یعنی جو کوئی ذرہ بھر نیکی کرے گا وہ اسے بھی دیکھ لے گا اور جو کوئی ذرہ بھر برائی کرے گا وہ اسے بھی دیکھ لے گا۔ (بخاری:4962)

سوال 2: ذرّہ برابر نیکی کو انسان کیسے دیکھ لے گا؟

جواب: ذرّہ برابر نیکی اللہ تعالیٰ کے ریکارڈ میں ہے۔ اس کائنات میں بے خطا ریکارڈنگ کا نظام ہے۔ کوئی چیز اس سے miss نہیں ہوسکتی۔ اس لئے انسان اپنی ذرہ برابر نیکی کو بھی دیکھ لے گا۔

﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾

''اور جو ذرّہ برابر بدی کرے گا وہ اُس کو دیکھ لے گا'' (8)

سوال1: ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ ''اور جو ذرّہ برابر بدی کرے گا وہ اُس کو دیکھ لے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ ''اور جو ذرّہ برابر بدی کرے گا وہ اُس کو دیکھ لے گا'' یعنی چھوٹی سے چھوٹی برائی بھی انسان اپنے اعمال نامے میں دیکھ لے گا۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۛ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ﴾ ''جس دن ہر نفس اس کو موجود پائے گا جو اس نے نیکی کی اور جو اس نے برائی کی، اُس دن آدمی تمنا کرے گا کاش! اس کے اور اس کی برائیوں کے درمیان میں بہت دور کا فاصلہ ہوتا، اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ بندوں پر بے حد نرمی کرنے والا ہے۔'' (آل عمران:30)

(3) رائی کے دانے برابر عمل بھی ضائع نہیں کیا جائے گا رب العزت نے فرمایا: ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ﴾ ''اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے پھر کسی جان پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اور اگر رائی کے دانے برابر بھی ہوگا تو ہم اُسے لے آئیں گے اور ہم حساب کرنے والے کافی ہیں۔'' (الانبیاء:47)

(4) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عائشہ! معمولی اور حقیر سمجھے جانے والے گناہوں سے بچنا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بھی مؤاخذہ ہوگا۔'' (ابن ماجہ:4243)

(5) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت قرآن کی سب سے زیادہ محکم اور جامع آیت ہے اور سیدنا انس کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو الفاذۃ الجامعہ فرمایا ہے یعنی منفرد یکتا اور جامع۔

(6) سیدنا انس اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورت ﴿اذا زلزلت﴾ کو نصف القرآن اور ﴿قل ھو اللہ احد﴾ کو ثلث القرآن اور ﴿قل یاایھا الکفرون﴾ کو ربع القرآن فرمایا ہے۔ (معارف القرآن:802/8)

سوال2: ذرّہ برابر بدی کو دیکھ کر انسان کی کیا حالت ہوگی؟

جواب: ذرّہ برابر بدی کو دیکھ کر انسان شدید مضطرب اور پریشان ہوگا۔

آیاتھا ۱۱ — ۱۰۰ سُوْرَۃُ الْعٰدِیٰتِ مَکِّیَّۃٌ ۱۴ — رکوعھا ۱

سوال1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی اس کا ایک رکوع اور گیارہ آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر کیا ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا 100 نمبر ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس کا 14 نمبر ہے۔

رکوع نمبر 25

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا﴾

''ہانپتے ہوئے دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم!''(1)

سوال 1: ﴿وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا﴾ ''ہانپتے ہوئے دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم!'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالْعٰدِیٰتِ﴾ ''دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم!'' اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت قوت کے ساتھ دوڑنے والی گھوڑوں کی قسم کھائی ہے۔

(2) ﴿ضَبْحًا﴾ ''ہانپتے ہوئے'' یعنی جب گھوڑے تیز بھاگتے ہوئے ہانپتے ہیں اور ان کے سینوں سے آواز آرہی ہو۔ گھوڑوں کی اس کیفیت کی قسم کھائی ہے۔ یہ حالت جانوروں میں سے کسی کے اندر اس اعتبار سے نہیں پائی جاتی۔

(3) اللہ تعالیٰ مجاہد کے ہانپ کر دوڑتے ہوئے اور ہنہناتے ہوئے گھوڑوں کی قسم کھا رہا ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 1099/2)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کی قسم کیوں کھائی؟

جواب: گھوڑوں میں نمایاں نشانیاں اور ایسی نعمتیں ہیں جن کے بارے میں مخلوق جانتی ہے۔

سوال 3: جہاد کے لیے گھوڑا رکھنے کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: (1) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے وعدوں کی تصدیق کرتے ہوئے اللہ کے راستے میں (جہاد کے لئے) گھوڑا پالا، تو اس گھوڑے کا کھانا، پینا اور اس کا پیشاب ولید سب کا سب قیامت کے دن اس کی ترازو میں رکھ کر تولا جائے گا۔ (اور سب پر اسے ثواب ملے گا)۔ (بخاری، کتاب التفسیر)

(2) رب العزت نے حکم دیا: ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا

﴿تُظْلَمُوْنَ﴾ ''اور جو تم استطاعت رکھتے ہو ان کے (مقابلے) کے لیے، قوت سے اور گھوڑے باندھنے سے تیاری کرو، تم اس سے اللہ تعالیٰ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو اور ان کے علاوہ دوسروں کو خوف زدہ کرو گے، جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ تعالیٰ ان کو جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو چیز بھی تم خرچ کرو گے وہ پوری پوری تمہاری طرف لوٹا دی جائے گی اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔'' (الانفال: 60)

(3) سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو گھوڑے کی پیشانی کے بال اپنی انگلی سے مروڑتے ہوئے یہ فرماتے سنا: ''خیر قیامت تک کے لیے گھوڑوں کی پیشانی کے ساتھ بندھی ہوئی ہے یعنی اجر و ثواب اور مالِ غنیمت۔'' (مسلم: 4847)

﴿فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا﴾

''پھر سم مار کر چنگاریاں جھاڑنے والوں کی'' (2)

سوال 1: ﴿فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا﴾ ''پھر سم مار کر چنگاریاں جھاڑنے والوں کی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿فَالْمُوْرِيٰتِ﴾ ''پھر چنگاریاں جھاڑنے والوں کی'' یعنی جو اپنے سموں سے پتھروں پر آگ جھاڑتے ہیں۔

(2) ﴿قَدْحًا﴾ ''سم مار کر'' یعنی دوڑتے ہوئے سموں کی سختی اور قوت کی وجہ سے آگ نکلتی ہے۔

(3) یہ اُن گھوڑوں کی پہچان ہے جو تیز رفتار ہوں۔

(4) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مقابلہ صرف تین چیزوں میں جائز ہے، اونٹ دوڑ، گھڑ دوڑ یا تیر اندازی۔ (ترمذی: 1700)

(5) اس آیت میں گھوڑوں کو رات میں دوڑنے کا مفہوم از خود شامل ہے کیونکہ ان کے سموں کی پتھروں پر ضرب سے جو چنگاریاں نکلتی ہیں وہ زیادہ تر رات کو نظر آتی ہیں۔ (تیسیر القرآن: 680/4)

﴿فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا﴾

''پھر صبح کے وقت چھاپہ مارنے والوں کی!'' (3)

سوال 1: ﴿فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا﴾ ''پھر صبح کے وقت چھاپہ مارنے والوں کی!'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَالْمُغِيْرٰتِ﴾ ''پھر چھاپہ مارنے والوں کی'' یعنی دشمن پر شب خون مارنے والے گھوڑوں کی۔

(2) ﴿صُبْحًا﴾ ''صبح کے وقت'' شب خون منہ اندھیرے صبح کے وقت مارا جاتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 2970/3)

(3) عرب میں اکثر عادت صبح کے وقت تاخت کرنے کی تھی تاکہ رات کے وقت جانے میں دشمن کو خبر نہ ہو صبح کو دفعۃً جا پڑیں اور رات کو حملہ نہ کرنے میں اظہار شجاعت سمجھتے تھے۔ (تفسیر عثمانی: 917/2)

(4) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ صبح فجر کے وقت دشمنوں پر حملہ کیا کرتے تھے، تو آپ (جب کسی علاقے پر حملے کے لیے جاتے تو) اذان کی آواز پر کان لگائے رکھتے تھے اور اگر وہاں سے آپ ﷺ کو اذان کی آواز سنائی دیتی تو آپ ان پر حملہ نہیں کرتے تھے، ورنہ ان پر حملہ کر دیتے تھے۔ (مسلم:847)

﴿فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا﴾

''پھر اس کے ساتھ وہ غبار اُڑاتے ہیں'' (4)

سوال 1: ﴿فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا﴾ ''پھر اس کے ساتھ وہ غبار اُڑاتے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَثَرْنَ بِهٖ﴾ ''پھر اس کے ساتھ وہ اُڑاتے ہیں'' یعنی جب شب خون مارتے ہوئے گھوڑے دوڑتے ہیں۔ تو گرد اڑتی ہے۔ (2) ﴿نَقْعًا﴾ ''غبار'' یعنی جب وہ غبار اڑاتے ہیں۔

(3) نقعا بمعنی گرد راہ۔ وہ گرد غبار جو کوئی تیز رفتار سواری اپنے پیچھے چھوڑتی چلی جاتی ہے۔ یہ خاکی ذرات بوجھل ہونے کی وجہ سے پھر آہستہ آہستہ زمین پر بیٹھ جاتے ہیں۔ اس آیت میں دراصل گھوڑوں کی تیز رفتاری کی تعریف ہے جو رات کو زمین ٹھنڈی اور شبنم آلود ہونے کے باوجود اس سے گرد و غبار اٹھاتے ہیں۔ (تیسیر القرآن 680/4)

(4) یعنی ایسی تیزی اور قوت سے دوڑنے والے کہ صبح کے وقت جبکہ رات کی سردی اور شبنم کی رطوبت سے عموماً غبار دبا رہتا ہے۔ ان کے ٹاپوں سے اس وقت بھی بہت گرد و غبار اٹھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی 917/2:)

﴿فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا﴾

''پھر اس کے ساتھ لشکر میں گھس جاتے ہیں'' (5)

سوال 1: ﴿فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا﴾ ''پھر اس کے ساتھ لشکر میں گھس جاتے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَوَسَطْنَ بِهٖ﴾ ''پھر اس کے ساتھ گھس جاتے ہیں'' یعنی اپنے سواروں کے ساتھ۔

(2) ﴿جَمْعًا﴾ ''لشکر میں'' دشمنوں کے لشکر میں گھس کر مارنے والے گھوڑوں کی قسم۔

(3) یعنی اس وقت بے خوف و خطر دشمن کی فوج میں جا گھستے ہیں۔ ممکن ہے کہ قسم کھانا گھوڑوں کی مقصود ہو جیسا کہ ظاہر ہے، اور ممکن ہے مجاہدین کے رسالہ کی قسم ہو یہ جہاد والے سواروں کی قسم ہے۔ اس سے بڑا کون عمل ہوگا کہ اللہ کے کام پر اپنی جان دینے کو حاضر ہے۔ (تفسیر عثمانی 917/2)

سوال 3: گھوڑے کسی گروہ میں کیوں جا گھستے ہیں؟

جواب: گھوڑے کسی گروہ میں تب گھستے ہیں جب جنگ کرنی ہو پھر سخت جنگ کرتے ہیں۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کی قسمیں کھا کر کیا ثابت کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ثابت کیا ہے کہ انسان اپنے ربّ کا ناشکرا ہے۔

﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ﴾

''یقیناً انسان اپنے رب کے لیے بلاشبہ بڑا ہی ناشکرا ہے'' (6)

سوال 1: ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ﴾ ''یقیناً انسان اپنے رب کے لیے بلاشبہ بڑا ہی ناشکرا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ﴾ ''یقیناً انسان اپنے رب کے لیے بلاشبہ بڑا ہی ناشکرا ہے'' یعنی انسان اپنے رب کے انعامات کا ناشکرا ہے۔

(2) ﴿كَنُوْدٌ﴾ کے معنی میں سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ شخص جو مصائب کو یاد رکھے اور نعمتوں کو بھول جائے اس کو کنود کہا جاتا ہے۔ (معارف القرآن: 804/8) (3) ﴿كَنُوْدٌ﴾ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی میں خرچ کرتا ہے۔

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ (15) وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ (16)﴾ ''مگر انسان کو جب اُس کا رب آزماتا ہے پھر اُسے عزت بخشتا ہے اور نعمت دیتا ہے تو وہ کہتا ہے ''میرے رب نے مجھے عزت بخشی ہے۔'' اور جب اُسے وہ آزماتا ہے اور اُس پر اُس کا رزق تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے: ''میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔'' (الفجر: 15,16)

(5) رب العزت نے ایسے انسان کے متعلق فرمایا: ﴿اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا (20) وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا (21)﴾ ''جب اُس کو تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا جانے والا ہوتا ہے۔ اور جب اسے بھلائی پہنچتی ہے تو بہت روکنے والا ہوتا ہے۔'' (المعارج: 21,22)

(6) یعنی وہ اس بھلائی سے محروم کرنے والا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اس کو نوازا ہے۔ انسان کی فطرت اور جبلت یہ ہے کہ اس کا نفس ان حقوق کے بارے میں جو اس کے ذمے عائد ہوتے ہیں، فیاضی نہیں کرتا کہ ان کو کامل طور پر اور پورے پورے ادا کر دے بلکہ اس کے ذمے جو مالی یا بدنی حقوق عائد ہوتے ہیں، ان کے بارے میں اس کی فطرت میں سستی اور حقوق سے منع کرنا ہے، سوائے اس شخص کے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے بہرہ مند کیا اور اس نے اس وصف سے باہر نکل کر حقوق کی ادائیگی میں فیاضی کے وصف کو اختیار کر لیا۔ (تفسیر سعدی: 2970/3)

(7) خود گھوڑا زبانِ حال سے شہادت دے رہا ہے کہ جو لوگ مالک حقیقی کی دی ہوئی روزی کھاتے اور اس کی بے شمار نعمتوں سے شب و روز تمتع کرتے ہیں، پھر اس کے باوجود اس کی فرمانبرداری نہیں کرتے، وہ جانوروں سے زیادہ ذلیل و حقیر ہیں۔ ایک شائستہ گھوڑے کو مالک

گھاس کے تنکے اور تھوڑا سادانہ کھلاتا ہے وہ اتنی سی تربیت پر اپنے مالک کی وفاداری میں جان لڑادیتا ہے۔(تفسیر عثمانی:917,918/2)

سوال2: انسان کب اپنے ربّ کا ناشکرا بن جاتا ہے؟

جواب: انسان کا دل ایمان سے خالی ہوجاتا ہے تو وہ ناشکرا بن جاتا ہے۔

﴿وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ﴾

''اور بلاشبہ وہ اس پر یقیناً گواہ بھی ہے''(7)

سوال1: ﴿وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ﴾ ''اور بلاشبہ وہ اس پر یقیناً گواہ بھی ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ﴾ ''اور بلاشبہ وہ اس پر یقیناً گواہ بھی ہے'' یعنی انسان اپنے رب کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتا۔

(2) ابوامامہ کہتے ہیں کہ ناشکرا آپ ہی کھاتا اور غلام کو مارتا ہے کسی کو نہیں دیتا۔(مختصر ابن کثیر:2243)

سوال2: انسان کس چیز پر گواہی دیتا ہے؟

جواب: انسان اپنی ناشکری پر گواہی دیتا ہے۔

﴿وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ﴾

''اور بلاشبہ وہ مال کی محبت میں یقیناً بہت شدید ہے''(8)

سوال1: ﴿وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ﴾ ''اور بلاشبہ وہ مال کی محبت میں یقیناً بہت شدید ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِنَّهٗ﴾ ''اور بلاشبہ وہ'' یعنی بے شک انسان۔ (2) ﴿لِحُبِّ الْخَيْرِ﴾ ''مال کی محبت میں''۔

(3) ﴿لَشَدِيْدٌ﴾ ''یقیناً بہت شدید ہے'' یعنی انسان مال پر مرتا ہے اسے مال عزیز ہوتا ہے تبھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے سسکتا ہے۔

(4) یعنی حرص وطمع اور بخل وامساک نے اس کو اندھا بنا رکھا ہے۔ دنیا کے زرومال کی محبت میں اس قدر غرق ہے کہ منعم حقیقی کو بھی فراموش کر بیٹھا، نہیں سمجھتا کہ آگے چل کر اس کا کیا انجام ہونے والا ہے۔(تفسیر عثمانی)

(5) یعنی مال سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے اور مال کی محبت ہی اس کے لیے حقوق واجبہ کو ترک کرنے کی موجب بنی اور یوں اس نے اپنی شہوت نفس کو اپنے رب کی رضا پر ترجیح دی۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ اس نے اپنی نظر کو صرف اسی دنیا پر مرکوز رکھا اور آخرت سے غافل رہا۔(تفسیر سعدی:2970,2971)

سوال2: ''انسان مال کی محبت میں شدید ہے'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد یہ ہے کہ انسان مال کی حرص میں مبتلا ہے اور مال پا کر بخیلی کرتا ہے۔

سوال3: کیا انسان کے مزاج سے مال کی محبت کو ختم کیا جا سکتا ہے؟

جواب: ایمان انسان کے خیالات اور مزاج کو بدل دیتا ہے۔ ایمان کی وجہ سے بخل اور دولت کی حرص ایثار میں بدل جاتی ہے۔ انسان ایمان کے بغیر بہت حقیر ہے۔

﴿اَفَلَا یَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِی الۡقُبُوۡرِ﴾

''تو کیا وہ نہیں جانتا کہ جب قبروں میں جو کچھ ہے نکال دیا جائے گا''(9)

سوال1: ﴿اَفَلَا یَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِی الۡقُبُوۡرِ﴾ ''تو کیا وہ نہیں جانتا کہ جب قبروں میں جو کچھ ہے نکال دیا جائے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَفَلَا یَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِی الۡقُبُوۡرِ﴾ ''تو کیا وہ نہیں جانتا کہ جب قبروں میں جو کچھ ہے نکال دیا جائے گا'' قبروں سے مُردہ انسانوں کو نکالا جائے گا۔

(2) اللہ تعالیٰ نے مال کی نفرت اور آخرت کی رغبت دلانے کے لیے مرنے کے بعد آنے والی وحشت اور قباحت کی دہشت یاد دلا کر فرمایا: یعنی انسان کفن کے بغیر قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

(3) قبروں سے مراد قبرستان والی قبریں ہی نہیں بلکہ ہر انسان کا مدفن ہے خواہ سمندر کی تہ ہو یا درندے کا پیٹ یا راکھ کی صورت میں زمین کی ذرات میں مل جائے۔ اللہ تعالیٰ اسے باہر لانے کی ہر قدرت رکھتا ہے۔

﴿وَ حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوۡرِ﴾

''اور جو کچھ سینوں میں ہے ظاہر کر دیا جائے گا''(10)

سوال1: ﴿وَ حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوۡرِ﴾ ''اور جو کچھ سینوں میں ہے ظاہر کر دیا جائے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَ حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوۡرِ﴾ ''اور جو کچھ سینوں میں ہے ظاہر کر دیا جائے گا'' یعنی جو کچھ دلوں میں ہے وہ راز کھول دیئے جائیں گے۔ کوئی برائی بھلائی چھپائی نہیں جا سکے گی۔ سینوں کی باتوں کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرے گا اور کھول دے گا۔ جب سب کچھ ظاہر ہو جائے گا۔ تو اعمال کا نتیجہ بھی سب کے سامنے آ جائے گا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿یَوۡمَ تُبۡلَی السَّرَآئِرُ﴾ ''جس دن تمام پوشیدہ باتوں کی جانچ پڑتال کی جائے گی۔'' (الطارق:9)

﴿إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ﴾

''بے شک ان کا رب اُس دن یقیناً اُن سے خوب باخبر ہوگا'' (11)

سوال 1: ﴿إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ﴾ ''بے شک ان کا رب اُس دن یقیناً اُن سے خوب باخبر ہوگا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ﴾ ''بے شک ان کا رب اُس دن یقیناً اُن سے خوب باخبر ہوگا'' یعنی اللہ تعالیٰ کھلے چھپے، ظاہری باطنی اعمال سے باخبر ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ ہر وقت پوری خبر رکھنے والا خبیر ہے۔

(3) اس سے مراد اعمال کی جزا ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق دی جائے گی۔

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے۔'' (النساء: 63)

(5) اللہ تعالیٰ کا علم ان پر اور ان کے اعمال پر محیط ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿لَّقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ الْأَنبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ﴾ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً ان کی بات سن لی جنہوں نے کہا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں، جلد ہی ہم لکھ دیں گے جو انہوں نے کہا اور ان کا نبیوں کو ناحق قتل کرنا بھی اور ہم کہیں گے کہ تم جلنے کا عذاب چکھو۔'' (آل عمران: 181)

(6) اس دن پر ذرہ برابر ظلم نہیں ہوگا۔ (7) اس دن سب کو پتہ چل جائے گا کہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ خبیر تھا اور آخرت میں بھی وہی باخبر ہے۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت خبیر کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: 1۔ اللہ تعالیٰ نے سینوں کے راز ظاہر کرنے سے یہ واضح کیا ہے کہ وہ کتنی خبریں رکھنے والا ہے۔ 2۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ وہ سینوں کے بھیدوں کی خبر رکھتا ہے۔ اُس سے کوئی چیز چھپی نہیں رہ سکتی۔ اس لئے وہ ہر ایک کو اس کے عمل کی پوری پوری جزا دے گا۔

آیاتها ۱۱ | ۱۰۱ سُورَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ ۳۰ | رکوعها ۱

سوال 1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی اس کا ایک رکوع اور گیارہ آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 101 ہے۔نزولی ترتیب کے اعتبار سے یہ 30ویں سورت ہے۔

رکوع نمبر 26

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اَلْقَارِعَةُ﴾

''کھٹکھٹانے والی''(1)

سوال1: ﴿اَلْقَارِعَةُ﴾ ''کھٹکھٹانے والی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَلْقَارِعَةُ﴾ ''کھٹکھٹانے والی'' یعنی وہ عظیم حادثہ جو زمین کے خاتمے کے لیے رونما ہوگا۔

(2) قارعہ سخت آواز کو کہتے ہیں، صور کی آواز بہت سخت ہوگی اس لئے قیامت کا نام قارعہ رکھا گیا۔ (احسن التفاسیر:7/319)

(3) القارعة قرع بمعنی ایک چیز کو دوسری چیز پر اس طرح مارنا کہ آواز پیدا ہو اور قرع الباب بمعنی اس نے دروازہ کھٹکھٹایا اور قارعة بمعنی کھڑکھڑانے والی اور ابن فارس کے نزدیک ہر وہ چیز جو انسان پر شدت کے ساتھ نازل ہو وہ قارعة ہے (مقائیس اللغۃ) یعنی کسی عظیم حادثہ یا بھاری آفت جو انسان کو گھبراہٹ میں ڈال دے اور اس سے مراد قیامت ہے۔ (تفسیر تیسیر القرآن:4/683)

(4) قیامت کی اہمیت اور اس کی ہولناکی کو بیان کرنے کے لیے فرمایا: ﴿اَلْقَارِعَةُ﴾ ''کھٹکھٹانے والی'' یعنی قیامت جو لوگوں پر اچانک ٹوٹ پڑے گی، کیسے وہ دلوں کو دہشت زدہ کردے گی، اس کی صبح کے بعد کوئی رات نہیں آئے گی۔

(5) قیامت کو ﴿اَلْقَارِعَةُ﴾ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنی دہشت کی وجہ سے دِلوں کو بیدار کردے گی اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو عذاب سے متنبہ کردے گی۔

﴿مَا الْقَارِعَةُ﴾

کیا ہے (وہ) کھٹکھٹانے والی؟(2)

سوال1: ﴿مَا الْقَارِعَةُ﴾ ''کیا ہے (وہ) کھٹکھٹانے والی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَا الْقَارِعَةُ﴾ ''کیا ہے (وہ) کھٹکھٹانے والی'' یعنی وہ قیامت کا حادثہ کیا ہے جو لوگوں کو دہشت میں مبتلا کردے گا۔ انسانی خیال اور اس کے تصور سے بہت بڑا حادثہ ہے۔

(2) قیامت کی طرف توجہ دلانے کے لئے یہ سوال کیا گیا" کیا ہے (وہ) کھٹکھٹانے والی"۔

﴿وَمَآ أَدۡرَىٰكَ مَا ٱلۡقَارِعَةُ﴾

"اور تم کیا جانو کہ کیا ہے (وہ) کھٹکھٹانے والی"؟(3)

سوال1:﴿وَمَآ أَدۡرَىٰكَ مَا ٱلۡقَارِعَةُ﴾"اور تم کیا جانو کہ کیا ہے (وہ) کھٹکھٹانے والی" اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَمَآ أَدۡرَىٰكَ مَا ٱلۡقَارِعَةُ﴾"اور تم کیا جانو کہ کیا ہے (وہ) کھٹکھٹانے والی" اور اے محمد! تم کیا سمجھو کہ وہ قارعہ کیا ہے!

(2) یہ سوال اس خبر کی وضاحت کے لئے کیا گیا کہ انسانی ادراک سے قیامت کا معاملہ بہت اوپر کا ہے۔لہٰذا انسان کی عقل، اُس کے ذرائع علم اس میدان میں مدد نہیں کر سکتے۔

(3) مراد قیامت ہے جو قلوب کے سخت فزع اور گھبراہٹ سے اور کانوں کو صوت شدید سے کھڑکھڑا ڈالے گی۔مطلب یہ ہے کہ حادثہ قیامت کے اس ہولناک منظر کا کیا بیان ہو۔بس اس کے بعض آثار آگے بیان کر دیئے جاتے ہیں جن سے اس کی سختی اور شدت کا قدرے اندازہ ہو سکتا ہے۔(تفسیر عثمانی:919/2)

سوال2:"تم کیا جانو کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی" کی وضاحت کریں؟

جواب: یہ سوال اس خبر کی وضاحت کے لئے کیا گیا کہ انسانی ادراک سے قیامت کا معاملہ بہت اوپر کا ہے۔لہٰذا انسان کی عقل، اُس کے ذرائع علم اس میدان میں مدد نہیں کر سکتے۔

﴿يَوۡمَ يَكُونُ ٱلنَّاسُ كَٱلۡفَرَاشِ ٱلۡمَبۡثُوثِ﴾

"جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی مانند ہوں گے"(4)

سوال1:﴿يَوۡمَ يَكُونُ ٱلنَّاسُ كَٱلۡفَرَاشِ ٱلۡمَبۡثُوثِ﴾"جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی مانند ہوں گے" اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿يَوۡمَ﴾"جس دن" یعنی قیامت کا دن۔

(2)﴿يَكُونُ ٱلنَّاسُ﴾"لوگ ہوں گے" جس دن لوگ میدان حشر میں ایسے حال کو پہنچ جائیں گے۔

(3)﴿كَٱلۡفَرَاشِ ٱلۡمَبۡثُوثِ﴾"بکھرے ہوئے پروانوں کی مانند" یعنی پریشان ٹڈیوں کی طرح کہ جیسے وہ ایسی حالت میں ایک دوسرے پر چڑھ جاتی ہیں یہی حال (حشر کے دن) انسانوں کا ہوگا کہ وہ ایک دوسرے پر گر رہے ہوں گے۔(صحیح بخاری تفسیر سورۃ القارعہ)

(4) یعنی میدان حشر میں پروانوں کی طرح﴿كَأَنَّهُمۡ جَرَادٌ﴾"گویا وہ پراگندہ ٹڈیاں ہیں" جو ایک دوسرے میں موجزن ہوں گی۔

(5) جیسے رات کے وقت روشنی پر آنے والے پتنگوں کا پتہ نہیں چلتا کہ وہ کہاں کا رخ کریں؟ اور اپنی سمجھ کی کمی کی وجہ سے آگ میں جا گرتے ہیں اسی طرح لوگوں کا حال ہوگا۔

(6) مزید مقامات پر رب العزت نے اس صورتحال کو یوں بیان کیا: ﴿مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴾ ''گردن اُٹھا کر پکارنے والے کی طرف دوڑنے والے ہوں گے، کافر کہیں گے: ''یہ تو بڑا مشکل دن ہے۔'' (القمر:8)

(7) ﴿وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا﴾ ''اور اس دن ہم ان میں سے بعض کو چھوڑ دیں گے کہ وہ ایک دوسرے میں گھس جائیں اور صور میں پھونک دیا جائے گا پھر ہم ان سب کو ایک جگہ جمع کریں گے، پوری طرح جمع کرنا۔'' (الکہف:99)

(8) ﴿مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ﴾ ''اس حالت میں کہ تیز دوڑنے والے، اپنے سروں کو اوپر اٹھانے والے ہوں گے ان کی نگاہ ان کی اپنی جانب ہی نہیں لوٹے گی اور ان کے دل خالی ہوں گے۔'' (ابراہیم:43)

(9) سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن متکبر لوگ آدمیوں کی صورتوں میں چیونٹیوں کی مانند اکٹھے کئے جائیں گے۔ ہر طرف سے ذلت انہیں گھیرے ہوئے ہوگی۔ وہ جہنم کی ایک بولس، نامی کوٹھڑی کی طرف ہانکے جائیں گے۔ بھڑکتی ہوئی کی آگ ان پر مسلط ہوگی۔ انہیں جہنمیوں کا پسینہ اور ان کے زخموں کی پیپ پلائی جائے گی۔'' (ترمذی:2492)

﴿وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ﴾

''اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اُون کی طرح ہو جائیں گے'' (5)

سوال 1: ﴿وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ﴾ ''اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اُون کی طرح ہو جائیں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ﴾ ''اور پہاڑ ہو جائیں گے'' قیامت کا دن اتنا ہولناک ہوگا کہ پہاڑوں جیسی عظیم مخلوق جو بڑی سخت اور ٹھوس ہے۔

(2) ﴿كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ﴾ ''دھنکی ہوئی رنگین' کالعھن اون کی طرح رنگ برنگ۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یوں پڑھا ہے کالصوف المنفوش یعنی دھنی ہوئی اون کی طرح اڑتے پھیریں گے۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورۃ القارعہ)

(3) دھنکی ہوئی اون کو معمولی سی ہوا بھی لے جاتی ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ﴾ ''اور آپ پہاڑوں کو دیکھو گے، آپ انہیں جما ہوا گمان کرو گے حالانکہ وہ بادلوں کے چلنے کی طرح چل رہے ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو خوب مضبوط بنایا ہے یقیناً وہ خوب باخبر

ہے اس سے جو تم کرتے ہو۔'' (النمل:88)

(4) ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا﴾ ''اور وہ تم سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، چنانچہ آپ کہہ دیں میرا رب انہیں اڑا کر بکھیر دے گا۔'' (طٰہٰ:105)

﴿فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾

''تو جس شخص کے پلڑے بھاری ہوں گے'' (6)

سوال1: ﴿فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ ''تو جس شخص کے پلڑے بھاری ہوں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ ''تو جس شخص کے پلڑے بھاری ہوں گے'' حشر کے میدان کا ایک منظر ہے۔ لوگوں کے اعمال کا وزن کیا جارہا ہے تو جس کی نیکیاں برائیوں کے مقابلے میں وزن کے اعتبار سے زیادہ ہو جائیں گی۔

(2) اعمال کا وزن اخلاص و ایمان کی نسبت سے ہوگا۔ دیکھنے میں کتنا ہی بڑا عمل ہو مگر اخلاص کی روح نہ ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ وزن نہیں رکھتا۔ (تفسیر عثمانی)

(3) اللہ تعالیٰ کے یہاں وزن رکھنے والے کو ہی تولا جائے گا اور وہ ایمان کے ساتھ نیک اعمال ہیں۔ اسی لیے کافروں کے اعمال کا وزن نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ چنانچہ قیامت کے دن ہم اُن کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔ (الکھف:105)

(4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دو کلمے ایسے ہیں جو تبارک وتعالیٰ کو بہت ہی پسند ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں اور قیامت کے دن اعمال کی ترازو میں بوجھل اور باوزن ہوں گے۔ وہ کلمات مبارکہ یہ ہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔'' (صحیح بخاری:7563)

(5) رب العزت نے فرمایا: ﴿فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿١٠١﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٢﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٣﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿١٠٤﴾﴾ ''پھر جب صور میں پھونکا جائے گا تو اُس دن اُن کے درمیان کوئی قرابت داریاں نہ رہیں گی اور نہ ہی وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔ پھر وہ شخص جس کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔ اور وہ شخص جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈالا، وہ جہنم میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اُن کے چہروں کو آگ جھلسا دے گی اور اس میں وہ جبڑے نکالنے والے ہوں گے۔'' (المومنون:101،104)

سوال 2: یہاں موازین سے کیا مراد ہے؟

جواب: موازین میزان کی جمع ہے جس میں اعمال تولے جائیں گے۔ اس وقت ترازو ئیں نصب کر دی جائیں گی اور لوگ دو قسموں میں منقسم ہو جائیں گے خوش بخت لوگ اور بد بخت لوگ۔

سوال 3: کس کے پلڑے بھاری ہوں گے؟

جواب: جن کی نیکیاں زیادہ ہوں گی تو اعمال کے وزن کے وقت ان کا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔

﴿فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ﴾

''وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا'' (7)

سوال 1: ﴿فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ﴾ ''وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ﴾ ''وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا'' عبادت گزار، صالح خوش نصیب لوگ دل پسند اور عیش والی زندگی میں ہوں گے۔ سدا بہار جنتوں میں عیش و آرام والی زندگی سے لطف اندوز ہوں گے۔ (2) وہ ایسی زندگی ہے جو انسان پسند کرے گا۔

﴿وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾

''اور جس شخص کے پلڑے ہلکے ہوں گے'' (8)

سوال 1: ﴿وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ ''اور جس شخص کے پلڑے ہلکے ہوں گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ ''اور جس شخص کے پلڑے ہلکے ہوں گے'' یعنی جن کی نیکیاں کم اور برائیاں زیادہ ہو جائیں گی یا نیکیاں سرے سے نہیں ہوں گی جیسے اہل کفر اور اہل شرک کی۔ (ایسر التفاسیر:1783) (2) یعنی جن کی برائیاں نیکیوں پر غالب آ جائیں گی۔ (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ﴾ ''اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے پھر کسی جان پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اُسے لے آئیں گے اور ہم حساب کرنے والے کافی ہیں۔'' (الانبیاء:47) ﴿اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (۱۰۴) اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَاۗىِٕهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا (۱۰۵)﴾ ''وہ لوگ جن کی محنت دنیا کی زندگی میں ہی کھو گئی اور وہ سمجھتے رہے کہ یقیناً وہ ایک اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کے ساتھ اور اس کی ملاقات کے ساتھ کفر کیا، تو اُن کے سارے اعمال ضائع ہو گئے، چنانچہ قیامت کے دن ہم اُن کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے''۔ (الکہف:104,105)

﴿فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ﴾

''تو اُس کا ٹھکانہ گہری کھائی ہوگا'' (9)

سوال 1: ﴿فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ﴾ ''تو اُس کا ٹھکانہ گہری کھائی ہوگا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ﴾ ''تو اُس کا ٹھکانہ گہری کھائی ہوگا'' تو ان کی ماں ہاویہ ہوگی۔ ہاویہ جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے اسے ام اس لیے کہا گیا کہ اس روز ان کا ٹھکانہ اسی کی گود میں ہوگا۔ (مختصر ابن کثیر: 2245/2)

(2): ﴿هَاوِيَةٌ﴾ اس لئے کہتے ہیں کہ جہنمی اس کی گہرائی میں بہت دور تک جا گرے گا۔ یعنی جہنم اس کے لیے ماں کا مقام رکھے گی جو اپنے بیٹے کو ساتھ ساتھ رکھتی ہے۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا﴾ یقیناً اس کا عذاب ہمیشہ چمٹنے والا ہے۔ (الفرقان: 65)

﴿وَمَآ أَدْرٰكَ مَا هِيَهْ﴾

''اور تم کیا جانو کیا ہے وہ''؟ (10)

سوال 1: ﴿وَمَآ أَدْرٰكَ مَا هِيَهْ﴾ ''اور تم کیا جانو کیا ہے وہ'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَآ أَدْرٰكَ مَا هِيَهْ﴾ ''اور تم کیا جانو کیا ہے وہ'' (i) یہ سوال جہنم کی ہولناکی اور شدت بیان کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔
(ii) یہ سوال اس لئے کیا گیا ہے کہ انسان اپنی عقل اور ذرائع علم سے اس کی حقیقت سمجھ ہی نہیں سکتا۔

(2) یعنی ہاویہ خوفناک شعلے مارتی ہوئی آگ ہے جو جلد کو بھسم کر دے گی۔ اس کی ہولناکی اور شدت کو تم اپنے احاطہ خیال میں بھی نہیں لا سکتے۔ تم کیسے سمجھو گے؟ کیسے تمہیں اندازہ کروائیں کہ تم اپنی عقل سے اس کی حقیقت کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔

﴿نَارٌ حَامِيَةٌ﴾

''وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے'' (11)

سوال 1: ﴿نَارٌ حَامِيَةٌ﴾ ''وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿نَارٌ حَامِيَةٌ﴾ ''وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے'' یعنی سخت گرم آگ ہے جس کے شعلے اپنی حرارت میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ (٤) وَمَآ أَدْرٰكَ مَا الْحُطَمَةُ (٥) نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ (٦)﴾ ''ہرگز نہیں! وہ توڑ پھوڑ کر رکھ دینے والی میں ضرور پھینک دیا جائے گا۔ اور کس چیز نے تمہیں خبر دی کہ حطمہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔'' (الھمزۃ: 4،6)

(3) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمہاری (دنیا کی) آگ جہنم کی آگ کے مقابلے میں (اپنی گرمی اور ہلاکت خیزی میں) سترواں حصہ ہے۔ کسی نے پوچھا، یارسول اللہ! (کفار اور گنہگاروں کے عذاب کے لیے تو) یہ ہماری دنیا کی آگ بھی بہت تھی آپ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کی آگ کے مقابلے میں جہنم کی آگ انہتر گنا بڑھ کر ہے۔'' (صحیح بخاری:3265)

(4) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جہنم نے اپنے رب کے حضور میں شکایت کی اور کہا کہ میرے رب! میرے ہی بعض حصے نے بعض کو کھا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانسوں کی اجازت دی، ایک سانس جاڑے میں اور ایک گرمی میں۔ تم انتہائی گرمی اور انتہائی سردی جوان موسموں میں دیکھتے ہو، اس کا یہی سبب ہے۔ (صحیح بخاری:3260)

(5) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب گرمی زیادہ بڑھ جائے تو نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھا کرو۔ اس لیے کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے (ہوتی) ہے۔ (بخاری:536)

(6) سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''جہنمیوں میں سے سب سے ہلکا عذاب قیامت والے دن اسے ہوگا جس کے پاؤں کے تلوں کے نیچے دو انگارے رکھے جائیں گے اور انہی دو انگاروں (کی شدت حرارت) کی وجہ سے اس کا دماغ کھولے گا۔ (مسلم:516)

رکوعھا ۱ | ۱۰۲ سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ ۱۶ | اٰیاتھا ۸

سوال 1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنے آیات ہیں؟

جواب: یہ مکی سورت ہے۔ اس کا ایک رکوع اور آٹھ آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور نزولی اعتبار سے اس کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 16 ہے اور ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 102 ہے۔

رکوع نمبر 27

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾

''ایک دوسرے سے زیادہ حاصل کرنے کی حرص نے تمہیں غافل کر دیا ہے'' (1)

سوال1:﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾''ایک دوسرے سے زیادہ حاصل کرنے کی حرص نے تمہیں غافل کردیا ہے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾''ایک دوسرے سے زیادہ حاصل کرنے کی حرص نے تمہیں غافل کردیا ہے''اللہ رب العزت نے انسان کو اپنے لیے پیدا کیا ہے۔اس کی زندگی کا مقصد عبادت ہے تاکہ اس کا دل محبت اور تعظیم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جڑ جائے۔اس لئے اللہ رب العزت ہر ایسی چیز سے انسان کو بچانا چاہتے ہیں جو اسے اللہ تعالیٰ سے غافل کردے اسی لیے فرمایا:﴿اَلْهٰكُمُ﴾''تمہیں غافل کردیا ہے''اَلْهٰكُمُ :لهو کا معنی عموماً کھیل تماشا لیا جاتا ہے۔لیکن اصل میں لهو ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کو اصل مقصد سے یا کسی اہم تر چیز سے ہٹائے رکھے اور الهي کے معنی میں کسی گھٹیا کام میں مشغول رہ کر اس سے اہم تر کام سے خیال ہٹادینا گویا الهي میں توجہ ہٹادینے کا سبب غفلت یا بھول نہیں ہوتی بلکہ دوسرے فضول کام ہوتے ہیں۔(تیسیر القرآن:685/4)تکاثر کا لفظ تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔(i)آدمی کوئی چیز زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔(ii)لوگ کسی چیز کے حصول میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کریں(iii)وہ ایک دوسرے پر فخر جتلائیں کہ دوسرے کے مقابلہ میں انہیں فلاں چیز کثرت سے حاصل ہے۔(تفسیر تیسیر القرآن:685/4)

(2)﴿التَّكَاثُرُ﴾''ایک دوسرے سے زیادہ حاصل کرنے کی حرص نے''اور جس چیز کی کثرت طلب کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر نہیں کیا تاکہ یہ ہر چیز کو شامل ہو جس کے ذریعے سے کثرت میں مقابلہ کرنے والے مقابلہ کرتے ہیں اور باہم فخر کرنے والے فخر کرتے ہیں، مثلاً: مال، اولاد، اعوان وانصار، فوجیں، خدم وحشم اور جاہ وغیرہ جس میں لوگ ایک دوسرے سے زیادہ حاصل کرنے کا قصد کرتے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا ان کا مطلوب ومقصود نہیں ہوتا۔(تفسیر سعدی:2973/3)

(3)سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ''اگر انسان کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو تیسری کا خواہش مند ہوگا اور انسان کا پیٹ مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔''(بخاری:6436)

(4)سیدنا مطرف رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں میں نبی ﷺ کی خدمت میں آیا، آپ ﷺ سورۃ التکاثر پڑھ رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا:''ابنِ آدم کہتا ہے میرا مال میرا مال میرا مال۔اے ابنِ آدم! تیرا کیا مال ہے؟ تیرا مال تو صرف وہی ہے جو تو نے کھایا اور کھا کر ختم کردیا اور جو تو نے پہنا اور پہن کر ختم کردیا یا تو نے صدقہ کرکے آگے بھیج دیا۔''(مسلم:7420)

(5)سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''جیسے جیسے انسان کی عمر بڑھتی جاتی ہے اس کے اندر دو چیزوں کی خواہش بڑھتی جاتی ہے، ایک مال کی محبت اور دوسری عمر کی درازی۔''(بخاری:6241)

(6)سیدنا کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''دو بھوکے بھیڑیئے جن کو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیا جائے وہ اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا دین کو مال اور عزت کی حرص برباد کرتی ہے۔''(ترمذی:2376)

سوال2: کثرت کی ہوس نے انسان کو کس چیز سے غافل کر رکھا ہے؟

جواب: کثرت کی ہوس نے انسان کو آخرت سے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات سے غافل کر رکھا ہے۔

سوال3: دنیا کی چیزوں کے اضافے سے انسان کو کیا ملتا ہے؟

جواب: دنیا کی چیزوں کے اضافے سے انسان سمجھتا ہے کامیابی ملی حالانکہ اُس کا حساب کتاب مشکل ہوتا چلا جاتا ہے۔

﴿حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾

''یہاں تک کہ تم نے قبرستان جادیکھے'' (2)

سوال1: ﴿حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾ ''یہاں تک کہ تم نے قبرستان جادیکھے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾ ''یہاں تک کہ تم نے قبرستان جادیکھے'' یعنی جب غیب کا پردہ ہٹ جائے گا اور تم دوسرے جہان میں پہنچ جاؤ گے اور دنیا میں آنا ممکن نہ رہے گا۔

(2) دلالت کرتا ہے کہ برزخ ایسا گھر ہے جس سے مقصود آخرت کے گھر کی طرف نفوذ کرنا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ''زائرین'' کے نام سے موسوم کیا ہے ''قیام کرنے والوں'' سے موسوم نہیں کیا۔ اور یہ چیز حیات بعد الموت اور ہمیشہ باقی رہنے والے غیر فانی گھر میں، اعمال کی جزا وسزا دلالت کرتی ہے۔ (تفسیر سعدی: 2973/3) (3) اس میں عذاب قبر کی دلیل ہے۔

(4) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میت کے ساتھ تین چیزیں چلتی ہیں دو تو واپس آجاتی ہیں صرف ایک کام اس کے ساتھ رہ جاتا ہے اس کے ساتھ اس کے گھر والے، اس کا مال اور اس کا عمل ساتھ چلتا ہے۔ اس کے گھر والے اور اس کا مال تو واپس آجاتا ہے اور اس کا عمل اس کے ساتھ چلتا ہے۔ (بخاری: 6514)

(5) سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تمہیں قبروں پر جانے سے منع کیا تھا، اب مجھے اپنی والدہ محترمہ کی قبر پر جانے کی اجازت مل گئی ہے، لہٰذا تم بھی قبروں کی زیارت کرو، کیونکہ یہ آخرت یاد کرواتی ہے۔ (ترمذی: 1054)

(6) سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کو رسول اللہ ﷺ یہ دُعا سکھاتے تھے جب صحابہ قبرستان کی طرف جاتے تھے۔ پس ان میں سے کہنے والا کہتا۔ ابوبکر کی روایت میں ﴿السَّلَامُ عَلٰى أَهْلِ الدِّيَارِ﴾ اور زہیر کی روایت میں ﴿السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَلَاحِقُونَ، أَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ﴾ ''تم پر سلامتی ہو اے مومنوں اور مسلمانوں کے گھروں والے اور ہم تم سے ان شاء اللہ ملنے والے ہیں۔ ہم اپنے اور تمہارے لئے عافیت مانگتے ہیں۔'' (مسلم: 2257)

(7) انسان اپنی زندگی اہم چیزوں سے ہٹا کر غیر اہم میں کھپا دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد، اپنی عاقبت کی فکر، حقداروں کے حق کی ادائیگی،

اخلاقی ضابطوں کی پابندی وغیرہ کو چھوڑ کر مرغوبات میں مشغول رہتا ہے یہاں تک کہ اسے موت آجاتی ہے۔

سوال 2: کثرت کے لئے محنت کرتے کرتے انسان کہاں جا پہنچتا ہے؟

جواب: کثرت کے لئے محنت کرتے کرتے انسان کو موت آجاتی ہے اور وہ قبر تک جا پہنچتا ہے۔

﴿كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾

''ہرگز نہیں! جلد ہی تم جان لوگے'' (3)

سوال 1: ﴿كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ ''ہرگز نہیں! جلد ہی تم جان لوگے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كَلَّا﴾ ''ہرگز نہیں'' سے مراد یہ ہے کہ تم جس کثرت کے حصول میں اور ایک دوسرے پر فخر جتانے میں مصروف ہو یہ درست نہیں ہے۔

(2) ﴿كَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ ''ہرگز نہیں! جلد ہی تم جان لوگے'' یعنی جلد ہی تم اس کا انجام جان لوگے۔ جب تم قبر میں جاؤ گے تو تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ تمہاری غفلت تمہارے لیے کتنا بڑا گناہ ہے۔

(3) یعنی جو تمہیں پیش آنے والا ہے، اگر تمہیں اس کا علم ہوتا تو تم ایک دوسرے سے مال، اولاد، اور مددگاروں پر تفاخر اور زیادہ مال و متاع حاصل کرنے کی فکر میں مشغول نہ ہوتے۔

﴿ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾

''پھر ہرگز نہیں! جلد ہی تم جان لوگے'' (4)

سوال 1: ﴿ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ ''پھر ہرگز نہیں! جلد ہی تم جان لوگے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ ''پھر ہرگز نہیں! جلد ہی تم جان لوگے'' یہ بات تاکید کے لئے کی گئی تاکہ انجام کی فکر لاحق ہو جائے۔ یعنی تم اگر ایسے جانتے کہ تمہارا جاننا دل کی تصدیق بن جاتا تو تمہارے اندر یقین اتر جاتا تو ایک دوسرے سے بڑھ کر مال حاصل کرنے کی دھن تمہیں غافل نہ کرتی۔

(2) یعنی دیکھو بار بار کہا جاتا ہے کہ تمہارا خیال صحیح نہیں کہ مال و اولاد وغیرہ کی بہتات ہی کام آنے والی چیز ہے۔ عنقریب تم معلوم کرلو گے کہ یہ زائل و فانی چیز ہرگز فخر و مباہات کے لائق نہ تھی۔ (تفسیر عثمانی: 921/2)

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿٣٥﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿٣٦﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿٣٧﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٣٨﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٣٩﴾﴾ ''جس دن انسان یاد کرے گا جو اس نے کوشش کی۔ اور ہر شخص کے لیے جو دیکھتا

ہے، اس پر جہنم ظاہر کردی جائے گی۔مگر جس نے سرکشی کی۔اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی۔تو یقیناً جہنم اُس کا ٹھکانہ ہوگی۔(النازعات:39،35)

﴿كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ﴾

''ہرگز نہیں! کاش تم یقینی علم جان لیتے''(5)

سوال1:﴿كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ﴾''ہرگز نہیں! کاش تم یقینی علم جان لیتے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ﴾''ہرگز نہیں! کاش تم یقینی علم جان لیتے۔''یعنی اگر تم یقین کی سطح پر علم رکھتے کہ تمہارا آخرت کے بارے میں علم تمہارے دل کی تصدیق بن جاتا تو تم نیک اعمال کی طرف سبقت کرتے۔

(2) یہ بات اس لئے کہی گئی کہ اگر تمہیں غفلت کا انجام پتہ چل جائے اگر تمہیں اس کا ایسے یقین آجائے جیسے آنکھوں دیکھی چیز کا آتا ہے تو تم کثرت کی ہوس میں اور ایک دوسرے پر فخر جتلانے میں مصروف نہ ہو۔

(3) حقیقی علم اور یقینی علم نہ ہونے نے تمہیں کہاں پہنچادیا؟ دیکھو تو سہی تم اپنے رب سے، اپنی زندگی کے مقصد سے، اپنے انجام سے کیا بیگانہ ہوئے کہ دنیا کی لذتوں میں تم ہی کہیں گم ہوگئے۔

(4) سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص سے اللہ تعالیٰ (روز قیامت) بات کرے گا اور تب اللہ تعالیٰ کے اور اس شخص کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔آدمی اپنی دائیں طرف دیکھے گا تو اس کو کچھ نظر نہیں آئے گا سوائے ان اعمال کے جو اس نے آگے بھیج دیے ہوں گے، بائیں طرف دیکھے گا تو اسے کچھ نظر نہیں آئے گا، سوائے ان اعمال کے جو اس نے آگے بھیج دیے ہوں گے اور اپنے آگے دیکھے گا، تو کچھ دکھائی نہیں دے گا سوائے آگ کے، جو اس کے منہ کے سامنے ہوگی، لہٰذا آگ سے بچو، اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر ہی سہی۔''(مسلم:2348)

سوال2: یہ بات دوبارہ کس حکمت کے تحت کی گئی کہ''ہرگز نہیں، بہت جلد تم جان لو گے''؟

جواب: یہ بات تاکید کے لئے کی گئی تاکہ انجام کی فکر لاحق ہوجائے۔

سوال3: یہ بات کیوں کی گئی کہ''کاش تم یقینی علم کے ساتھ جانتے''؟

جواب: یہ بات اس لئے کہی گئی کہ اگر تمہیں غفلت کا انجام پتہ چل جائے، اگر تمہیں اس کا ایسے یقین آجائے جیسے آنکھوں دیکھی چیز کا آتا ہے تو تم کثرت کی ہوس میں اور ایک دوسرے پر فخر جتلانے میں مصروف نہ ہو۔

﴿لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ﴾

''یقیناً تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے''(6)

سوال 1: ﴿لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ﴾ ''یقیناً تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ﴾ ''یقیناً تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے'' یعنی اپنی آنکھوں سے جہنم کی آگ اور عذاب دیکھ لو گے جسے اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے تیار کر رکھا ہے۔

(2) اس دن تمہیں جہنم کے یقین ہونے میں کوئی شبہ نہ رہ جائے گا اس دن تمہارے چھکے چھوٹ جائیں گے جب اولوالعزم پیغمبر اور فرشتے بھی دہشت کے مارے گھٹنوں پر گر جائیں گے سب کے کلیجے منہ کو آ جائیں گے۔

سوال 2: دوزخ دیکھنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: دوزخ دیکھنے سے مراد ہے کہ تم ضرور جہنم کی سزا بھگتو گے۔

﴿ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ﴾

''یقیناً پھر تم ضرور اُس کو یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے'' (7)

سوال 1: ﴿ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ﴾ ''یقیناً پھر تم ضرور اُس کو یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ﴾ ''یقیناً پھر تم ضرور اُس کو یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے'' یعنی اپنی آنکھوں سے دیکھو گے اور تمہیں یقین آ جائے گا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا﴾ ''اور مجرم آگ دیکھیں گے، چنانچہ وہ یقین کر جائیں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور وہ اس سے کوئی پھرنے کی جگہ نہ پائیں گے۔''

(الکہف: 53)

(2) انسان کو یقین اُس چیز کا حاصل ہوتا ہے جس کا وہ قریب سے مشاہدہ کرتا ہے۔ یہاں یقین کی آنکھ سے دیکھنے سے مراد قریب سے دیکھنا ہے۔

﴿ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ﴾

''پھر یقیناً اُس دن تم لازماً نعمتوں کے بارے میں پوچھے جاؤ گے'' (8)

سوال 1: ﴿ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ﴾ ''پھر یقیناً اُس دن تم لازماً نعمتوں کے بارے میں پوچھے جاؤ گے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ﴾ ''پھر یقیناً اُس دن تم لازماً نعمتوں کے بارے میں پوچھے جاؤ گے'' یعنی تم سے دنیا کی ان نعمتوں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا جن سے تم نے نفع اٹھایا کہ تم نے ان پر شکر ادا کیا یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں یہ نعمتیں استعمال تو نہیں کیں اگر تم نے نعمتوں کا حق ادا کیا ہو گا تو وہ ان سے بہت اعلیٰ و افضل نعمتیں دے گا اگر نافرمانیوں میں مددلی ہو گی تو وہ

سخت سزا دے گا۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْأَرُونَ﴾ ''اور تمہارے پاس کوئی نعمت بھی ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے پھر جب تمہیں تکلیف چھوتی ہے تو تم اسی کی طرف گڑگڑاتے ہو۔'' (النحل:53)

(3) رب العزت نے نعمتوں اور ان کے متعلق ہونے والے سوال کے بارے میں قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر فرمایا: ﴿وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا﴾ ''اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو تو انہیں شمار نہیں کر سکتے'' (النحل:18)

(4) ﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ﴾ ''اور جس دن کافروں کو آگ کے سامنے پیش کیا جائے گا تم اپنی نیکیاں اپنی دنیا کی زندگی میں لے چکے اور ان سے فائدہ اُٹھا چکے، چنانچہ آج تمہیں توہین کے عذاب کا بدلہ دیا جائے گا اس وجہ سے کہ تم ناحق زمین میں تکبر کیا کرتے تھے اور اس لیے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔'' (الاحقاف:20)

(5) ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ ''اور سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ، اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کے درمیان اُلفت ڈال دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔'' (آل عمران:103)

(6) ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾ ''اور اس چیز کے پیچھے نہ پڑو جس کا تمہیں کوئی علم نہیں یقیناً کان، آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک کے متعلق سوال ہوگا۔'' (بنی اسرائیل:36)

(7) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی ﷺ ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ بھوک کی وجہ سے گھر سے نکلے اور ایک انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر آئے۔ اس نے مہمانی میں کھجوریں اور بکری کا گوشت پیش کیا۔ آپ ﷺ نے گوشت اور کھجوریں کھائیں اور اوپر سے شیریں پانی پیا۔ خوب سیر ہو چکے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم سے قیامت کے دن اس نعمت کے بارے میں (بھی) سوال ہوگا۔ (فتح القدیر بحوالہ مسلم)

(8) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ دن یا رات کا وقت تھا کہ رسول اللہ ﷺ (گھر سے) باہر تشریف لے گئے، دیکھا کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی وہاں موجود ہیں۔ آپ نے پوچھا: ''تمہیں تمہارے گھروں سے اس وقت کس چیز نے نکالا؟'' انہوں نے جواب دیا،

اے اللہ کے رسول! بھوک نے۔آپ نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! مجھے بھی وہی چیز (گھر سے) باہر لے آئی ہے، جس نے تمہیں نکالا ہے، تو (میرے ساتھ) چلو“ وہ دونوں آپ کے ساتھ چل پڑے، آپ ایک انصاری صحابی کے گھر آئے، لیکن وہ صحابی گھر میں موجود نہیں تھا، اس کی بیوی نے جب آپ ﷺ کو دیکھا تو کہا، اھلاً وسھلاً ومرحبا (یا رسول اللہ!) رسول اللہ ﷺ نے اس عورت سے پوچھا: ”فلاں شخص (یعنی تمہارا خاوند) کہاں ہے؟“ اس نے کہا، وہ ہمارے لئے میٹھا پانی لینے گئے ہیں۔ اتنے میں وہ انصاری صحابی بھی آ گیا۔اس نے جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے دونوں ساتھیوں کو دیکھا تو کہا، الحمدللہ! آج کسی کے پاس اتنے عزت والے مہمان نہیں ہیں، جتنے میرے پاس ہیں، پھر وہ گیا اور کھجوروں کا ایک خوشہ لے کر آیا، جس میں نیم پختہ، سوکھی اور تازہ کھجوریں تھیں اور کہنے لگا، اس میں سے کھایئے۔ پھر اس نے چھری پکڑی، تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: ”دودھ والی بکری ذبح نہ کرنا۔ الغرض، اس نے آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے لیے ایک بکری ذبح کی (اور اسے پکایا) تو سب نے اس کا گوشت کھایا، کھجوریں کھائیں اور (میٹھا) پانی پیا۔ جب سب نے سیر ہو کر کھانا کھا لیا اور پانی پی لیا تو رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: ”اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ضرور بضرور تم سے قیامت والے دن ان نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا، تم بھوک کی وجہ سے اپنے گھروں سے نکلے تھے تو تمہارے واپس لوٹنے سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ نعمتیں عطا کیں۔ (مسلم، کتاب الاشربۃ)

(9) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت والے دن بندے سے جس چیز کے بارے میں سب سے پہلے سوال ہوگا وہ (اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی) نعمتیں ہوں گی، بندے سے پوچھا جائے گا کہ کیا ہم نے تجھے صحت مند و توانا جسم نہیں دیا تھا؟ اور کیا ہم نے تجھے ٹھنڈے پانی سے سیراب نہیں کیا تھا؟“ (ترمذی، کتاب التفسیر: 3358)

(10) ﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚؕ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ ”اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی، اُس کی ماں نے ناگواری کی حالت میں اُس کو پیٹ میں رکھا اور ناگواری کی حالت میں ہی اُس کو جنم دیا اور اُس کے حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس ماہ کا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری طاقت کو پہنچا اور چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا، اُس نے کہا: ”اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اُس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر انعام فرمائی اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو جائے اور میرے لیے میری اولاد کی اصلاح کر دے، بلاشبہ میں نے تیری طرف توبہ کی اور یقیناً میں مسلمانوں میں سے ہوں۔“ (الاحقاف: 15)

سوال 2: انسان سے کن کن نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا؟

جواب: انسان سے اُن ساری نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہیں مثلاً زندگی، مال، صحت، اولاد، عافیت، آنکھ، کان، دل، دماغ وغیرہ۔

ایاتہا ۳ ۱۰۳ سُورَۃُ الۡعَصۡرِ مَکِّیَّۃٌ ۱۳ رکوعہا ۱

سوال 1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنے آیات ہیں؟

جواب: یہ مکی سورت ہے۔ اس کا ایک رکوع اور آٹھ آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور نزولی اعتبار سے اس کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 16 ہے اور ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 103 ہے۔

سوال 3: اس سورت کی فضیلت کیا ہے؟

جواب: (1) عبیداللہ بن حصن کہتے ہیں جب بھی دو صحابی ملتے تو سورۃ العصر پڑھے بغیر جدا نہیں ہوتے تھے۔ ایک پڑھتا، دوسرا سنتا پھر سلام کر کے رخصت ہو جاتے (طبرانی)

(2) امام شافعی نے سچ فرمایا کہ اگر قرآن میں سے صرف یہی ایک سورت نازل کر دی جاتی تو (سمجھدار بندوں کی) ہدایت کے لئے کافی تھی۔ بزرگان سلف میں جب دو مسلمان آپس میں ملتے تھے، جدا ہونے سے پہلے ایک دوسرے کو یہ سورت سنایا کرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی: 924/2)

رکوع نمبر 28

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿وَالۡعَصۡرِ﴾

''زمانے کی قسم!'' (1)

سوال 1: ﴿وَالۡعَصۡرِ﴾ ''زمانے کی قسم!'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالۡعَصۡرِ﴾ ''زمانے کی قسم!'' زمانے سے مراد دن رات کی گردش ہے۔ (2) زمانے سے مراد وقت ہے۔

(3) زمانہ جس میں انسان کے اچھے برے عمل واقع ہوتے ہیں۔

(4) اللہ رب العزت نے زمانے کی قسم کھا کر یقین دلایا ہے کہ انسان خسارے میں ہے۔

(5)''عصر'' زمانہ کو کہتے ہیں یعنی قسم ہے زمانہ کی جس میں انسان کی عمر بھی داخل ہے جسے تحصیل کمالات وسعادات کے لئے ایک متاع گراں مایہ سمجھنا چاہیے یا قسم ہے نمازِ عصر کے وقت کی جو کاروباری دنیا میں مشغولیت اور شرعی نقطہ نظر سے نہایت فضیلت کا وقت ہے۔(حتیٰ کہ نبی ﷺ نے حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جس کی نماز عصر فوت ہوگئی گویا اس کا سب گھر بار لٹ گیا) یا قسم ہے ہمارے پیغمبر کے زمانہ مبارک کی، جس میں رسالت عظمیٰ اور خلافت کبریٰ کا نور اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ چمکا۔(تفسیر عثمانی:2/923)

سوال 2: انسان اگر اپنی عمر کی مہلت کو درست استعمال نہ کرے تو کیا نتیجہ سامنے آتا ہے؟

جواب: مہلتِ عمر کو صحیح استعمال نہ کرنے کی وجہ سے انسان ہلاک ہوجاتا ہے۔

سوال 3: کامیاب ہونے کے لئے انسان کو کیا کرنا پڑتا ہے؟

جواب: کامیاب ہونے کے لئے انسان کو خود عمل کرنا پڑتا ہے۔

سوال 4: ناکام ہونے کے لئے انسان کو کیا کرنا پڑتا ہے؟

جواب: ناکام ہونے کے لئے انسان کو کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں۔ انسان جب عمل نہیں کرتا تو ناکامی اسے خود ہی پکڑ لیتی ہے۔

﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ﴾

''بے شک ہر انسان یقینا خسارے میں ہے''(2)

سوال 1:﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ﴾''بے شک ہر انسان یقینا خسارے میں ہے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ﴾''بے شک ہر انسان یقینا خسارے میں ہے''انسان سے مراد کافر ہے اور کہا گیا کہ اس سے مراد کافروں کی جماعت ہے یعنی ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبدالمطلب لیکن حقیقت یہ ہے کہ لفظ انسان عام ہے۔(فتح القدیر:5/608,609)

(2)''خسارہ'' نقصان کو، مال کے جانے کو دیوالیہ نکل جانے کو کہتے ہیں۔

(3) خسارہ ایسے نقصان کو کہتے ہیں جسے پورا کرنا مشکل ہو۔ جس کے لئے انسان وقت، صلاحیتیں، قوتیں، مال لگائے تو وہ سب کچھ ختم ہو جائے اور کچھ بھی انسان کے ہاتھ نہ آئے تو یہ خسارہ ہے۔

(3) خَاسِر نفع اٹھانے والے کی ضد ہے۔ خسارے کے متعدد اور متفاوت مراتب ہیں۔ کبھی خسارہ مطلق ہوتا ہے، جیسے اس شخص کا حال جس نے دنیا وآخرت میں خسارہ اٹھایا، جنت سے محروم ہوا اور جہنم کا مستحق ہوا۔ کبھی خسارہ اٹھانے والا کسی ایک پہلو سے خسارے میں رہتا ہے، کسی دوسرے پہلو سے خسارے میں نہیں رہتا۔(تفسیر سعدی:3/2974)

(4) اب اگر زمانہ سے مراد گزرا ہوا زمانہ لیا جائے تو اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ گزرے ہوئے زمانہ کی پوری تاریخ اس بات پر شاہد ہے

کہ انسان انفرادی طور پر بھی اور بحیثیت مجموعی بھی ہمیشہ گھاٹے میں ہی رہا۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے اس سورۃ العصر کا مطلب ایک برف فروش سے سمجھا جو یہ صدا لگا رہا تھا۔ ''اس شخص پر رحم کرو جس کا سرمایہ دم بدم پگھل کر ضائع ہوتا جا رہا ہے'' اور امام شافعی کہتے ہیں کہ یہ سورت اپنے مضامین کے لحاظ سے اتنی جامع ہے کہ انسانی ہدایت کے لیے صرف یہی ایک سورت بھی کافی تھی۔ (تیسیر القرآن: 687/4)

(5) رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا (۱۰۳) اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (۱۰۴)﴾ ''آپ کہہ دیں کیا ہم تمہیں بتائیں جو لوگ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ خسارے والے ہیں؟ وہ لوگ جن کی محنت دنیا کی زندگی میں ہی کھو گئی اور وہ سمجھتے رہے کہ یقیناً وہ ایک اچھا کام کر رہے ہیں۔'' (الکھف: 104,103)

(6) مزید مقامات پر رب العزت نے خسارہ پانے والوں کے بارے میں فرمایا: ﴿وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا﴾ ''اور یقیناً میں ضرور انہیں گمراہ کروں گا اور یقیناً میں ضرور انہیں جھوٹی اُمیدیں دلاتا رہوں گا اور یقیناً میں ضرور انہیں حکم دوں گا سو وہ ضرور (میرے حکم سے) جانوروں کے کان چیریں گے اور یقیناً میں ان کو ضرور حکم دوں گا سو یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی صورت کو ضرور بدلیں گے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ شیطان کو دوست بناتا ہے تو بلاشبہ اس نے خسارہ اٹھایا، واضح خسارہ۔'' (النساء: 119)

(7) ﴿اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (۲۷)﴾ ''وہ جو اللہ تعالیٰ کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور وہ اُسے کاٹ دیتے ہیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اُسے ملایا جائے اور زمین میں فساد کرتے ہیں، یہی لوگ خسارہ اُٹھانے والے ہیں۔'' (البقرہ: 27)

(8) ﴿اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ ''آج تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہلِ کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا اُن کے لئے حلال ہے اور مومن پاک دامن عورتیں اور ان لوگوں میں سے پاک دامن عورتیں جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے، جب تم اُن کے مہر اُنہیں ادا کر دو، انہیں نکاح میں لانے والے ہو اعلانیہ بدکاری کرنے والے نہ ہو اور نہ چھپے دوست بنانے والے ہو اور جو شخص ایمان کے ساتھ کفر کرے گا تو یقیناً اس کا عمل ضائع ہو گیا اور وہی آخرت میں خسارہ اُٹھانے والوں میں سے ہے۔'' (المائدہ: 5)

(9) اس سے بڑھ کر خسارہ کیا ہوگا کہ برف بیچنے والے دوکاندار کی طرح اس کی تجارت کا راس المال جسے عمر عزیز کہتے ہیں، دم بدم کم ہوتا جا رہا ہے۔ اگر اس راہ داری میں کوئی ایسا کام نہ کر لیا جس سے یہ عمر رفتہ ٹھکانے لگ جائے، بلکہ ایک ابدی اور غیر فانی متاع بن کر ہمیشہ کے

لئے کارآمد بن جائے، تو پھر خسارہ کی کوئی انتہا نہیں۔ زمانہ کی تاریخ پڑھ جاؤ اور خود ہی اپنی زندگی کے واقعات پر غور کرو تو ادنیٰ غور و فکر سے ثابت ہو جائے گا کہ جن لوگوں نے انجام بینی سے کام نہ لیا اور مستقبل سے بے پروا ہو کر محض خالی لذتوں میں وقت گزار دیا وہ آخر کار کس طرح ناکام و نامراد بلکہ تباہ و برباد ہو کر رہے۔ (تفسیر عثمانی:923/2)

(10) جو اوقات تحصیل شرف و مجد اور اکتساب فضل و کمال کی گرم بازاری کے ہیں۔ خصوصاً وہ گراں مایہ اوقات جن میں آفتاب رسالت اپنی انتہائی نور افشانی سے دنیا کو روشن کر رہا ہے، اگر غفلت و نسیان میں گزا دیئے گئے، تو سمجھو کہ اس سے بڑھ کر آدمی کے لئے کوئی خسارہ نہیں ہو سکتا۔ بس خوش نصیب اور اقبال مند انسان وہی ہیں جو اس عمر فانی کو باقی اور ناکارہ زندگی کو کارآمد بنانے کے لئے جدو جہد کرتے ہیں اور بہترین اوقات اور عمدہ مواقع کو غنیمت سمجھ کر کسب سعادت اور تحصیل کمال کی کوشش میں سرگرم رہتے ہیں۔ اور یہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر آگے الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات میں کیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی:923/2)

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾

''سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیکیاں کیں اور ایک دوسرے کو حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی'' (3)

سوال 1: ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ ''سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیکیاں کیں اور ایک دوسرے کو حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے'' ایمان سے مراد اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور جو ہدایت اور دین حق رسول لے کر آئے۔ (ایسر التفاسیر:1785)

(2) جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی اور اس کی توحید کی اور اس کی وحدانیت کی اور اطاعت کا اقرار کیا۔ (قرطبی:320/30)

(3) زندگی سے تو بس وہی نفع اٹھاتے ہیں جن کے دل ایمان لاتے ہیں اور جن کے اعضاء اس ایمان کی گواہی دیتے ہیں جو ایمان لانے کے بعد سرگرم عمل رہتے ہیں۔

(4) ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ''اور جنہوں نے نیکیاں کیں'' یعنی جن کے یقین کا اثر قلب و ذہن تک محدود نہ رہے بلکہ اعضاء میں ظاہر ہو۔ جن کی عملی زندگی قلبی ایمان کا اظہار ہو۔

(5) عمل صالح سے مراد فرائض، سنت اور نوافل سبھی ہیں۔ عمل صالح میں ظاہری اور باطنی بھلائی کے تمام کام آجاتے ہیں۔ (ایسر التفاسیر:1785)

(6) جو لوگ فرائض ادا کر رہے ہیں اور جن سے رب العزت نے روکا ہے اس سے رکتے ہیں۔ (قرطبی:320/30)

(7) اعمال صالحہ کا لفظ اتنا وسیع مفہوم رکھتا ہے کہ خیر اور بھلائی کا کوئی کام اس سے باہر نہیں رہتا۔ (تیسیر القرآن:688/4)

(8) اعمال صالحہ کے لئے دو شرائط ہیں ایک تو ایمان کیونکہ اس کے بغیر نہ کوئی عمل صالح ہوتا ہے اور نہ ظاہری طور پر عمل صالح جیسا نظر آنے والا عمل قبول ہوتا ہے دوسرا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور نبی کے طریقے (سنت) کے مطابق ہو۔

(9) ﴿وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ﴾ ''اور ایک دوسرے کو حق کی وصیت کی'' تیسرے محض اپنی انفرادی صلاح وفلاح پر قناعت نہ کرے بلکہ قوم وملت کے اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھے۔ جب دو مسلمان ملیں ایک دوسرے کو اپنے قول وفعل سے سچے دین اور معاملہ میں سچائی اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہیں۔ چوتھے ہر ایک کو دوسرے کی یہ نصیحت ووصیت رہے کہ حق کے معاملہ میں اور شخصی وقومی اصلاح کے راستہ میں جس قدر سختیاں اور دشواریاں پیش آئیں یا خلاف طبع امور کا تحمل کرنا پڑے، پورے صبر واستقامت سے تحمل کریں، ہرگز قدم نیکی کے راستہ سے ڈگمگانے نہ پائے۔ (تفسیر عثمانی:924/2) (10) وہ آپس میں ایک دوسرے کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے اور حرام سے بچنے کی تاکید کرتے ہیں۔

(11) حق سے مراد ایمان اور عمل صالح ہے یعنی اہل ایمان ایک دوسرے کو ایمان اور عمل صالح کی وصیت کرتے ہیں۔

(12) تواصوبالحق سے مراد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض کی ادائیگی ہے۔

(13) ﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ ''اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی'' یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر کرنے، اس کی نافرمانی سے باز رہنے پر صبر کرنے اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر صبر کرنے کی ایک دوسرے کو تلقین کرتے ہیں۔

(14) ایک دوسرے کو اپنے قول وفعل سے سچے دین اور معاملہ میں سچائی اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہیں۔ ہر ایک کو دوسرے کی یہ نصیحت ووصیت رہے کہ حق کے معاملہ میں اور شخصی وقومی اصلاح کے راستہ میں جس قدر سختیاں اور دشواریاں پیش آئیں یا خلاف طبع امور کا تحمل کرنا پڑے، پورے صبر واستقامت سے تحمل کریں، ہرگز قدم نیکی کے راستہ سے ڈگمگانے نہ پائے۔ (تفسیر عثمانی:924/2)

(15) یعنی وہ پریشانیوں پر، لوگوں کی ایذاؤں پر صبر کرتے ہیں اور اس کی تاکید کرتے ہیں۔

(16) پہلے دو امور کے ذریعے سے بندہ مومن اپنے آپ کی تکمیل کرتا ہے اور آخری دو امور کے ذریعے سے وہ دوسروں کی تکمیل کرتا ہے۔ ان چاروں امور کی تکمیل سے بندہ خسارے سے محفوظ رہتا ہے اور بہت بڑا نفع حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ (تفسیر سعدی:2975/3)

(17) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا﴾ ''اور جو بھی نیک اعمال میں سے کوئی عمل کرے مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کھجور کی گٹھلی کے شگاف برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا'' (النساء:124)

(18) ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (١٧) اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۭ لَا يَسْتَوٗنَ (١٨) اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۡ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (١٩) وَ اَمَّا

الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴾ ''چنانچہ کوئی شخص نہیں جانتا اُن کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک میں سے کیا چھپا کر رکھا گیا اس عمل کے بدلے میں جو وہ کرتے تھے۔تو کیا جو شخص ایمان والا ہو اُس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو نافرمان ہے؟ دونوں برابر نہیں ہوتے۔رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیکیاں کیں تو اُن کے لیے جنت کی قیام گاہیں ہیں مہمان نوازی کے طور پر اس کے بدلے میں جو وہ کام کرتے تھے۔رہے وہ لوگ جن لوگوں نے نافرمانیاں کیں اُن کا ٹھکانہ آگ ہے، جب کبھی وہ ارادہ کریں گے کہ اُس سے نکلیں تو اُس میں لوٹا دیے جائیں گے اور اُن سے کہا جائے گا کہ اب آگ کا عذاب چکھو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔'' (السجدہ:20:17)

سوال3: ایمان کے ساتھ عملِ صالح کی شرط کیوں ہے؟

جواب: ایمان کے ساتھ عملِ صالح کی شرط اس لیے ہے کہ عملِ صالح کے بغیر ایمان کا دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا۔

سوال4: عملِ صالح ایمان کے بغیر قابلِ قبول کیوں نہیں ہے؟

جواب: کوئی عمل تبھی صالح ہو سکتا ہے جب خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی رضا ایمان کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتی۔

سوال5: ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب:1۔اس سے مراد ایک دوسرے کو اللہ تعالیٰ کی شریعت کی پابندی کی تلقین کرنا ہے۔2۔اس سے مراد حرام چیزوں اور نافرمانی سے بچنے کی تلقین کرنا ہے۔

سوال6: ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس سے مراد شریعت پر عمل کرنے کے لئے صبر کی تلقین کرنا ہے۔

(2) اس سے مراد نافرمانیوں سے اجتناب پر صبر کی تلقین کرنا ہے۔(3) اس سے مراد لذتوں اور خواہشات کی قربانی پر صبر کی تلقین کرنا ہے۔

سوال7: صبر کی وصیت بھی حق کی وصیت میں ہی آتی ہے۔پھر اس کا الگ سے ذکر کیوں کیا گیا؟

جواب: الگ سے ذکر حق کے کاموں میں اس کی فضیلت کے اعتبار سے ہے کہ یہ ایسا کام ہے جس کی وجہ سے لوگ حق پر قائم رہتے ہیں۔حق کی طرف بلانا بھی بڑے درجے کا کام ہے لیکن کسی کو ثابت قدم رکھنے کے لئے کوششیں کرنا اعلیٰ درجے کا کام ہے۔

رکوعھا ۱ | ۱۰۴ سُوْرَۃُ الْھُمَزَۃِ مَكِّيَّةٌ ۳۲ | ایاتھا ۹

سوال1: یہ سورۃ کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ مکّی سورت ہے۔اس کا ایک رکوع اور 9 آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 104 ہے۔ اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے یہ 32ویں سورت ہے۔

رکوع نمبر 29

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿وَیْلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃٍ﴾

''بڑی ہلاکت ہے ہر بہت طعنہ دینے والے، بہت عیب لگانے والے کے لئے'' (1)

سوال 1: ﴿وَیْلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃٍ﴾ ''بڑی ہلاکت ہے ہر بہت طعنہ دینے والے، بہت عیب لگانے والے کے لئے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَیْلٌ﴾ ''بڑی ہلاکت ہے'' یعنی وعید ہے سخت عذاب ہے، وبال ہے، ہلاکت ہے، بربادی ہے۔

(2) ﴿لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃٍ﴾ ''ہر بہت طعنہ دینے والے، بہت عیب لگانے والے کے لئے'' ھمز زبان سے کسی کی عیب جوئی کرنا اور لمز اعضاء کے اشاروں سے برائی کرنا ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 2/2249)

(3) ﴿ھُمَزَۃٍ﴾ ھَمَزَ بمعنی کسی شخص کی حرکت، کام یا بات پر طعن و تشنیع کرنا خواہ کام طعن و تشنیع کے قابل ہو یا نہ ہو نیز یہ طعن و تشنیع زبان سے کی جائے یا آنکھوں کے اشارے سے ہی کام چلا لیا جائے اور لمز بمعنی کسی کے عیب تلاش کرتے رہنا اور اس ٹوہ میں رہنا کہ اس کا کمزور پہلو ہاتھ میں آجائے۔ عیب جوئی یا عیب چینی کرنا پھر دوسرے سے ایسی باتوں کی غیبت کرنا۔ اس آیت میں دراصل ان معززین قریش کو متنبہ کیا جا رہا ہے جو ہر وقت مسلمانوں اور پیغمبر اسلام کا مذاق اڑاتے، ایک دوسرے کو آنکھیں مارتے جو غلطیاں ان کی نظر میں معلوم ہوتیں ان پر طعن و تشنیع کرتے اور جو باتیں معلوم نہ ہوتیں ان کی ٹوہ میں لگے رہتے انہیں بتایا گیا ہے کہ تمہاری ایسی حرکتوں کا انجام تمہاری اپنی تباہی اور ہلاکت ہے۔ (تیسیر القرآن: 4/689)

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ (10) هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ (11)﴾ ''اور کسی ایسے شخص کا کہنا مت ماننا جو بہت قسمیں کھانے والا، ذلیل ہے۔ بہت طعنے دینے والا، چغلی میں بہت دوڑ دھوپ کرنے والا ہے۔'' (القلم: 11،10)

(5) ان اخلاقی برائیوں کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا

اللہَ ؕ اِنَّ اللہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بہت گمان کرنے سے بچو، بلاشبہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور جاسوسی نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ سو تم اُس کو ناپسند کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو یقیناً اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔'' (الحجرات:12)

(6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (غیبت یہ ہے کہ) تو اپنے بھائی کے اس عیب کو ذکر کرے کہ جس کے ذکر کو وہ ناپسند کرتا ہو۔ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ ﷺ کا کیا خیال ہے کہ اگر واقعی وہ عیب میرے بھائی میں ہو جو میں کہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ عیب اُس میں ہے جو تم کہتے ہو تبھی تو وہ غیبت ہے اور اگر اُس میں وہ عیب نہ ہو پھر تو تم نے اُس پر بہتان لگایا ہے۔ (مسلم:6593)

(7) یعنی اللہ کے بندوں میں بدترین وہ لوگ ہیں جو چغل خوری کرتے ہیں اور دوستوں کے درمیان فساد ڈلواتے ہیں اور بے گناہ لوگوں کے عیب تلاش کرتے رہتے ہیں۔ (معارف القرآن:815/8)

﴿الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ﴾

''وہ جس نے مال جمع کیا اور اُسے گن گن کر رکھا'' (2)

سوال 1: ﴿الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ﴾ ''وہ جس نے مال جمع کیا اور اُسے گن گن کر رکھا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ﴾ ''وہ جس نے مال جمع کیا اور اُسے گن گن کر رکھا'' یعنی جس نے مال جمع کیا گن گن کر رکھا اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہ کیا اس مال میں سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہیں کیا بلکہ جمع کر کے اسے یاد رکھا۔ (قرطبی:323/30)

(2) اس میں مال کی محبت وشغف کی ندامت ہے۔ جس کے آثار میں سے بار بار گن گن کر رکھنا ہے۔ (تفسیر کمالین جلالین:368/7)

(3) یعنی پیسہ پیسہ جوڑتا رہا کہ اب اتنی رقم ہوگئی فرمایا: ﴿وَجَمَعَ فَاَوْعٰی﴾ ''اور مال جمع کیا پھر اسے بند رکھا'' (معارج:18) دن بھر کمانے کے لئے بھاگ دوڑ کی، حلال وحرام کی تمیز نہ کی۔

(4) چغل خور کی صفت یہ ہے کہ مال جمع کرنے اس کو گننے اور اس پر خوش ہونے کے سوا اس کا مال اسے دنیا میں ہمیشہ زندہ رکھے گا، اسی لیے اسی کی تمام کدوکاوش اپنا مال بڑھانے میں صرف ہوتی ہے جس کے بارے میں وہ سمجھتا ہے کہ یہ اس کی عمر کو بڑھاتا ہے۔ مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ بخل اعمال کو ختم اور شہروں کو برباد کر دیتا ہے اور نیکی عمر میں اضافہ کرتی ہے۔ (تفسیر سعدی:2976/3)

(5) مال کی اطاعت کے راستے سے روک رکھنے کی مذمت ہے رب العزت نے فرمایا: ﴿مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ مُّرِیْبٍ﴾ ''خیر سے بہت روکنے والے، حد سے گزرنے والے، شک کرنے والے کو'' (ق:25)

﴿یَحۡسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخۡلَدَهٗ﴾

''وہ سمجھتا ہے یقیناً اُس کا مال ہمیشہ اُس کو زندہ رکھے گا'' (3)

سوال1:﴿یَحۡسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخۡلَدَهٗ﴾ ''وہ سمجھتا ہے یقیناً اُس کا مال ہمیشہ اُس کو زندہ رکھے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿یَحۡسَبُ﴾ ''وہ سمجھتا ہے'' یعنی وہ اپنی نادانی، کم فہمی اور جہالت کی وجہ سے یہ سمجھتا ہے۔

(2)﴿اَنَّ مَالَهٗۤ اَخۡلَدَهٗ﴾ ''یقیناً اُس کا مال ہمیشہ اُس کو زندہ رکھے گا'' کہ اس کا مال اسے دنیا میں ہمیشہ زندہ رکھے گا، اسی لیے اسی کی تمام کدوکاوش اپنا مال بڑھانے میں صرف ہوتی ہے جس کے بارے میں وہ سمجھتا ہے کہ یہ اس کی عمر کو بڑھاتا ہے۔ مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ بخل اعمال کو ختم اور شہریوں کو برباد کر دیتا ہے اور نیکی عمر میں اضافہ کرتی ہے۔ (تفسیر سعدی:3/2976)

(3) یعنی مال کی وجہ سے وہ یہ سمجھتا ہے کہ اسے ابدی زندگی مل گئی۔ (4) مال کی وجہ سے وہ دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے اور بخل کرتا ہے۔

﴿كَلَّا لَيُنۢبَذَنَّ فِي الۡحُطَمَةِ﴾

''ہرگز نہیں! وہ توڑ پھوڑ کر رکھ دینے والی میں ضرور پھینک دیا جائے گا'' (4)

سوال1:﴿كَلَّا لَيُنۢبَذَنَّ فِي الۡحُطَمَةِ﴾ ''ہرگز نہیں! وہ توڑ پھوڑ کر رکھ دینے والی میں ضرور پھینک دیا جائے گا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿كَلَّا﴾ ''ہرگز نہیں!'' یعنی جو وہ سمجھ رہا ہے وہ حقیقت نہیں ہے اس کا مال اسے ابدی زندگی نہیں دے گا اور یہ مال ہمیشہ اس کے پاس نہیں رہے۔

(2)﴿لَيُنۢبَذَنَّ﴾ ''ضرور پھینک دیا جائے گا'' یعنی وہ جس مال کی وجہ سے عزت والا بنتا تھا اس کی وجہ دیکھو کہ کس انجام کو پہنچے گا وہ ضرور پھینک دیا جائے گا۔

(3)﴿فِي الۡحُطَمَةِ﴾ ''وہ توڑ پھوڑ کر رکھ دینے والی میں حُطَمَةِ جہنم کا ایک خوفناک طبقہ ہے جو اپنے اندر آنے والوں کو مٹی کر دیتا ہے۔

(4) اصل میں لفظ حُطَمَ استعمال کیا گیا ہے جو حطم سے ہے۔ حطم کے معنی توڑنے، کچل دینے اور ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنے کے ہیں۔ جہنم کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ جو چیز بھی اس میں پھینکی جائے گی اسے وہ اپنی گہرائی اور اپنی آگ کی وجہ سے توڑ کر رکھ دے گی۔ اصل میں لَيُنۢبَذَنَّ فرمایا گیا ہے نبذ عربی زبان میں کسی چیز کو بے وقعت اور حقیر سمجھ کر پھینک دینے کے لیے بولا جاتا ہے اس سے خود بخود یہ اشارہ نکلتا ہے کہ اپنی مال داری کی وجہ سے وہ دنیا میں اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتا ہے۔ لیکن قیامت کے روز اسے حقارت کے ساتھ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (تفہیم القرآن:6/459)

﴿وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْحُطَمَةُ﴾

''اور کس چیز نے تمہیں خبر دی کہ حطمہ کیا ہے؟'' (5)

سوال 1: ﴿وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْحُطَمَةُ﴾ ''اور کس چیز نے تمہیں خبر دی کہ حطمہ کیا ہے؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْحُطَمَةُ﴾ ''اور کس چیز نے تمہیں خبر دی کہ حطمہ کیا ہے؟'' یعنی اے محمد آپ کو حطمہ کی حقیقت معلوم نہیں ہے جب تک کہ اللہ تعالیٰ نہ بتائے۔

(2) ''تم کیا جانو'' کہہ کر یہ شعور دلایا گیا ہے کہ وہ آگ ایسی ہولناک ہے تمہاری عقلیں اس کا اِدراک نہیں کر سکتیں، اُس کو نہیں سمجھ سکتیں۔

(3) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے جہنم کو دیکھا کہ اس کے اپنے حصے ایک دوسرے کو توڑ رہے تھے۔ (بخاری:1212)

﴿نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ﴾

''اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے'' (6)

سوال 1: ﴿نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ﴾ ''اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿نَارُ اللّٰهِ﴾ ''اللہ تعالیٰ کی آگ ہے'' یہ واحد مقام ہے جہاں دوزخ کی آگ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی سلگائی ہوئی آگ ہے۔ (2) ﴿الْمُوْقَدَةُ﴾ ''بھڑکائی ہوئی'' جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔

(3) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن دوزخ کو لایا جائے گا، اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی، ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے، جو اسے کھینچ رہے ہوں گے۔ (مسلم:7164)

(4) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اہلِ دوزخ میں سے اس شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ آسودہ تر اور خوشحال تھا، پس دوزخ میں ایک بار غوطہ دیا جائے گا، پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ اے آدم کے بیٹے! کیا تو نے دنیا میں کبھی آرام دیکھا تھا؟ کیا تجھ پر کبھی چین بھی گزرا تھا؟ وہ کہے گا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! اے میرے رب! کبھی نہیں اور اہل جنت میں سے ایک ایسا شخص لایا جائے گا جو دنیا میں سب لوگوں سے سخت تر تکلیف میں رہا تھا، جنت میں ایک بار غوطہ دیا جائے گا، پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ اے آدم کے بیٹے! تو نے کبھی تکلیف بھی دیکھی ہے؟ کیا تجھ پر شدت اور رنج بھی گزرا تھا؟ وہ کہے گا کہ اللہ کی قسم! مجھ پر تو کبھی تکلیف نہیں گزری اور میں نے تو کبھی شدت اور سختی نہیں دیکھی۔ (مسلم:7088)

﴿الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ﴾

''وہ جو دِلوں تک جھانکتی ہے'' (7)

سوال1: ﴿الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـِٕدَةِ﴾ ''وہ جو دِلوں تک جھانکتی ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿الَّتِیْ﴾ ''وہ جو'' وہ آگ اپنی شدّت کی وجہ سے۔

(2) ﴿تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـِٕدَةِ﴾ ''دِلوں تک جھانکتی ہے'' جسموں سے آگے بڑھ کر دلوں تک جا پہنچے گی یعنی وہ دل جس میں برے خیالات، برے ارادے، برے اخلاق پروان چڑھتے تھے آگ اس مقام تک جا پہنچے گی۔ وہ دلوں کو پھونک دے گی۔

(3) یعنی یاد رہے یہ آگ بندوں کی نہیں، اللہ تعالیٰ کی سلگائی ہوئی ہے۔ اس کی کیفیت کچھ نہ پوچھو، بڑی سمجھدار ہے۔ دلوں کو جھانک لیتی ہے۔ جس دل میں ایمان ہو نہ جلائے، جس میں کفر ہو جلا ڈالے۔ اس کی سوزش بدن کو لگتے ہی فوراً دلوں تک نفوذ کر جائے گی۔ (تفسیر عثمانی:926/2)

(4) فواد کی جمع ہے جو فاد سے مشتق ہے اور فادالحم بمعنی گوشت کو بھونا اور لحم فعید یعنی بھونا ہوا گوشت، ابن فارس کے نزدیک یہ لفظ گرمی اور شدید حرارت پر دلالت کرتا ہے۔ اور فواد سے مراد دل کا وہ حصہ ہے جو انسان کے جذبات، جذبات کی شدت اور تاثیر سے تعلق رکھتا ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی آگ دل کے اس حصے پر پہنچے گی جو جذبات کا مرکز ہے۔ جس میں زر پرستی کا جذبہ ہے اور جو دوسرے لوگوں کو حقیر اور ذلیل سمجھنے اور اپنے آپ کو بہت بڑی چیز سمجھنے کے جذبات سے معمور ہے۔ یہ آگ اس کے جذبات کو اور دل کے اس حصے کو بھون کر رکھ دے گی۔ (تیسیر القرآن:690/4)

سوال2: آگ کے دلوں پر چڑھ جانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: آگ کے دلوں پر چڑھ جانے سے یہ مراد ہے کہ آگ برائی کے مرکز کو پہچان لے گی جہاں سے برائیاں اُبھرتی تھیں۔

سوال3: اللہ تعالیٰ کی آگ کیسی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی آگ خوب بھڑکائی ہوئی ہے۔

﴿اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ﴾

''یقیناً وہ اُن پر بند کر دی جائے گی'' (8)

سوال1: ﴿اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ﴾ ''یقیناً وہ اُن پر بند کر دی جائے گی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ﴾ ''یقیناً وہ اُن پر بند کر دی جائے گی'' یعنی وہ آگ ان پر (ہر طرف سے) بند کر دی جائے گی۔ (تفسیر سعدی:2976/3)

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ (19) عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ (20)﴾ ''اور جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کیا وہی بائیں بازو والے ہیں۔ اُن پر بند کی ہوئی آگ ہوگی۔'' (البلد:19,20)

سوال 2: آگ ان پر بند کر دی جائے گی۔ اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ جہنم کے دروازے اور راستے بند کر دیئے جائیں گے تاکہ کوئی باہر نہ نکل پائے۔

﴿فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ﴾

''اونچے اونچے ستونوں میں'' (9)

سوال 1: ﴿فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ﴾ ''اونچے اونچے ستونوں میں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ﴾ ''اونچے اونچے ستونوں میں'' لوہے یا آگ کے ستون یا آگ کے دروازے یا آگ لمبے لمبے ستونوں کی طرح ہوگی جس میں وہ بند کیے جائیں گے۔ (2) آگ کے لمبے لمبے ستونوں میں انہیں جکڑ کر اوپر سے منہ بند کر دیا جائے گا۔

(3) آگ کے دروازے بند کر کے بدترین عذابوں کا شکار کرنے کے لئے انہیں بند کر دیا جائے گا۔

(4) عَمَد سے مراد ستون ہیں جن میں انہیں عذاب دیا جائے گا۔ (5) کچھ لوگوں کے خیال میں عَمَد سے مراد طوق اور بیڑیاں ہیں۔ (فتح القدیر)

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ﴾ ''رہے وہ لوگ جن لوگوں نے نافرمانیاں کیں اُن کا ٹھکانہ آگ ہے، جب کبھی وہ ارادہ کریں گے کہ اُس سے نکلیں تو اُس میں لوٹا دیے جائیں گے اور اُن سے کہا جائے گا کہ اب آگ کا عذاب چکھو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔'' (السجدہ:20)

(5) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ کسی چیز کے گرنے کی آواز آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم جانتے ہو یہ آواز کیسی ہے؟'' ہم نے کہا، اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''یہ ایک پتھر ہے۔ جو ستر (70) سال پہلے دوزخ میں پھینکا گیا تھا، وہ دوزخ میں گرتا رہا، یہاں تک کہ اب اس وقت وہ اس کی تہ میں پہنچا ہے۔ (مسلم:7167)

(6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہاری یہ (دنیا کی) آگ جہنم کی آگ کے مقابلے میں (اپنی گرمی اور ہلاکت خیزی میں) سترواں حصہ ہے۔ کسی نے کہا، یا رسول اللہ! (جلانے کے لیے تو) یہ ہماری دنیا کی آگ ہی کافی تھی۔ فرمایا: ہاں، لیکن آتش دوزخ تو اس سے انہتر حصے تیز ہے اور اس کا ہر حصہ اس دنیا کی آگ کے برابر گرم ہے۔ (بخاری:3265)

ایاتها ۵ | ۱۰۵ سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ ۱۹ | رکوعها ۱

سوال 1: یہ سورۃ کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب یہ مکّی سورت ہے۔اس کا ایک رکوع اور پانچ آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 105 ہے۔اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے یہ 19ویں سورت ہے۔

رکوع نمبر 30

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

﴿اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِيۡلِ﴾

''کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟'' (1)

سوال 1: ﴿اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِيۡلِ﴾ ''کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَلَمۡ تَرَ﴾ ''کیا آپ نے دیکھا نہیں'' کے معنی ہیں کیا تم نہیں جانتے۔یعنی سب لوگ تو جانتے ہیں جو تمہارے دور کے ہیں کیونکہ یہ واقعہ زیادہ عرصہ پہلے کا نہیں تھا۔اسی سال کا واقعہ تھا جب نبی ﷺ پیدا ہوئے۔

(2) ﴿كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِيۡلِ﴾ ''کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟'' یعنی کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کی عظمت شان اپنے بندوں پر اس کی رحمت، اس کی توحید کے دلائل اور اس کے رسول محمد ﷺ کی صداقت کو نہیں دیکھا، کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ (تفسیر سعدی: 2977/3)

(3) حبشہ کے بادشاہ کی طرف سے ایک گورنر مقرر تھا جس کا نام اَبرہہ تھا۔اُس نے صنعاء میں ایک بہت بڑا گرجا تعمیر کیا تاکہ لوگ بیت اللہ جانے کی بجائے عبادت کرنے کے لئے یہاں آئیں۔یہ بات عربوں خصوصاً اہلِ مکہ کے لیے سخت تکلیف دہ تھی۔ان میں سے کسی شخص نے اَبرہہ کے گرجے میں غلاظت پھینک دی۔اس کی اطلاع اَبرہہ کو دی گئی کہ گرجا ناپاک کر دیا گیا ہے۔اس پر اُس نے بیت اللہ کو ڈھانے کا عزم کر لیا۔وہ ایک بڑا لشکر لے کر مکہ پر حملہ آور ہوا جس میں کچھ ہاتھی بھی تھے۔مکہ کے قریب اَبرہہ کے لشکر نے نبی ﷺ کے دادا کے اونٹ پکڑ لئے تو انہوں نے کہا: میرے اونٹ واپس کر دے جو تیرے لشکر والوں نے پکڑے ہیں۔باقی خانہ کعبہ تو اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔وہی اس کا محافظ ہے۔وہ تو تم جانو اور اللہ تعالیٰ جانے۔جب یہ لشکر وادی محسر کے پاس پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے جن کی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں تھیں جو مٹر کے دانے کے برابر تھیں۔جس کو بھی یہ کنکری لگتی اس کا گوشت جھڑ جاتا اور وہ

مرجاتا۔خودابرہہ کا بھی صنعاء پہنچتے پہنچتے یہی حال ہوگیا۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی حفاظت فرمائی۔

(4) یعنی ہاتھی والوں کے ساتھ تیرے رب نے جو معاملہ کیا وہ تم کو ضرور معلوم ہوگا۔کیونکہ یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت سے چندروز پیشتر ہوا تھا اور غایت شہرت سے بچہ بچہ کی زبان پر تھا۔اسی قرب عہد اور تواتر کی بناء پر اس کے علم کو رؤیت سے تعبیر فرمادیا۔ (تفسیر عثمانی:927,928/2)

﴿اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِىْ تَضْلِيْلٍ﴾

''کیا اس نے اُن کی خفیہ تدبیر کو بے کار نہیں کر دیا؟'' (2)

سوال1:﴿اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِىْ تَضْلِيْلٍ﴾''کیا اس نے اُن کی خفیہ تدبیر کو بے کار نہیں کر دیا''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِىْ تَضْلِيْلٍ﴾''کیا اس نے اُن کی خفیہ تدبیر کو بے کار نہیں کر دیا؟''ابرہہ کے کیا مقاصد تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ناکام کردیا۔

(2) اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور انتقام کا شعور دلایا ہے کہ انسانی تدبیریں کچھ نہیں کرسکتیں جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے۔اللہ تعالیٰ ساری تدبیروں کو اکارت کرسکتا ہے۔ کید بمعنی چال یا خفیہ تدبیر۔یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ تو علی الاعلان دن دہاڑے کعبہ پر حملہ کرنے آیا تھا اور برملا کہتا تھا کہ میں کعبہ پر حملہ کرنے آیا ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عربوں نے ہمارے کلیسا کی توہین کی ہے تو اس میں اس کی چال یا خفیہ تدبیر کیا تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی خفیہ تدبیر یہ تھی کہ کعبہ کی تخریب کے بعد اہل عرب کی توجہ اپنے کلیسا کی طرف مبذول کرے۔اور اس سے اس کا مقصد مذہبی فوائد کا حصول نہیں تھا بلکہ وہ تمام تر تجارتی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی فوائد حاصل کرنا چاہتا تھا جو کعبہ کی وجہ سے قریش مکہ کو حاصل تھے۔(تفسیر تیسیر القرآن:692/4)

﴿وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ﴾

''اور اُن پر غول کے غول پرندے بھیج دیے'' (3)

سوال1:﴿وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ﴾''اور اُن پر غول کے غول پرندے بھیج دیے۔''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ﴾''اور اُن پر غول کے غول پرندے بھیج دیے۔''اللہ تعالیٰ نے یمن اور حبشہ سے آنے والی فوج پر پرندوں کے غول بھیج دیے جس کا مقابلہ کرنا مکہ والوں کے بس میں نہ تھا۔

(2) عکرمہ اور قتادہ کہتے ہیں کہ یہ جھنڈ کے جھنڈ پرندے بحر احمر کی طرف سے آئے تھے۔

(3) سعید بن جبیر اور عکرمہ کہتے ہیں کہ اس طرح کے پرندے نہ پہلے کبھی دیکھے تھے نہ بعد میں دیکھے گئے۔عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ

سبز رنگ کے پرندے تھے جو سمندر سے نکلے تھے ان کے سر درندوں جیسے تھے۔ اور اقوال بھی ہیں: (i) عکرمہ رضی اللہ عنہ اور قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ واقعی پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بحر احمر کی طرف سے آئے تھے۔ (ii) سیدنا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس طرح کے پرندے نہ کبھی پہلے دیکھے گئے اور نہ بعد میں دیکھے گئے۔ یہ نہ نجد کے تھے نہ حجاز اور تہامہ کے۔ (iii) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کی چونچیں پرندوں جیسی اور پنجے کتے جیسے تھے۔ (iv) بقول عکرمہ ان کے سر شکاری پرندوں کے سر جیسے۔ غرض ان عجیب وغریب پرندوں کی چھوڑی ہوئی کنکریاں ان کے لگتی تھیں اور کوئی سمی مادہ ایسا چھوڑتی تھیں جس سے کچھ تو وہیں ڈھیر ہو گئے اور کچھ ان کے اثر سے چیچک اور کھجلی میں مبتلا ہو کر ختم ہو گئے اور کچھ افراد کا بچ کر نکل بھاگنا بھی اگر ثابت ہو جائے۔ تب بھی اکثریت کے لحاظ سے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور ہر چند کہ واقعہ عجیب وغریب اور بظاہر مستعبد ہے۔ لیکن بیت اللہ کی حرمت کے علاوہ اگر نبی ﷺ کی آمد کا لحاظ بھی کیا جائے تو اس خرق عادت واقعہ کو ارہاص کہا جائے گا۔ چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی ولادت شریفہ کے دن ہی یہ واقعہ پیش آیا ہے اور پچاس دن کا فصل بھی کچھ فصل نہیں۔ کیونکہ آثار نبوت اور برکات رسالت تو آخر شروع ہو ہی چکے تھے۔ کعبہ اور خدام کعبہ کی حفاظت منجانب اللہ ہوئی۔ اس لیے ان آیات میں دُور از کار تاویلات قطعاً غیر موزوں ہیں۔ (تفسیر کمالین جلالین: 374/7)

﴿تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ﴾

''جواُن پر پتھریلی مٹی کی کنکریاں پھینک رہے تھے'' (4)

سوال 1: ﴿تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ﴾ ''جواُن پر پتھریلی مٹی کی کنکریاں پھینک رہے تھے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ﴾ ''جواُن پر پتھریلی مٹی کی کنکریاں پھینک رہے تھے۔'' ﴿سِجِّيلٍ﴾ مٹی کو آگ میں پکا کر اس سے بنائے ہوئے کنکر کو کہتے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ کنکر جو خود کوئی طاقت نہیں رکھتے تھے جو معمولی گارے اور آگ سے بنے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان سے گولیوں سے زیادہ بڑا کام لیا۔ (2) اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ پرندے کنکر گرا رہے تھے بلکہ یہ فرمایا نشانہ بنا کر پھینک رہے تھے۔

(3) تیر اندازی کے لئے بھی ﴿رَمِي﴾ کا لفظ استعمال ہوتا ہے گویا وہ پرندے اللہ تعالیٰ کے لشکر تھے جو باقاعدہ حملہ آور ہوئے۔

(4) ان پرندوں میں سے ہر ایک کی چونچ میں ایک کنکر تھا انہوں نے کنکروں کی بارش کر دی جس کے بعد لشکر کے کثیر افراد وہیں مر گئے اور جو باقی رہ گئے وہ راستے میں مر گئے خود ابرہہ بھی راستے میں مر گیا تھا یہ واقعہ نبی کی ولادت سے 50 دن پہلے پیش آیا تھا۔

﴿فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ﴾

''تو اس نے اُن کو کھائے ہوئے بھُوسے جیسا کر دیا'' (5)

سوال1:﴿فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُوْلٍ﴾ ''تو اس نے اُن کو کھائے ہوئے بُھوسے جیسا کردیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُوْلٍ﴾ ''تو اس نے اُن کو کھائے ہوئے بُھوسے جیسا کردیا'' یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں خاک میں ملادیا۔(2)﴿عَصْفٍ﴾ چارے کٹی ہوئی کھیتی کو کہتے ہیں۔اور﴿مَّأْكُوْلٍ﴾ سے مراد ٹکڑے ٹکرے کیا ہوا ہے۔

(3)سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عصف کہتے ہیں بھوسی کو جو اناج کے دانوں کے اوپر ہوتی ہے ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مراد کھیتیوں کے وہ پتے ہیں جنہیں جانور چر چکے ہوں' مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ان کو تہس نہس کردیا اور عام وخاص کو ہلاک کردیا ان کی ساری تدبیریں الٹ ہوگئیں کوئی بھلائی انہیں نصیب نہ ہوئی۔سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ابرہہ کے لشکر کے فیل بان اور چرکٹے کو میں نے مکہ شریف میں دیکھا دونوں اندھے ہوگئے تھے چل پھر نہیں سکتے تھے اور بھیک مانگا کرتے تھے۔سیدنا اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں اساف اور نائلہ بتوں کے پاس یہ بیٹھے رہتے تھے جہاں مشرکین اپنی قربانیاں کرتے تھے اور لوگوں سے بھیک مانگتے پھرتے تھے۔(تفسیر ابن کثیر:592,593)

(4)یہ پرندے باقاعدہ ان لشکریوں کے سروں پر پرے باندھ کر کھڑے ہوگئے اور پھر چیخنے لگے پھر پتھر کیا جس کے سر میں لگا اس کے نیچے سے نکل گیا اور دو ٹکڑے ہوکر زمین پر گرا جس کے جس عضو پر گرا وہ عضو ساقط ہوگیا۔ساتھ ہی تیز آندھی آئی جس سے اور آس پاس کے کنکر بھی ان کی آنکھوں میں گھس گئے اور سب تہہ و بالا ہوگئے۔(تفسیر ابن کثیر:594,595)

(5)اللہ تعالیٰ ان کے شر کے لیے کافی ہوگیا اور اس نے ان کی چال کو انہی پر لوٹا دیا۔ان کا یہ واقعہ بہت مشہور اور معروف ہے۔یہ واقعہ اس سال پیش آیا جس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔پس یہ واقعہ آپ کی دعوت کی بنیاد اور آپ کی رسالت کی دلیل بن گیا۔پس اللہ تعالیٰ ہی کی حمد وثنا اور اسی کا شکر ہے۔(تفسیر سعدی:2977/3)

ایاتها ۴ ﴿۱۰۶ سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَّكِّيَّةٌ ۲۹﴾ رکوعها ۱

سوال1:یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب:یہ مکی سورت ہے اس کا ایک رکوع اور 14 آیات ہیں۔

سوال2:مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب:مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر 106 اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے یہ 29 ویں سورت ہے۔

رکوع نمبر 31

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ﴾

''قریش کے دل میں محبت ڈالنے کی وجہ سے''(1)

سوال 1:﴿لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ﴾ ''قریش کے دل میں محبت ڈالنے کی وجہ سے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿لِاِیْلٰفِ﴾ ''محبت ڈالنے کی وجہ سے۔'' ﴿اِیْلَاف﴾ کے معنی ہیں مانوس ہونا، عادی ہونا۔ یعنی کسی کام سے نفرت اور تکلیف کا دور ہو جانا۔(2)﴿لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ﴾ قریش پر میرا جو انعام ہے۔(تفسیر جامع البیان:337/30)

(3) مجاہد نے کہا ایلاف قریش کا مطلب یہ ہے کہ قریش کے لوگوں کا دل سفر میں لگا دیا تھا' گرمی جاڑے کسی بھی موسم میں ان پر سفر کرنا دشوار نہ تھا اور ان کو حرم میں جگہ دے کر دشمنوں سے بے فکر کر دیا تھا۔ سفیان بن عیینہ نے کہا کہ لایلاف قریش کا معنی یہ ہے قریش پر میرے احسان کی وجہ سے۔''(صحیح بخاری:تفسیر سورہ قریش)

(4) سیدنا ام ہانی رضی اللہ عنہا بنت ابی طالب فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے قریش کو سات ایسے امتیازات بخشے کہ نہ ان سے پہلے کسی کو عطاء ہوئے اور نہ ان کے بعد کسی کو عطاء ہوں گے (وہ امتیازات یہ ہیں کہ) امر خلافت ان میں رہے گا، خانہ کعبہ کی دربانی کی سعادت ان کو حاصل رہے گی، حجاج کو پانی پلانے کی خدمت ان کے سپرد رہے گی۔ نبوت بھی ان میں رہی اور اصحاب فیل کے خلاف ان کی نصرت کی گئی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی سات سال تک ایسی عبادت اور بندگی کی کہ ان کے سوا اور کوئی نہ کر سکا اور ان ہی کی شان میں یہ سورت بھی نازل ہوئی کہ اس میں ان کے سوا اور کسی کا تذکرہ نہیں ہے۔(آیات قرآنی کے شان نزول:465)

(5) یعنی ہم نے اصحاب فیل کے ساتھ جو کچھ کیا وہ قریش، ان کے لئے امن، ان کے مصالح کی درستی، تجارت اور کسب معاش کے لئے سردیوں میں یمن کی طرف اور گرمیوں میں شام کی طرف ان کے سفر کی خاطر کیا پس اللہ تعالیٰ نے ان تمام لوگوں کو ہلاک کر دیا جنہوں نے ان کے بارے میں کسی برائی کا ارادہ کیا۔ عربوں کے دلوں میں حرام اور اہل حرام کے معاملے کو تعظیم بخشی یہاں تک کہ عرب قریش کا احترام کرنے لگے۔ قریش جہاں بھی سفر کا ارادہ کرتے تو عرب مقروض نہ ہوتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں شکر ادا کرنے کا حکم دیا۔(تفسیر سعدی 2977/3)

(6) رب العزت نے فرمایا:﴿اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَكْفُرُوْنَ﴾ ''اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ یقیناً ہم نے حرم کو پُر امن بنایا ہے؟ حالانکہ لوگ اُن کے اردگرد سے اُچک لیے جاتے ہیں تو کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں؟''(العنکبوت:67)

﴿اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ﴾

''اُن کے دل میں سردی اور گرمی کے سفر کی محبت ڈالنے کی وجہ سے''(2)

سوال1:﴿اٖلٰفِهِمۡ رِحۡلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيۡفِ﴾ ''اُن کے دل میں سردی اور گرمی کے سفر کی محبت ڈالنے کی وجہ سے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اٖلٰفِهِمۡ رِحۡلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيۡفِ﴾ ''اُن کے دل میں سردی اور گرمی کے سفر کی محبت ڈالنے کی وجہ سے'' یعنی انہیں گرمی اور سردی کے تجارتی سفروں سے مانوس کردیا تھا۔ان کے سفر کا شوق حیرت انگیز ہے اور حرم کی برکت سے سفر میں امن میں رہنا بھی قابل تعجب ہے۔

سوال2: قریش کا سردیوں کا سفر کس علاقے کی جانب ہوتا تھا؟

جواب: سردیوں کا سفر یمن کی طرف ہوتا تھا جو گرم علاقہ تھا۔

سوال3: قریش گرمیوں کا سفر کس علاقے کی جانب کرتے تھے؟

جواب: قریش گرمیوں کا سفر شام کی طرف کرتے تھے کیونکہ وہ ٹھنڈا علاقہ تھا۔

﴿فَلۡيَعۡبُدُوۡا رَبَّ هٰذَا الۡبَيۡتِ﴾

''تو اُن پر لازم ہے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں'' (3)

سوال1:﴿فَلۡيَعۡبُدُوۡا رَبَّ هٰذَا الۡبَيۡتِ﴾ ''تو اُن پر لازم ہے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿فَلۡيَعۡبُدُوۡا رَبَّ هٰذَا الۡبَيۡتِ﴾ ''تو اُن پر لازم ہے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں'' یعنی کعبے کے رب کی عبادت کریں، اس کے لئے عبادت کو خالص کریں اور اس کی توحید پر ایمان لائیں۔

(2) رب العزت نے فرمایا:﴿اِنَّمَاۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الۡبَلۡدَةِ الَّذِىۡ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَىۡءٍ‌ وَّاُمِرۡتُ اَنۡ اَكُوۡنَ مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ﴾ ''یقیناً مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کے رب کی عبادت کروں جس نے اُس کو حرم دی اور ہر چیز اُسی کے لئے ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہو جاؤں۔'' (النمل:91)

﴿الَّذِىۡۤ اَطۡعَمَهُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ﴾

''جس نے اُنہیں بھوک میں کھانے کو دیا اور اُن کو خوف سے امن دیا'' (4)

سوال1:﴿الَّذِىۡۤ اَطۡعَمَهُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ﴾ ''جس نے اُنہیں بھوک میں کھانے کو دیا اور اُن کو خوف سے امن دیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ﴾ ''جس نے اُنہیں بھوک میں کھانے کو دیا'' مکہ میں غلہ وغیرہ پیدا نہیں ہوتا۔اس لئے قریش کی عادت تھی کہ سال بھر میں تجارت کی غرض سے دوسفر کرتے تھے۔جاڑوں میں یمن کی طرف کہ وہ ملک گرم ہے اور گرمیوں میں شام کی طرف جو سرد اور شاداب ملک ہے۔لوگ ان کو اہل حرم اور خادم بیت اللہ سمجھ کر نہایت عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے۔(تفسیر عثمانی:929/2)

(2) یعنی جب قبائل عرب بھوک سے مررہے تھے۔اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق کی کشادگی عطا کی۔

(3)﴿وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾ ''اور اُن کو خوف سے امن دیا'' یعنی خوف کی فضا میں اللہ تعالیٰ نے انہیں امن والے شہر میں بسایا،ان کے سفر کو پرامن بنایا۔قریش سفر وحضر میں امن سے رہتے ہیں یہ تو نعمت انہیں اللہ تعالیٰ نے عطا کی۔اس کے گھر کی وجہ سے انہیں رزق اور امن ملتا ہے۔اس لئے انہیں اس گھر کے رب کی عبادت کرنی چاہیے۔

(4) رب العزت نے فرمایا:﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ نے ایک بستی کی مثال بیان کی جو پُر امن اور مطمئن تھی،اُس کا رزق وافر مقدار میں اُس کے پاس ہر جگہ سے آرہا تھا پھر اُس نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا اس کے بدلے میں جو وہ کیا کرتے تھے۔(النحل:112)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کو کس حکمت کی بنا پر مخصوص فرمایا ہے؟

جواب: رزق میں کشادگی،خوف کے حالات میں امن سے بہرہ مند ہونا سب سے بڑی دنیاوی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ کے شکر کی موجب ہے،اے اللہ! اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں پر تو ہی ہر قسم کی حمد وثنا اور شکر کا مستحق ہے۔اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے ساتھ اپنی ربوبیت کو اس کے فضل وشرف کی وجہ سے مخصوص کیا ہے ورنہ تو وہ ہر چیز کا رب ہے۔(تفسیر سعدی:2978،2977/3)

سوال 3: اس سورت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے سمجھایا کہ مربی اللہ تعالیٰ ہی ہے اس کی وضاحت کریں؟

جواب:(1) اللہ رب العزت نے اس سورت میں قریش پر کیے جانے والے احسانات کے توسط سے یہ سمجھایا ہے کہ مربی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

(2) قریش کی جو عزت لوگوں کے دلوں میں تھی وہ اللہ تعالیٰ کے گھر کی وجہ سے تھی اسی وجہ سے ڈاکہ زنی کے دور میں ان کے قافلوں پر کوئی ہاتھ نہیں ڈالتا تھا وہ لوٹ مار سے بھی محفوظ ہوتے اور ان کے سفر بھی پرامن ہوتے پھر ان میں سفر کا شوق،ان پر نعمتوں کی بارش اور سب سے بڑھ کر بھوک میں پیٹ بھر کر کھلانا اور امن اور عافیت عطا کرتا ہے۔رب العزت نے توجہ دلائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہے جو مقدس گھر کا رب بھی ہے،اور تمہارا بھی سوا اسی کی عبادت کرو اور شرک سے بچو۔

(3) انس بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے قریش تف ہے تم پر اللہ تعالیٰ تمہیں آرام سے کھلائے پلائے اور تم اس کی نافرمانی کرو۔(ابن ابی حاتم)

سوال4: اللہ تعالیٰ نے بھوک میں قریش کے لئے کیسے کھانے کا انتظام کیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے تجارتی سفروں کے ذریعے سے ان کی روزی کا اہتمام کیا۔ سال میں دو مرتبہ ان کے تجارتی قافلے جاتے تھے اور ضروریاتِ زندگی کا اہتمام کرتے تھے۔ یہ دُعائے براہیمی کا نتیجہ تھا کہ بے آب و گیاہ وادی میں رہنے کے باوجود ہر طرح کے پھل اور بکثرت رزق ان تک پہنچ رہا تھا۔

آیاتھا ۷ | ۱۰۷ سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ ۱۷ | رکوعھا ۱

سوال1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ مکی سورت ہے اس میں ایک رکوع اور سات آیات ہیں۔

سوال2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے یہ 107 ویں سورت ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے 17 ویں سورت ہے۔

رکوع نمبر 32

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ﴾

''کیا آپ نے دیکھا اُس شخص کو جو جزا کو جھٹلاتا ہے؟'' (1)

سوال1: ﴿اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ﴾ ''کیا آپ نے دیکھا اُس شخص کو جو جزا کو جھٹلاتا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَرَءَيْتَ﴾ کیا آپ نے دیکھا'' اے محمد! کیا آپ جانتے ہو؟'' کیا آپ نے دیکھا'' کا سوال تعجب کے لئے کیا گیا ہے۔

(2) ﴿الَّذِيْ يُكَذِّبُ﴾ ''اس شخص کو جو جزا کو جھٹلاتا ہے'' یعنی جو قیامت کو موت کے بعد کی زندگی اور جزا و سزا کو نہیں مانتا اور آپ ﷺ کو اور انبیاء و مرسلین جو کچھ لے کر آئے ہیں اسے نہیں مانتا۔ (3) یعنی یہ سمجھتا ہے کہ انصاف نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی: 930/2) (4) یہ سوال اس مقصد کے لئے کیا گیا ہے کہ کیا تم اس شخص کو پہچانتے ہو جو جزا سزا کو جھٹلاتا ہے؟ کیا جزا سزا کو جھٹلانے میں وہ شخص صحیح ہے یا غلط؟

﴿فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ﴾

''پھر وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے'' (2)

سوال1: ﴿فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ﴾ ''پھر وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ﴾ ''پھر وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے'' وہ یتیم کو دھتکارتا ہے یعنی وہ یتیم کے ساتھ حسن سلوک نہیں کرتا اس کا مال کھا جاتا ہے اور اسے کھلاتا پلاتا نہیں۔

(2) وہ اپنے دل کی سختی کی وجہ سے یتیم سے رحمت کا معاملہ نہیں کرتا اور سنگدلی سے یتیم کو دھکے دیتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ثواب کی امید اور عذاب کا خوف نہیں رکھتا۔

(3) یعنی اگر وہ یتیم کی کفالت کی ذمہ داری بھی لے تو اسے ڈانٹتا ہے اور اس کو دھتکارتا ہے اور اس کی میراث پر قبضہ جما لیتا ہے۔ حالانکہ رب العزت نے فرمایا ﴿وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ ''اور اُن کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق تھا۔'' (الذاریات:19)

سوال2: یتیم کے ساتھ حسن سلوک کون کر سکتا ہے؟

جواب: یتیم کے ساتھ حُسنِ سلوک وہی کر سکتا ہے۔ (1) جس کو آخرت کی جوابدہی کا احساس ہو۔ جو جزا سزا پر یقین رکھتا ہو۔

(2) جس کے دل میں مال سے زیادہ انسانوں کی قدر ہو۔ (3) جو اَخلاقی ضابطوں پر یقین رکھتا ہو۔

﴿وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ﴾

''اور مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہیں دلاتا'' (3)

سوال1: ﴿وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ﴾ ''اور مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہیں دلاتا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ﴾ ''اور مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہیں دلاتا'' یتیموں اور محتاجوں کی خبر لینا اور ان کے حال پر رحم کھانا دنیا کے ہر مذہب و ملت کی تعلیم میں شامل ہے اور ان مکارم اخلاق میں سے ہے جن کی خوبی پر تمام عقلاء اتفاق رکھتے ہیں۔ پھر جو شخص ان ابتدائی اخلاق سے بھی عاری ہو، سمجھو کہ آدمی نہیں، جانور ہے۔ (تفسیر عثمانی:930/2)

(2) رب العزت نے فرمایا ﴿كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ (۱۷) وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (۱۸)﴾ ''ہرگز نہیں! بلکہ تم لوگ یتیم کی عزت نہیں کرتے۔ اور مسکین کو کھلانے پر ایک دوسرے کو اُبھارتے نہیں ہو۔'' (الفجر:17,18)

(3) یعنی خود تو نہیں کھلاتا اور دوسروں کو بھی ترغیب بھی نہیں دیتا۔

سوال2: مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب کون دے سکتا ہے؟

جواب: (1) مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب وہی دے سکتا ہے جو بدلے کا یقین رکھتا ہو۔

(2) جس کے دل میں مال سے زیادہ انسانوں کی قدر ہو۔ (3) جو مسکینوں کے حقوق کی ادائیگی کی ضرورت کو سمجھتا ہو۔

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ﴾

''پس بڑی ہلاکت ہے ان نمازیوں کے لیے'' (4)

سوال 1: ﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ﴾ ''پس بڑی ہلاکت ہے ان نمازیوں کے لیے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ﴾ ''پس بڑی ہلاکت ہے ان نمازیوں کے لیے'' اس سے مراد منافق ہیں جو اعلانیہ نماز پڑھتے ہیں یعنی لوگوں کے سامنے مگر تنہائی میں نہیں پڑھتے۔

(2) ﴿وَيْلٌ﴾ ''ہلاکت'' یعنی ہلاکت، تباہی، بربادی، ان کے لیے ہے جو ریاکاری کے لیے نماز پڑھتے ہیں۔

سوال 2: کون سے نمازیوں کے لئے ہلاکت ہے؟

جواب: (1) وہ نمازی جو اپنی نمازوں میں سستی کا شکار ہو گئے ہیں۔

(2) جو نماز کو مسنون وقت میں ادا نہیں کرتے، جب جی چاہے ادا کر لیتے ہیں اور تاخیر کرنے کو معمول بنا لیتے ہیں۔

(3) جو خشوع وخضوع کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے۔

﴿الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ﴾

''جو اپنی نماز سے غافل ہیں'' (5)

سوال 1: ﴿الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ﴾ ''جو اپنی نماز سے غافل ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ﴾ ''جو اپنی نماز سے غافل ہیں'' یعنی جو اپنی نماز کا وقت موخر کرتے ہیں جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں یا تو بالکل نماز ہی نہیں پڑھتے یا بے وقت پڑھتے ہیں۔ (2) یعنی وہ اپنی نماز کو ضائع کرتے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 2978/3)

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ ''بلاشبہ منافق اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ وہ انہیں دھوکہ دینے والا ہے اور جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو سست ہو کر کھڑے ہوتے ہیں وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتے مگر بہت ہی کم۔'' (النساء: 142)

(4) یعنی نماز میں اللہ عزوجل کا ارادہ نہیں کرتے اور پڑھتے ہوئے غافل ہوتے ہیں۔

سوال 2: نماز میں غفلت کیسے پیدا ہوتی ہے؟

جواب: (1) نماز میں غفلت اُس کے مقصد کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ (2) نماز میں غفلت جزا سزا کے یقین میں کمی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ (3) نماز میں غفلت دنیا کی محبت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

سوال3: نماز میں کوتاہیوں کے مرتکب کون لوگ ہوتے ہیں؟

جواب: نماز میں کوتاہیوں کے مرتکب وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی نمازوں سے غافل ہوتے ہیں، یہ صفت منافقین کی ہے۔

سوال4: نماز میں غفلت کیوں پیدا ہوتی ہے؟

جواب: (1) نماز میں غفلت جزا سزا کے یقین میں کمی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

(2) نماز میں غفلت اُس کے مقصد کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

(3) نماز میں غفلت دنیا کی محبت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

سوال5: نماز سے کون غافل ہوتا ہے؟

جواب: (1) جسے آخرت کی جزا سزا پر، حساب کتاب پر یقین نہ ہو۔ (2) جسے اللہ تعالیٰ کی ذات کا تعلق عزیز نہ ہو۔

(3) جو نماز کو بوجھ سمجھتا ہو۔ (4) جسے نماز سے زیادہ دنیا کی دوسری مصروفیات عزیز ہوں۔

﴿الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ﴾

''جو ریا کاری کرتے ہیں'' (6)

سوال1: ﴿الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ﴾ ''جو ریا کاری کرتے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ﴾ ''جو ریا کاری کرتے ہیں'' جو لوگوں کو دکھانے کے لیے دیتے ہیں۔

(2) سیدنا علاء بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے گھر میں ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر بصرہ میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر میں گئے۔ وہ گھر مسجد کے ایک کونے میں تھا تو جب ہم اُن کے پاس گئے تو انہوں نے فرمایا: کیا تم نے عصر کی نماز پڑھ لی؟ تو ہم نے اُن سے کہا کہ ہم تو ابھی ظہر کی نماز پڑھ کر آئے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ عصر کی نماز پڑھ لو۔ تو ہم کھڑے ہوئے تو ہم نے نماز پڑھی۔ جب ہم فارغ ہوئے تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یہ تو منافق کی نماز ہے کہ سورج کو بیٹھے دیکھتا رہتا ہے۔ جب وہ شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان میں ہوتا ہے تو وہ کھڑا ہو کر چار ٹھونگیں مارنے لگ جاتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا مگر بہت تھوڑا۔ (مسلم:1412)

(3) سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے ''جس نے دکھاوے کی نماز پڑھی اس نے شرک کیا، جس نے دکھاوے کا روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لئے صدقہ کیا اس نے شرک کیا۔ (الترغیب والترہیب:43) مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص دوسروں کو سنانے کے لئے کوئی نیک کام کرے اللہ تعالیٰ بھی لوگوں کو سنا کر عذاب کرے گا اور اسے

ذلیل اور حقیر کرے گا' ہاں اس موقع پر یہ یاد رہے کہ اگر کسی شخص نے بالکل نیک نیتی سے کوئی اچھا کام کیا اور لوگوں کو اس کی خبر ہو گئی اس پر اسے بھی خوشی ہوئی تو یہ ریا کاری نہیں۔اس کی دلیل۔(ابن کثیر:598)

﴿وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ﴾

''اور عام برتنے کی چیزیں بھی نہیں دیتے''(7)

سوال 1:﴿وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ﴾ ''اور عام برتنے کی چیزیں بھی نہیں دیتے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ﴾ ''اور عام برتنے کی چیزیں بھی نہیں دیتے'' ماعون ہر برتنے والی چیز کو کہتے ہیں جو عام استعمال میں آنے والی ہو یعنی مال کی محبت اور آخرت کو جھٹلانے نے ان کے اندر ایسا بخل پیدا کر دیا ہے کہ محتاجوں کی ضروریات کا خیال رکھنا، یتیموں کا حق ادا کرنا تو دور کی بات ہے معمولی ضروریات کی چیزیں کوئی عاریتاً بھی لینا چاہے تو دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔

(2) کسی چیز کو عاریتاً یا ہبہ کے طور پر عطا کرنے سے جس کے عطا کرنے پر ان کو نقصان نہیں پہنچتا، روکتے ہیں، مثلاً: برتن، ڈول، کلہاڑی وغیرہ جن کو استعمال کے لیے دینے اور ان کے بارے میں فیاضی کرنے کی عام عادت جاری ہے۔یہ لوگوں کو اپنی شدید حرص کے باعث استعمال کی معمولی اشیا کو دینے سے منع کرتے ہیں، تب ان سے زیادہ بڑی اشیا (لوگوں کو استعمال کے لیے) دیتے وقت ان کا کیا حال ہوگا۔اس سورہ مبارکہ میں یتیموں اور مساکین کو کھانا کھلانے، نیز نماز کا خیال رکھنے، اس کی حفاظت کرنے اور نماز اور دیگر تمام اعمال میں اخلاص کو مدنظر رکھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔نیز معروف پر عمل کرنے، معمولی اموال کو استعمال کے لیے عطا کرنے کی ترغیب ہے، مثلاً: برتن، ڈول اور کتاب وغیرہ: کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی مذمت کی ہے جو ایسا نہیں کرتا۔(تفسیر سعدی:2979/3)

(3) سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنی کسی بیوی کے ہاں قیام پذیر تھے۔کسی دوسری بیوی نے کھانے کی رکابی بھیجی تو اس بیوی نے جس کے ہاں آپ ﷺ ٹھہرے ہوئے تھے ''از راہ رقابت'' خادم کے ہاتھ کو جھٹکا دیا۔رکابی گر گئی اور ٹوٹ گئی۔آپ ﷺ رکابی کے ٹکڑے اور جو کھانا اس میں تھا اسے جمع کرنے لگے اور فرمایا:''تمہاری ماں کو غیرت آ گئی'' پھر خادم کو ٹھہرایا اور اس بیوی سے ایک سالم رکابی لے کر اس بیوی کے ہاں بھجوا دی جس نے بھیجی تھی اور یہ ٹوٹی ہوئی رکابی اسی گھر میں رکھ لی، جہاں ٹوٹی تھی۔(بخاری، کتاب المظالم)

(4) آپ ﷺ نے فرمایا:''مانگی ہوئی چیز واپس کرنا، ضامن کو تاوان بھرنا، اور قرضہ کی ادائیگی لازم ہے۔''(ترمذی)

(5) آپ ﷺ نے فرمایا:''جس ہاتھ نے جو کچھ لیا ہو اسی کا ادا کرنا واجب ہے۔''خواہ نقد رقم ہو یا کوئی اور چیز''(ابوداود)

سوال 2: معمولی ضرورت کی چیزیں دینے سے کون انکار کرتا ہے؟

جواب: معمولی ضرورت کی چیزیں دینے سے وہ انکار کرتا ہے جو آخرت پر یقین نہیں رکھتا اور بخل کا شکار رہتا ہے۔

سوال3:مَعن سے کیا مراد ہے؟

جواب:(1)مَعن سے مراد تھوڑی چیز ہے جیسے عام برتنے کی چیزیں۔

(2) کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ ہے جو کُل مال کے مقابلے میں قلیل ہوتی ہے۔

سوال4:معمولی ضرورت کی چیزیں دینے میں کوئی تنگی محسوس نہ کرنا کیسی صفت ہے؟

جواب:معمولی ضرورت کی چیزیں دینے میں کوئی تنگی محسوس نہ کرنا اچھی صفت ہے۔

ایاتھا ۳ | ۱۰۸ سُوْرَۃُ الْکَوْثَرِ مَکِّیَّۃٌ ۱۵ | رکوعھا ۱

سوال1:یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب:یہ مکی سورت ہے اس کا ایک رکوع اور تین آیات ہیں۔

سوال2:مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب:مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے یہ 108ویں سورت ہے۔اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے یہ 15ویں سورت ہے۔

سوال3:اس سورت کی کیا فضیلت ہے؟

جواب:(1)ایک دفعہ رحمت عالم ﷺ کو اونگھ آئی پھر آپ نے مسکرا کر صحابہ سے فرمایا: یا صحابہ!انہوں نے آپ سے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کیوں مسکرا رہے ہیں! فرمایا ابھی مجھ پر ایک سورت اتری۔ پھر آپ ﷺ نے یہ سورت پڑھ کر فرمایا جانتے ہو کوثر کیا ہے؟ صحابہ بولے: اللہ اور اس کے رسول ہی کو خوب معلوم ہے۔ فرمایا: کوثر جنت کی ایک نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی ہے اس کے پاس بڑی خیر و برکت ہے۔ قیامت کے دن اس پر میری امت آئے گی۔ اس پر گلاس تاروں کی طرح بے شمار ہیں۔ بعض آنے والے اس سے روک دیئے جائیں گے۔ میں کہوں گا یارب! یہ تو میرے امتی ہیں۔ جواب ملے گا، آپ کو معلوم نہیں، آپ کے جانے کے بعد انہوں نے آپ کے دین میں کیا کیا نئی باتیں گھڑ لیں تھیں۔ (مسلم)

(2) سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ سورت پڑھ کر فرمایا: مجھے کوثر عطا کی گئی یہ ایک جاری نہر ہے، جو گڑھے میں نہیں بہتی۔ اس کے دونوں کناروں پر موتیوں کے خیمے ہیں۔ میں نے ہاتھ سے اس کی مٹی نکال کر دیکھی تو خالص مشک تھی۔ اس کے سنگریزے سچے موتیوں کے ہیں۔ (مسند احمد)

(3) میں جنت میں گیا تو ایک نہر دکھائی دی جس کے دونوں کناروں پر آمنے سامنے موتیوں کے خیمے نصب ہیں۔ میں نے مٹی نکال کر دیکھی تو خالص مشک تھی پوچھا جبریل یہ کیا ہے؟ فرمایا کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو دی ہے۔ (مسند احمد)

(4) سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے معراج کے قصہ پر فرمایا: میں ایک نہر پر پہنچا جس کے دونوں کناروں پر خولدار موتیوں کے ڈیرے لگے تھے۔ میں نے جبریل سے پوچھا یہ نہر کیسی ہے؟ اس نے جواب دیا یہ کوثر ہے جو اللہ تعالی نے آپ کو عطا کی۔ (بخاری کتاب التفسیر)

رکوع نمبر 33

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

﴿اِنَّاۤ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ﴾

''یقینا ہم نے آپ کو کوثر عطا کی'' (1)

سوال 1: ﴿اِنَّاۤ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ﴾ ''یقینا ہم نے آپ کو کوثر عطا کی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ رب العزت نے اپنے نبی پر احسان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿اِنَّاۤ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ﴾ ''یقینا ہم نے آپ کو کوثر عطا کی'' (i) ﴿الۡكَوۡثَرَ﴾ سے مراد خیرِ کثیر ہے۔ (ابن کثیر) (ii) جنت کی ایک نہر ہے۔ (iii) حوضِ کوثر ہے جس سے مومن جنت جانے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے پیئں گے۔ اس حوض میں جنت کی نہر سے پانی آرہا ہوگا۔

(2) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب نبی کریم ﷺ کو معراج ہوئی تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک نہر کے کنارے پر پہنچا جس کے دونوں کناروں پر خولدار موتیوں کے ڈیرے لگے ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا اے جبریل! یہ نہر کیسی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ حوض کوثر ہے (جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے)۔ (بخاری: 4964)

(3) ''البحر المحیط'' میں اس کے متعلق چھبیس اقوال ذکر کئے گئے ہیں اور اخیر میں اس کو ترجیح دی ہے کہ اس لفظ کے تحت میں ہر قسم کی دینی و دنیوی دولتیں اور حسی و معنوی نعمتیں داخل ہیں۔ جو آپ کو، یا آپ ﷺ کے طفیل میں امت مرحومہ کو ملنے والی تھیں۔ ان نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت وہ ''حوض کوثر'' بھی ہے جو اسی نام سے مسلمانوں میں مشہور ہے اور جس کے پانی سے آپ اپنی امت کو محشر میں سیراب فرمائیں گے۔ (تفسیر عثمانی: 932/2)

(4) ''حوض کوثر'' کا ثبوت بعض محدثین کے نزدیک حدتواتر تک پہنچ چکا ہے ہر مسلمان کو اس پر اعتقاد رکھنا لازم ہے۔ احادیث میں اس کی عجیب و غریب خوبیاں بیان ہوئی ہیں۔ بعض روایات سے اس کا محشر میں ہونا اور اکثر سے جنت میں ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اکثر علماء نے تطبیق یوں دی ہے کہ اصل نہر جنت میں ہوگی اور اسی کا پانی میدان محشر میں لاکر کسی حوض میں جمع کردیا جائے گا۔ دونوں کو ''کوثر'' ہی کہتے ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (تفسیر عثمانی: 932/2)

سوال 2: ''ہم نے آپ ﷺ کو خیرِ کثیر عطا کیا۔'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کے ذکر کی بلندی اور آخرت کا اجر وثواب ہے۔ اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کا مقام ومرتبہ ہمیشہ کے لئے بلند کرنا ہے۔

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾

''پس آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی کریں'' (2)

سوال 1: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ ''پس آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی کریں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ ''پس آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی کریں'' یعنی اتنے بڑے انعام واحسان کا شکر بھی بہت بڑا ہونا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی: 932/2)

(2) اللہ تعالیٰ نے ان دوعبادتوں کا خاص طور پر ذکر فرمایا: کیونکہ یہ دونوں افضل ترین عبادت اور تقرب الٰہی کا جلیل ترین ذریعہ ہیں، نیز ان دونوں کا خاص طور پر ذکر کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نماز قلب اور جوارح میں خشوع کو متضمن ہے، پھر اسے عبادت کی دیگر تمام انواع میں منتقل کر دیتی ہے۔ جانور ذبح کرنے میں یہ حکمت ہے کہ بندے کے پاس جو کچھ ہے اس میں سے افضل ترین چیز قربانی کے ذریعے سے تقرب الٰہی حاصل کرنا اور مال خرچ کرنا ہے جس سے محبت کرنا اور اس میں بخل کرنا نفس انسانی کی جبلت ہے۔ (تفسیر سعدی: 2979،2980/3)

(3) مشرکین مکہ عبادت بھی بتوں کی کرتے تھے اور قربانی بھی ان کے لئے کرتے تھے اس لئے رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ﴾ ''آپ کہہ دیں: ''بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ تعالیٰ کے لیے جو جہانوں کا رب ہے۔'' (الانعام: 162)

(4) مسلمانوں کو نماز بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ادا کرنی چاہیے جیسا کہ فرمایا: ﴿أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي﴾ ''اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو'' (طٰہٰ: 14) اور قربانی بھی اللہ تعالیٰ کے لئے کرنی چاہیے۔

(5) بعض علما نے نماز سے مراد عید الاضحیٰ کی نماز اور نحر سے مراد عید الاضحیٰ کے دن کی قربانی ہے۔

سوال 2: نحر کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: نحر کرنے سے مراد اونٹ کے حلق میں نیزہ مار کر پھر چھری سے ذبح کرنا ہے۔ دوسرے جانوروں کو چھری سے ذبح کیا جاتا ہے۔ یہاں نحر سے مراد قربانی کرنا ہے۔

سوال 3: قربانی کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب:(1)قربانی کرنے سے مراد حج کے موقع پر قربانی کرنا ہے۔(2) قربانی کرنے سے مراد عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کرنا ہے۔ (3)اس سے مراد صدقہ وخیرات کے لئے قربانی کرنا بھی ہے۔

سوال4:﴿لِرَبِّكَ﴾ سے کیا پتہ چلتا ہے؟

جواب:اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ وہی عبادت قبول کرتا ہے جو صرف اس کی ذات کے لئے ہو۔قبولیت کے لئے دل کا اِخلاص شرط ہے۔

﴿اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ﴾

''یقینا آپ کا دشمن ہی لاولد ہے''(3)

سوال1:﴿اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ﴾ ''یقینا آپ کا دشمن ہی لاولد ہے''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ﴾''یقینا آپ کا دشمن ہی لاولد ہے''شانی۔شنا۔شناء سے مصدر شنان اوراسم فاعل شانی ہے اوراس سے مراد ایسا دشمن ہے جو بدخواہ بھی ہو اور کینہ پرور بھی۔یعنی عداوت بھی رکھتا ہو اور بغض بھی اور یہ دشمنی کا تیسرا اور انتہائی درجہ ہے قریش مکہ آپ ﷺ کے ایسے ہی دشمن تھے۔بالخصوص ان کے سردار اور معتبر لوگ۔جب آپ ﷺ کا دوسرا بیٹا (جسے طیب بھی کہتے ہیں اور طاہر بھی) بھی فوت ہو گیا تو یہ لوگ بہت خوش ہوئے اور تالیاں بجانے لگے اور ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ جس کا ذکر خیر کرنے والا کوئی باقی نہ رہے۔دنیا کے اربوں مسلمان ہر روز کئی مرتبہ آپ ﷺ پر آپ ﷺ کی آل پر درود بھیجتے ہیں۔اذانوں اور نمازوں میں آپ ﷺ کا نام لیا جاتا ہے اور سلسلہ تا قیامت بڑھتا ہی چلا جائے گا۔پھر میدان محشر میں آپ ﷺ کو جو درجات عطا کیے جائیں گے اور مقام محمود عطا کیا جائے گا ان کے ذکر سے قرآن اور حدیث کی کتب بھری پڑی ہیں۔(تیسیر القرآن:4/700)

(2)﴿اِنَّ شَانِئَكَ﴾''یقینا آپ کا دشمن'' آپ ﷺ کی مذمت کرنے والا،آپ ﷺ میں نقص ثابت کرنے والا،آپ ﷺ سے بغض رکھنے والا۔

(3)﴿هُوَ الْاَبْتَرُ﴾''ہی لاولد ہے''وہ ہر بھلائی سے محروم ہے اس کا عمل منقطع اور اس کا ذکر منقطع ہے۔رہے رسول مصطفیٰ محمد ﷺ تو حقیقت میں وہی کامل ہیں آپ ﷺ کمال کے اس بلند ترین درجے پر پہنچے ہوئے ہیں جہاں تک پہنچنا مخلوق میں سے کسی کے لئے ممکن نہیں،مثلاً رفعت ذکر،کثرت الانصار،کثرت تبعین۔

سوال2:﴿اَبْتَرُ﴾ کسے کہتے ہیں؟

جواب:﴿اَبْتَرُ﴾ ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کی نسل کا سلسلہ کٹ گیا ہو۔

سوال3: رسول اللہ ﷺ کو اَبْتَر کس نے کہا تھا؟

جواب: رسول اللہ ﷺ کو کفار نے اَبْتَر کہا تھا۔ عاص بن وائل السہمی نے آپ ﷺ کو اَبْتَر کہہ کر پکارنا شروع کر دیا تھا۔

سوال4: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو کیسے تسلی دی؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تیرا دشمن ہی جڑ کٹا ہے''۔ رسول اللہ ﷺ کی نسل کے سلسلے کو آپ ﷺ کی بیٹی کے ذریعے برقرار رکھا گیا اور آپ ﷺ کی اُمت آپ ﷺ کی معنوی اولاد ہے۔ دنیا میں جتنا ذکرِ خیر رسول اللہ ﷺ کا ہوتا ہے کسی اور انسان کا نہیں ہوتا۔

رکوعھا ۱ — ۱۰۹ سُوْرَۃُ الْکٰفِرُوْنَ مَکِّیَّۃٌ ۱۸ — ایاتھا ٦

سوال1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: سورۃ الکافرون مکہ میں نازل ہوئی اس کا ایک رکوع اور چھ آیات ہیں۔

سوال2: مصحف میں ترتیب اور ترتیب نزولی کے اعتبار سے اس سورت کا کون سا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے 109ویں سورت ہے۔ اور ترتیب نزولی کے اعتبار سے یہ 18ویں سورت ہے۔

سوال3: اس سورت کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: (1) سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے طواف کی دو رکعتوں میں دو سورتیں اخلاص کی پڑھیں ایک رکعت میں ﴿قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ (ترمذی:869)

(2) رسول اللہ ﷺ فجر اور مغرب کی سنتوں میں اسے پڑھتے تھے (ابن خزیمہ)

(3) بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے آپ ﷺ نے فرمایا: رات کو سوتے وقت پڑھو گے تو شرک سے بری قرار پاؤ گے۔ (ترمذی:3403)

(4) رات کو پڑھنا رسول اللہ کا ذاتی عمل بھی بتایا گیا ہے۔ ''سیدنا فروہ بن نوفل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے نوافل رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: ﴿قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ﴾ '' پڑھو اور اسی پر اپنی بات چیت ختم کر کے سو جاؤ۔ بے شک اس میں شرک سے برأت کا اظہار ہے۔ (ابوداؤد:5055، ترمذی:3403)

(5) سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دوران نماز نبی اکرم ﷺ کو بچھو نے کاٹ لیا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا ''اللہ تعالیٰ لعنت کرے بچھو پر یہ نمازی کو چھوڑتا ہے نہ غیر نمازی کو۔'' پھر آپ ﷺ نے پانی اور نمک منگوایا اور ملا اور ساتھ سورہ الکفرون اور معوذتین پڑھ کر دم کیا اسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔ (طبرانی)

رکوع نمبر 34

﴿بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ﴾

﴿قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ﴾

''آپ کہہ دیں کہ اے کافرو!'' (1)

سوال1: ﴿قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ﴾ ''آپ کہہ دیں کہ اے کافرو!'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلۡ﴾ ''آپ کہہ دیں کہ'' یعنی کافروں کو آگاہ کردیجیے۔

(2) ﴿يٰۤاَيُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ﴾ ''اے کافرو!'' یہاں وہ کافر مراد ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ شرک اور کفر کی حالت ہی میں جان دیں گے۔

﴿لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ﴾

''میں اُن کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو'' (2)

سوال1: ﴿لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ﴾ ''میں اُن کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَاۤ اَعۡبُدُ﴾ ''میں اُن کی عبادت نہیں کرتا'' یعنی میں کسی صورت عبادت نہیں کرسکتا۔

(2) ﴿مَا تَعۡبُدُوۡنَ﴾ ''جن کی تم عبادت کرتے ہو'' جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو۔ (3) یعنی میں شرک سے قطعی بے رخی کرتا ہوں۔

سوال2: رسول اللہ ﷺ نے اپنے اور کافروں کے درمیان فرق کو کیسے واضح کیا؟

جواب: آپ ﷺ نے فرمایا: میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو یعنی ہمارے درمیان معبود کا فرق ہے۔

﴿وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ﴾

''اور نہ تم اُس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں'' (3)

سوال1: ﴿وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ﴾ ''اور نہ تم اُس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ﴾ ''اور نہ تم اُس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں'' اور نہ تم میرے

الہ میرے معبود کی عبادت کرنے والے ہو جو رب العالمین ہے۔

(2) اسی سے یہ اصول اخذ ہوتا ہے کہ کوئی انسان اس وقت تک اس دین میں داخل نہیں ہوسکتا جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے لئے عبادت کرنے والا اوران فرائض کو ادا کرنے والا جس کا حکم دیا گیا اور وہ اعمال کرنے والا نہ بن جائے جس کے عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (الاساس:6720/11)

(3) تم اس کی عبادت اس لئے نہیں کرسکتے کہ شاید تمہاری عبادت میں اخلاص نہیں اس بات کو اس لئے دہرایا گیا ہے کہ وہ غیر اللہ کی عبادت کے ماوی تھے جب کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کو عبادت کا حق نہیں پہنچتا۔

سوال 2: رسول اللہ ﷺ نے آپس میں آئندہ کبھی اتفاق نہ ہوسکنے کا کیا سبب بتایا ہے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ نے آپس میں آئندہ کبھی اتفاق نہ ہوسکنے کا یہ سبب بتایا ہے کہ تم اس ہستی کی عبادت کرنے والے نہیں ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔

﴿وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ﴾

''اور نہ میں اُن کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی عبادت تم نے کی ہے'' (4)

سوال 1: ﴿وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ﴾ ''اور نہ میں اُن کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی عبادت تم نے کی ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ﴾ ''اور نہ میں اُن کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی عبادت تم نے کی ہے۔'' یعنی غیر اللہ کی عبادت کا جو راستہ تم نے اختیار کیا ہے میں کبھی اس کو اختیار نہیں کروں گا۔ (2) میں ان معبودوں کی پرستش نہیں کرسکتا جن کی عبادت تم نے کی ہے۔

(3) میں تو اپنے سچے معبود کی اس طرح عبادت کرتا ہوں جس طرح اس نے حکم دیا ہے۔

﴿وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ﴾

''اور نہ تم اُس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں'' (5)

سوال 1: ﴿وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ﴾ ''اور نہ تم اُس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ﴾ ''اور نہ تم اُس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔'' یعنی تم اللہ تعالیٰ

کی شریعت کے احکامات ماننے والے نہیں۔تم نے خود ساختہ طریقے ایجاد کر لیے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ بے زار ہے۔رب العزت نے فرمایا:﴿اِنۡ هِیَ اِلَّاۤ اَسۡمَآءٌ سَمَّیۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَ اٰبَآؤُكُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ؕ اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَهۡوَی الۡاَنۡفُسُ ۚ وَ لَقَدۡ جَآءَهُمۡ مِّنۡ رَّبِّهِمُ الۡهُدٰی﴾ ''یہ(بت) کچھ نہیں سوائے چند ناموں کے جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، ان کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی نہیں وہ پیچھے چلتے مگر وہم وگمان کے اور جو ان کے دل چاہتے ہیں۔حالانکہ بلاشبہ یقیناً اُن کے رب کی جناب سے اُن کے پاس ہدایت آچکی ہے۔'' (النجم:23)

(2) تم حق کی عبادت نہیں کر سکتے اور میں باطل کی عبادت نہیں کر سکتا۔ مستقبل میں بھی میری طرف سے اس اتحاد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(3) آپ ﷺ کا طریق عبادت یہ تھا کہ آپ نماز میں اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ ریز ہو جاتے تھے اور اس طریق عبادت سے کافروں کو خاصی چڑ تھی اور اس سے منع بھی کرتے تھے۔اور کافروں کا طریق عبادت یہ تھا کہ گاتے، سیٹیاں بجاتے اور تالیاں بجاتے، کعبہ کا ننگے ہو کر طواف کرتے تھے۔آپ بھلا ان کا یہ طریق عبادت اختیار کر سکتے تھے؟ (تیسیر القرآن:4/702)

﴿لَكُمۡ دِیۡنُكُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ﴾

''تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے'' (6)

سوال 1:﴿لَكُمۡ دِیۡنُكُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ﴾ ''تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿لَكُمۡ دِیۡنُكُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ﴾ ''تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔'' (i) اس سے مراد ہے کہ تم لوگ اپنے دین پر راضی ہو تو میں اپنے دین پر راضی ہوں۔(ii) اس سے مراد ہے کہ میرے لئے میرا عمل ہے تمہارے لئے تمہارا عمل۔رب العزت نے فرمایا:﴿قُلۡ كُلٌّ یَّعۡمَلُ عَلٰی شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَنۡ هُوَ اَهۡدٰی سَبِیۡلًا﴾ ''آپ کہہ دیں ہر کوئی اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے۔سو تمہارا رب ہی زیادہ جانتا ہے کہ کون سیدھے راستے کی زیادہ ہدایت پانے والا ہے۔'' (بنی اسرائیل:84)

(2) تمہارے لئے تمہارے اعمال کی جزا ہے اور میرے لئے میرے اعمال کی۔رب العزت نے فرمایا:﴿قُلۡ اَتُحَآجُّوۡنَنَا فِی اللّٰهِ وَ هُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمۡ ۚ وَ لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا وَ لَكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ ۚ وَ نَحۡنُ لَهٗ مُخۡلِصُوۡنَ﴾ ''آپ کہہ دیں کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو؟ حالانکہ وہی ہمارا رب اور تمہارا رب ہے اور ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں اور ہم اُس کے لیے خالص کرنے والے ہیں۔'' (البقرۃ:139)

(3) یعنی تم میرے اعمال سے بری ہو اور میں تمہارے اعمال سے۔﴿وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغۡوَ اَعۡرَضُوۡا عَنۡهُ وَ قَالُوۡا لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا وَ لَكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ ۫ سَلٰمٌ عَلَیۡكُمۡ ۫ لَا نَبۡتَغِی الۡجٰهِلِیۡنَ﴾ ''اور جب وہ بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ موڑ جاتے ہیں اور وہ

کہتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں، تمہیں سلام ہو، ہم جاہلوں کو نہیں چاہتے۔'' (القصص:55)

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور اگر وہ تجھے جھٹلائیں تو کہہ دو کہ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل، جو کچھ میں کرتا ہوں اس سے تم بری ہو اور جو کچھ تم عمل کرتے ہو اس سے میں بری ہوں۔'' (یونس:41)

(5) ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ښ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''کہہ دو کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کے بارے میں کسی شک میں ہو تو میں ان کی عبادت نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو لیکن میں اس اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں موت دیتا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہو جاؤں۔'' (یونس:104)

(6) اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمان باپ کافر بیٹے کا وارث نہیں ہوتا اور نہ کافر بیٹا مسلمان باپ کا۔'' (بخاری:6764)

ایاتها ۳　۱۱۰ سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۴　رکوعها ۱

سوال 1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ مدنی سورت ہے اس کا ایک رکوع اور 3 آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور ترتیب نزولی کے اعتبار سے اس سورت کا کون سا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے 110 ویں سورت ہے۔ اور ترتیب نزولی کے اعتبار سے یہ 114 ویں سورت ہے۔

سوال 3: اس سورت کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: (1) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ سورت منیٰ میں حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی پھر یہ آیت نازل ہوئی ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ﴾ ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے'' (المائدۃ:3) اس کے بعد آپ 80 دن زندہ رہے پھر آیت کلالہ نازل ہوئی اس کے بعد 50 دن زندہ رہے پھر یہ آیت نازل ہوئی ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ ''بلاشبہ تمہارے پاس یقیناً تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آیا ہے۔'' (التوبۃ:128) اس کے بعد 35 دن زندہ رہے پھر یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ﴾ ''اور اس دن سے ڈرو جس میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جائے گا'' (البقرۃ:281) اس کے بعد 21 دن زندہ رہے۔ (تفسیر مراغی:510/10)

(2) جس وقت یہ سورت نازل ہوئی تھی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ جان لیا تھا کہ اب نبی ﷺ کا آخری وقت آ گیا ہے۔ اسی لئے آپ ﷺ کو حمد، تسبیح اور استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ صحیح بخاری میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا واقعہ اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ (بخاری)

(3) اس سورت کریمہ میں ایک خوشخبری ہے، اس خوشخبری کے حاصل ہو جانے پر رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک حکم ہے، نیز اس میں اس خوشخبری پر مترتب ہونے والے احوال کی طرف اشارہ اور اس پر تنبیہ ہے۔ خوشخبری اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول ﷺ کے لیے نصرت، فتح مکہ اور لوگوں کے اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے کی ہے (تفسیر سعدی: 2981/3)

رکوع نمبر 35

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾

''جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آ جائے'' (1)

سوال 1: ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾ ''جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آ جائے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ﴾ ''جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آ جائے'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی ﷺ کے لئے خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کی نصرت آئے گی۔ (2) اللہ تعالیٰ کی مدد کا مطلب مسلمانوں کی کافروں پر فتح ہے، اسلام کی کفر پر فتح ہے۔

(3) ﴿وَالْفَتْحُ﴾ فتح سے مراد فتح مکہ ہے۔ (4) فتح سے مراد کسی عام شہر کی نہیں مکّہ کی فتح ہے۔

(5) بڑی فیصلہ کن چیز یہ تھی کہ مکہ معظمہ (جو گویا زمین پر اللہ تعالیٰ کا دار السلطنت ہے) فتح ہو جائے۔ اسی پر اکثر قبائل عرب کی نظریں لگی ہوئی تھی۔ اس سے پہلے ایک ایک دو دو آدمی اسلام میں داخل ہوتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد جوق در جوق داخل ہونے لگے۔ (تفسیر عثمانی: 936/2)

سوال 2: مکّہ فتح ہونے کا مطلب کیا تھا؟

جواب: مکّہ فتح ہونے کا مطلب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا مشن مکمل ہو گیا۔ تبلیغ اور رسالت کا جو فریضہ تھا وہ ادا ہو گیا۔

سوال 3: مکہ کب فتح ہوا؟

جواب: مکہ 8 ہجری میں فتح ہوا۔

﴿وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾

''اور آپ دیکھیں کہ لوگ فوج در فوج اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں'' (2)

سوال1: ﴿وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾ ''اور آپ دیکھیں کہ لوگ فوج در فوج اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَرَاَيْتَ النَّاسَ﴾ ''اور آپ دیکھیں کہ لوگ'' یعنی جب آپ یمن وغیرہ میں رہنے والوں کو دیکھو۔

(2) ﴿يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ﴾ ''اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں'' یعنی آپ کے دین اسلام میں داخل ہو جائیں۔

(3) ﴿اَفْوَاجًا﴾ ''فوج در فوج'' یعنی گروہ در گروہ۔ (ایسر التفاسیر:1793)

(4) اس سے مراد یہ ہے کہ پہلے تو لوگ انفرادی طور پر اِکّا دُکّا اسلام قبول کرتے تھے لیکن مکہ فتح ہونے کے بعد لوگ کثرت سے اسلام قبول کر رہے ہیں۔

(5) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ ''اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے گا تو اس سے وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا'' (آل عمران:85)

﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا﴾

''تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور اُس سے بخشش مانگیے، یقیناوہ ہمیشہ سے بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے'' (3)

سوال1: ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا﴾ ''تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور اُس سے بخشش مانگیے، یقیناوہ ہمیشہ سے بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ ''تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے'' اپنے رب کی حمد اور شکر سے اس فتح کی تسبیح اور تعظیم بیان کرو کہ اس نے آپ کے ساتھ اپنے وعدے کو پورا کر دیا کہ آپ کا دین مکمل ہو گیا، لوگ آپ کے دین میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں اور رب العزت نے آپ ﷺ کو فتح عطا فرمائی ہے۔ (2) ﴿وَاسْتَغْفِرْهُ﴾ ''اور اُس سے بخشش مانگئے'' یعنی اس سے مدد طلب کرو۔

(3) ﴿اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا﴾ ''یقیناوہ ہمیشہ سے بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

(i) اللہ تعالیٰ نے اِستغفار کا حکم دے کر اپنے ﴿تَوَّاب﴾ ہونے کا شعور دلایا ہے۔ اگر وہ ﴿تَوَّاب﴾ نہ ہوتا تو توبہ کا حکم نہ دیتا۔

(ii) وہ ﴿تَوَّاب﴾ ہے اس لئے توبہ کرو۔ انسان اسی اعتبار کے سہارے توبہ کرتا ہے کہ میری توبہ قبول ہو جائے گی۔

(4) سیدہ عائشہ نے بیان کیا کہ آیت اذا جاء نصر اللہ والفتح جب اللہ کی مدد آ پہنچی، جب سے نازل ہوئی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی جس میں آپ یہ دعا نہ کرتے ہوں۔ سُبْحَانَكَ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ''پاک ہے تیری ذات اے اللہ! اے ہمارے رب! اور تیرے ہی لئے تعریف ہے۔ اے اللہ میری مغفرت فرما دے۔'' (صحیح بخاری:4967)

(5) سیدہ عائشہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ سورہ فتح کے نازل ہونے کے بعد اپنے رکوع اور سجدوں میں بکثرت یہ دعا پڑھتے سبحانك اللھم ربنا۔۔۔ الخ یعنی پاک ہے تیری ذات اے اللہ! اور تیرے لئے ہی تعریف ہے اے اللہ! میری مغفرت فرمادے۔ قرآن مجید کے حکم پر مذکور پر اس طرح آپ عمل کرتے تھے۔ (صحیح بخاری:4968)

(6) سیدنا ابن عباس نے کہا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بوڑھے بدری صحابہ سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد یعنی ''اذا جاء نصر الله والفتح '' یعنی جب اللہ تعالیٰ کی مدد آ پہنچی کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ اشارہ بہت سے شہروں اور ملکوں کے فتح ہونے کی طرف ہے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ابن عباس رضی اللہ عنہ تمہارا کیا خیال ہے؟ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس میں آپ کی وفات کی خبر یا ایک مثال ہے گویا آپ کی موت کی خبر آپ کو دی گئی ہے۔ (صحیح بخاری:4969)

(7) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مجھے بوڑھے بدری صحابہ کے ساتھ مجلس میں بٹھاتے تھے، عبدالرحمن بن عوف کو اس پر اعتراض ہوا انہوں نے سیدنا عمر سے کہا کہ اسے آپ مجلس میں ہمارے ساتھ بٹھاتے ہیں، اس کے جیسے تو ہمارے بچے ہیں؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کی وجہ تمہیں معلوم ہے، پھر انہوں نے ایک دن ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور انہیں بوڑھے بدری صحابہ کے ساتھ بٹھایا (ابن عباس نے کہا کہ) کہ میں سمجھ گیا کہ آپ نے آج مجھے انہیں دکھانے کے لئے بلایا ہے، پھر ان سے پوچھا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے، اذا جاء نصر الله والفتح۔۔۔ الخ، یعنی جب اللہ تعالیٰ کی مدد آ پہنچی، بعض لوگوں نے کہا کہ جب ہمیں فتح اور مدد حاصل ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس سے استغفار کا آیت کا حکم ہمیں دیا گیا ہے۔ کچھ لوگ خاموش رہے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر آپ نے مجھ سے پوچھا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کیا تمہارا بھی یہی خیال ہے میں نے عرض کیا نہیں، پھر پوچھا پھر تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کی طرف اشارہ ہے، اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو یہی چیز بتائی ہے اور فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آ پہنچی، پھر یہ آپ کی وفات کی علامت ہے۔ اس لئے آپ اپنے پروردگار کی پاکی و تعریف بیان کیجئے اور اس سے بخشش مانگا کیجئے، بیشک وہ بڑا توبہ قبل کرنے والا ہے سیدنا عمر نے اس پر کہا میں بھی وہی جانتا ہوں جو تم نے کہا۔ (صحیح بخاری:4970)

سوال 2: اس سورت میں کس چیز کی جانب اشارہ ہے؟

جواب: اس سورت میں دو اشارے ہیں۔ اول: اسلام دائمی فتح ونصرت سے بہرہ مند رہے گا، اس کے رسول کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے ساتھ تسبیح واستغفار پر اس نصرت میں اضافہ ہوگا، کیونکہ تسبیح واستغفار، شکر ہی شمار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ ''اگر تم شکر کروگے تو میں تمہیں اور زیادہ عطا کروں گا۔'' (ابراہیم:7) اور یہ چیز خلفائے راشدین کے زمانے میں اور ان کے بعد بھی امت کو حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمیشہ ہم رکاب رہی، یہاں تک کہ اسلام اس مقام پر پہنچ گیا جہاں تمام ادیان میں سے کوئی نہیں پہنچ سکا حتی کہ امت سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی مخالفت میں افعال صادر ہونے لگے۔ پس اللہ تعالیٰ نے تفرق کلمہ

اور تشتت امر کے ذریعے سے انھیں آزمایا۔ پس پھر جو ہونا تھا ہوا۔ بایں ہمہ اس امت پر اور اس دین پر اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور اس کا لطف وکرم ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور نہ خیال کی وہاں تک رسائی ہی ہے۔ دوم: رہا دوسرا اشارہ تو یہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کی اجل قریب آگئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی عمر مبارک، فضیلت والی عمر ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے اور اس نے مقرر فرما دیا ہے کہ فضیلت والے امور کا اختتام، استغفار کے ساتھ ہو، مثلاً: نماز اور حج وغیرہ۔ پس اللہ تعالیٰ کا اس حال میں آپ کو حمد واستغفار کا حکم دینا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کی وفات کا وقت قریب آگیا ہے۔ اب آپ کو اپنے رب کی ملاقات کے لیے مستعد اور تیار رہنا چاہیے اور آپ کو اپنی عمر کا اختتام اس افضل ترین چیز پر کرنا چاہیے جو آپ موجود پاتے ہیں۔ ﴿صَلَوٰاتُ اللهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ﴾ چنانچہ آپ قرآن کی (اس آیت کی) تاویل کرتے ہوئے، اپنی نماز کے اندر رکوع وسجود میں نہایت کثرت سے یہ پڑھا کرتے تھے۔ ﴿سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِى﴾ "اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم تیری حمد وثنا کے ساتھ تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں، اے اللہ! مجھے بخش دے۔" (صحیح بخاری:794) (تفسیر سعدی:2982،2981/3)

سوال3: مکہ فتح ہونے پر لوگوں نے فوج در فوج اسلام قبول کرنا کیوں شروع کر دیا؟

جواب: (1) مکہ فتح ہونے پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔

(2) مکہ فتح ہونے پر لوگوں کو یقین آگیا کہ دینِ اسلام سچا دین ہے جس کے بغیر آخرت کی کامیابی ممکن نہیں۔

سوال4: رسول اللہ ﷺ کو حمد، تسبیح اور استغفار کا حکم کیوں دیا گیا؟

جواب: رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم اس لئے دیا گیا کہ رسالت کا فریضہ ادا ہو چکا، فرض پورا ہو گیا۔ اب دنیا سے روانگی کا وقت ہے۔ اس لئے حمد، تسبیح اور اِستغفار کا اہتمام کرو۔

سوال5: رسول اللہ ﷺ کو دیئے جانے والے حکم سے کیا پتہ چلتا ہے؟

جواب: اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ زندگی کے آخری ایام میں حمد، تسبیح اور اِستغفار کا اہتمام کرنا چاہئے۔

سوال6: اللہ تعالیٰ نے اپنے تَوَّاب ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے اِستغفار کا حکم دے کر اپنے تَوَّاب ہونے کا شعور دلایا ہے۔ اگر وہ تَوَّاب نہ ہوتا تو توبہ کا حکم نہ دیتا۔ (2) وہ تَوَّاب ہے اس لئے توبہ کرو۔ انسان اسی اعتبار کے سہارے توبہ کرتا ہے کہ میری توبہ قبول ہو جائے گی۔

رکوعھا ۱　۱۱۱ سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ ٦　ایاتھا ٥

سوال1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ سورت مکی ہے اس کا ایک رکوع اور پانچ آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے یہ 111ویں سورت ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے یہ چھٹی سورت ہے۔

سوال 3: اس سورت کا شانِ نزول کیا ہے؟

جواب: (1) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿وانذر عشیرتك الاقربين﴾ ''اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے'' تو رسول اللہ ﷺ صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور پکارا: یا صباحاہ! قریش نے کہا: یہ کون ہے؟ پھر وہاں سب آ کر جمع ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے اگر میں تمہیں بتاؤں کہ ایک لشکر اس پہاڑ کے پیچھے سے آنے والا ہے تو کیا تم مجھ کو سچا نہیں سمجھو گے؟ انہوں نے کہا: ہمیں آپ سے جھوٹ کا تجربہ کبھی نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر میں تمہیں اس سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمہارے سامنے آ رہا ہے۔ یہ سن کر ابولہب بولا: تو تباہ ہو! کیا تو نے ہمیں اسی لیے جمع کیا تھا؟ پھر آپ ﷺ وہاں سے چلے آئے اور آپ ﷺ پر یہ سورت نازل ہوئی: تبت یدا ابی لھب و تب (صحیح بخاری: 4971)

(2) سیدنا ابن عباس نے بیان کیا کہ ابولہب نے کہا کہ تو تباہ ہو گیا تو نے ہمیں اسی لئے جمع کیا تھا اس پر یہ آیت تب یدا ابی لھب نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری: 4973)

رکوع نمبر 36

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾

''ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو جائیں اور وہ ہلاک ہو گیا'' (1)

سوال 1: ﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾ ''ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو جائیں اور وہ ہلاک ہو گیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾ ''ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو جائیں اور وہ ہلاک ہو گیا'' ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ گئے کہ ابولہب ہلاک اور برباد ہوا۔ اُس کا مشن ناکام ہو گیا۔ (2) یعنی وہ بدبختی کو پہنچا اور اس نے زندگی سے کوئی نفع نہیں اٹھایا۔

(3) ابولہب کا اصل نام عبدالعزّیٰ تھا۔ اُس کے حسن و جمال کی وجہ سے اور چہرے کی سُرخی کی وجہ سے اسے ابولہب کہا جاتا تھا یعنی

شعلہ فروزاں۔(4)ابولہب اپنے کفراور بدبختی کی وجہ سے نبی ﷺ کا شدید دشمن تھا۔

(5)ابولہب، نبی اکرم ﷺ کا چچا تھا،آپ سے شدید عداوت رکھتا تھااور آپ کو سخت اذیت پہنچاتا تھا، اس میں کوئی دین کی رمق تھی نہ قرابت کی حمیت۔اللہ تعالیٰ اس کا برا کرے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس ذم عظیم کے ذریعے سے اس کی مذمت بیان فرمائی جو قیامت کے دن تک اس کے لیے رسوائی ہے۔چنانچہ فرمایا:﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ﴾ یعنی اس کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو گئے اور وہ بدبختی میں پڑ گیا۔ ﴿وَّتَبَّ﴾ اس نے نفع حاصل نہ کیا۔(تفسیر سعدی:2982/3)

(6)جنگِ بدر کے چند دن کے بعد عدسہ کی بیماری میں مبتلا ہوا۔اسی میں اس کی موت واقع ہوگئی۔اس کی لاش تین دن یوں ہی پڑی رہی حتیٰ کہ وہ سڑنے لگی۔حتیٰ کہ اس کی اولاد نے بیماری اور عار کے خوف سے دور سے مٹی پھینک کر اسے دفن کر دیا۔یہ سورت مکی ہے۔کہتے ہیں کہ غزوہ بدر سے سات روز بعد اس کے زہریلی قسم کا ایک دانہ نکلا۔اور مرض لگ جانے کے خوف سے سب گھر والوں نے الگ ڈال دیا، وہیں مرگیا اور تین روز تک لاش یوں ہی پڑی رہی۔کسی نے نہ اٹھائی جب سڑنے لگی، اس وقت حبشی مزدوروں سے اٹھوا کر دبوائی۔انہوں نے ایک گڑھا کھود کر اس کو ایک لکڑی سے اندر ڈھلکا دیا اوپر سے پتھر بھر دیئے۔یہ تو دنیا کی رسوائی اور بربادی تھی۔(تفسیر عثمانی:938/2)

سوال2:قرآن حکیم نے ابولہب ہی کا نام کیوں لیا؟

جواب:عرب میں کوئی باقاعدہ حکومت تو تھی نہیں، جہاں فریاد کی جاسکے۔لے دے کر ایک قبائلی حمیت ہی وہ چیز تھی جو ایسے اوقات میں کام آتی تھی۔مظلوم شخص فوراً اپنے قبیلے کو دادرسی کے لیے پکارتا اور پورا قبیلہ اس کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہوتا۔اس لیے ان کو اضطراراً بھی صلہ رحمی کا لحاظ رکھنا پڑتا تھا۔ابولہب ہی وہ واحد بدبخت شخص ہے جس نے اس دور کے واجب الاحترام قانون کو توڑ کر اپنے قبیلہ کے علی الرغم ڈٹ کر آپ کی مخالفت کی۔علاوہ ازیں جب بنوہاشم اور بنومطلب کو معاشرتی بائیکاٹ کی وجہ سے شعیب ابی طالب میں محصور ہونا پڑا تھا تو اس وقت بھی ابولہب نے اپنے قبیلے کا ساتھ نہیں دیا تھا۔(تیسیر القرآن:706,707/4)

﴿مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ﴾

''اُس کا مال اور جو کچھ اُس نے کمایا اُس کے کسی کام نہ آیا''(2)

سوال1:﴿مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ﴾''اُس کا مال اور جو کچھ اُس نے کمایا اُس کے کسی کام نہ آیا''اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ﴾''اُس کا مال اور جو کچھ اُس نے کمایا اُس کے کسی کام نہ آیا''یعنی مال اس اعتبار سے اس کے کام نہ آیا کہ اسے مال نے سرکش بنا دیا دوسرے مال اسے اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکا۔جب اس پر اللہ تعالیٰ کی پکڑ ہوئی

تو مال، اولاد، جاہ ومنصب کچھ بھی اس کے کام نہ آیا۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا ان کے مال اور ان کی اولادیں اللہ تعالیٰ (کی پکڑ) سے ہرگز کچھ بھی ان کے کام نہ آئیں گے اور وہی لوگ آگ کا ایندھن ہیں'' (آل عمران:10) ﴿وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ڏ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ (۲۵) وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ (۲۶) يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ (۲۷) مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ (۲۸) هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ (۲۹)﴾ ''لیکن جس کو اُس کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا: ''اے کاش! میرا نامۂ اعمال مجھے نہ دیا جاتا! اور میں نہ جان پاتا کہ میرا حساب کیا ہے؟ اے کاش! وہی موت فیصلہ کن ہوتی! میرا مال میرے کام نہ آیا۔ میری حکومت مجھ سے برباد ہوگئی۔'' (الحاقۃ:25,29) کمائی سے مراد اولاد ہے یعنی قیامت کے دن مال اور اولاد کام نہیں آئے گا۔

﴿سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ﴾

''وہ جلد ہی شعلے والی آگ میں داخل ہوگا'' (3)

سوال 1: ﴿سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ﴾ ''وہ جلد ہی شعلے والی آگ میں داخل ہوگا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ﴾ ''وہ جلد ہی شعلے والی آگ میں داخل ہوگا'' آگ اسے ہر طرف سے گھیر لے گی۔

(2) یعنی مرنے کے بعد سخت شعلہ زن آگ میں پہنچنے والا ہے۔ شاید اسی مناسبت سے قرآن نے اس کی کنیت ''ابولہب'' قائم رکھی۔ دنیا تو اس کو 'ابولہب' اس لئے کہتی تھی کہ اس کے رخسار آگ کے شعلے کی طرح چمکتے تھے۔ مگر قرآن نے بتلا دیا کہ وہ اپنے آخری انجام کے اعتبار سے بھی ''ابولہب'' کہلانے کا مستحق ہے۔ (تفسیر عثمانی:938/2)

﴿وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾

''اُس کی بیوی بھی جو لکڑیاں ڈھونے والی ہے'' (4)

سوال 1: ﴿وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ ''اور اُس کی بیوی بھی جو لکڑیاں ڈھونے والی ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّامْرَاَتُهٗ﴾ ''اور اُس کی بیوی'' یعنی امّ جمیل العورا۔

(2) ﴿حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ ''لکڑیاں ڈھونے والی ہے'' یعنی عنقریب وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیوں کا گٹھا اٹھانے والی ہے۔ مجاہد نے کہا: ﴿حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ چغل خور ﴿فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ﴾ کہتے ہیں، مسد سے مراد گوگل کے درخت کی چھال ہے بعضوں نے کہا دوزخ کی رسی مراد ہے۔ (صحیح بخاری) ابولہب کی بیوی رسول اللہ ﷺ کو بہت اذیت پہنچاتی تھی۔ وہ دونوں

گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے سے تعاون کرتے تھے۔وہ رسول اللہ کے راستے میں کانٹے بچھایا کرتی تھی۔آپ ﷺ کو غربت کا طعنہ دیتی تھی اور لکڑیاں لاد کرلایا کرتی تھی اس لئے اسے لکڑیاں چننا یاد دلایا گیا۔

سوال 2: ابولہب کی بیوی لکڑیاں کس مقصد کے لئے ڈھو کرلایا کرتی تھی؟

جواب: (1) ابولہب کی بیوی کانٹے دار جھاڑیاں ڈھو کرلاتی تھی اور نبی ﷺ کے راستے میں بچھادیتی تھی۔

(2) کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ عربی میں چغل خوری کے لئے محاورہ ہے اور یہاں اُس کی اس عادت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ نبی ﷺ کی غیبت کرتی تھی اور آپ ﷺ کی دشمنی پر اُکساتی تھی۔

سوال 3: ابولہب کی بیوی کا کیا انجام ہے؟

جواب: ابولہب کی بیوی بھی آگ میں جائے گی۔ جیسے دنیا میں اپنے شوہر کے کفر اور بغض میں مددگار تھی، ایسے ہی آخرت کے عذاب میں بھی اس کے ساتھ شریک ہوگی۔

﴿فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ﴾

''اُس کی گردن میں مضبوط بٹی ہوئی رسی ہوگی'' (5)

سوال 1: ﴿فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ﴾ ''اُس کی گردن میں مضبوط بٹی ہوئی رسی ہوگی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ﴾ ''اُس کی گردن میں مضبوط بٹی ہوئی رسی ہوگی'' مسد کے معنی کھجور کی رسی کے ہیں۔ سیدنا عروہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جہنم کی زنجیر ہے جس کی ایک کڑی ستر ستر گز کی ہے، ثوری فرماتے ہیں یہ جہنم کا طوق ہے جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہے۔ جوہری فرماتے ہیں یہ اونٹ کی کھال اور اونٹ کے بالوں کی بنائی جاتی ہے، مجاہد فرماتے ہیں یعنی لوہے کا طوق۔ (ابن کثیر: 608)

(2) اس کے گلے میں کھجور کے پتوں کے ریشوں سے بٹی ہوئی رسی بندھی ہوئی ہوگی۔ دونوں معنوں کے مطابق اس سورہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک بہت بڑی نشانی ہے، کیونکہ یہ سورہ کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب ابولہب اور اس کی بیوی بھی ہلاک نہیں ہوئے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے خبر دی کہ عنقریب انھیں جہنم میں عذاب دیا جائے گا۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ یہ دونوں ایمان نہیں لائیں گے۔ پس یہ اسی طرح واقع ہوا جس طرح عالم الغیب والشہادۃ نے خبر دی تھی۔ (تفسیر سعدی: 2983/3)

(3) یعنی بہت مضبوط بٹی ہوئی چبھنے والی۔ اس سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک دوزخ کے طوق و سلاسل ہیں اور یہ تشبیہ ''حمالۃ الحطب'' کی مناسبت سے دی گئی ہے۔ کیونکہ لکڑیوں کا بوجھ اٹھانے میں رسی کی ضرورت پڑتی ہے۔ لکھتے ہیں کہ اس عورت کے گلے میں ایک ہار بہت قیمتی تھا۔ کہا کرتی تھی کہ لات وعزیٰ کی قسم۔ اس کو محمد ﷺ کی عداوت پر خرچ کرڈالوں گی۔ ضرور تھا کہ دوزخ میں بھی اس گردن ہار سے

خالی نہ رہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ اس بد بخت کی موت بھی اسی طرح واقع ہوئی لکڑیوں کے گٹھے کی رسی گلے میں آپڑی جس سے گلا گھٹ کر دم نکل گیا۔ (تفسیر عثمانی:2/938)

اٰیاتھا ۴ ﴿۱۱۲ سُوْرَۃُ الْاِخْلَاصِ مَکِّیَّۃٌ ۲۲﴾ رکوعھا ۱

سوال 1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ مکی سورت ہے۔ اس کا ایک رکوع اور 4 آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 112 ہے۔ اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے یہ 22 ویں سورت ہے۔

سوال 3: اس سورت کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: (1) سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ نے ایک شخص کو لشکر کا سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ وہ اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتا تو اپنی قراءت ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پر ختم کرتا تھا۔ جب لشکر کے لوگ لوٹ کر (مدینہ میں) آئے تو انھوں نے نبی ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: ''اس سے پوچھو وہ ایسا کیوں کرتا ہے؟'' لوگوں نے پوچھا تو اس نے کہا کہ یہ سورت رحمن کی صفت ہے، لہٰذا میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اسے پڑھوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس سے کہہ دو کہ اللہ بھی اس سے محبت رکھتا ہے۔ (بخاری:7375)

(2) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کسی کو ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ (سورۂ اخلاص) بار بار پڑھتے ہوئے سنا، پس وہ صبح کو رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور یہ بیان کیا، گویا کہ وہ شخص ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ کو (بوجہ قلتِ الفاظ کے ثواب میں) قلیل جانتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! بے شک یہ سورۃ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ تہائی قرآن کے برابر ہے۔'' (بخاری:5013)

(3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم لوگ جاؤ، تاکہ میں تمہارے سامنے تہائی قرآن مجید پڑھوں۔'' تو جن کو جمع ہونا تھا ہو گئے، پھر نبی ﷺ باہر تشریف لائے اور آپ نے ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ کی تلاوت کی اور پھر اندر چلے گئے۔ ہم ایک دوسرے سے کہنے لگے، شاید آسمان سے کوئی خبر آئی ہے، جس کی وجہ سے آپ اندر گئے ہیں، لیکن (کچھ دیر بعد) آپ ﷺ باہر آئے اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تم سے کہا تھا کہ تمہارے سامنے تہائی قرآن پڑھوں گا، تو خبردار ہو جاؤ، یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے۔'' (مسلم:1888)

(4) ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی ﷺ ہر رات کو، جب (سونے کے لیے) اپنے بستر پر جاتے تو اپنی دونوں ہتھیلیاں ملا کر ان پر ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھ کر (پھونک مارتے) دم کرتے تھے پھر انھیں اپنے تمام بدن پر جہاں تک ہوسکتا پھیرتے تھے۔ پہلے اپنے سر مبارک اور چہرۂ مبارک پر پھیرتے اور بعد ازاں اپنے تمام اگلے تمام جسم پر پھرتے اور آپ ﷺ تین مرتبہ ایسا ہی کرتے۔ (بخاری:5017)

رکوع نمبر 37

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾

''آپ کہہ دیجیے وہ اللہ ایک ہی ہے''

سوال 1: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ ''آپ کہہ دیجیے وہ اللہ ایک ہی ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ﴾ ''آپ کہہ دیجیے'' یعنی اے ہمارے نبی ﷺ جو تیرے رب کے بارے پوچھے تو آپ کہہ دو۔

(2) ﴿هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ ''وہ اللہ ایک ہی ہے'' اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، اختیارات اور افعال میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ یعنی وحدانیت اس کی ذات میں منحصر ہے۔ وہ ہر قسم کے کمال میں احد اور منفرد ہے جو اسمائے حسنیٰ صفات کاملہ وعالیہ افعال مقدسہ کا مالک ہے جس کی کوئی نظیر ہے نہ مثل۔ (تفسیر سعدی:2983/3)

(3) یعنی عبادت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہے، جو یکتا ہے، بے مثال ہے، بے نظیر ہے، بے وزیر ہے اور بے مشیر ہے، نہ اس کا کوئی ہمسر ہے اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے، احد کا استعمال حق تعالیٰ کی ذات اقدس ہی کے لئے ہوتا ہے کیونکہ وہی انہی تمام صفتوں اور کاموں میں کامل و یکتا ہے۔ (مختصر ابن کثیر:2263/2)

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ ''اگر ان دونوں میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو ان دونوں میں ضرور فساد برپا ہو جاتا سو عرش کا رب اللہ تعالیٰ پاک ہے اُن سے جو وہ بیان کرتے ہیں۔'' (الانبیاء:22)

(5) ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا﴾ ''آپ کہہ دیں اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسا کہ وہ کہتے ہیں تب وہ عرش والے کی طرف ضرور کوئی راستہ تلاش کرتے۔'' (بنی اسرائیل:42)

(6) رب العزت نے توحید کی دلیل دی، فرمایا: ﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے ورنہ ہر معبود ضرور اس کو لے جاتا جو اس نے پیدا کیا اور ان میں سے ایک دوسرے پر ضرور چڑھ دوڑتا، پاک ہے اللہ تعالیٰ اس سے جو وہ بیان کرتے ہیں۔'' (المؤمنون:91)

﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾

''اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے'' (2)

سوال 1: ﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ ''اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ ''اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے'' یعنی تمام حوائج میں وہی مقصود ہے۔ عالم بالا اور عالم سفلی کے رہنے والے سب اس کے انتہائی محتاج ہیں، اسی سے اپنی حاجتوں کا سوال کرتے ہیں، اپنے اہم امور میں اسی کی طرف راغب ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنے اوصاف میں کامل ہے، وہ علیم ہے جو اپنے علم میں کامل ہے، حلیم ہے جو اپنے حلم میں کامل ہے اور رحیم ہے جس کی رحمت ہر چیز پر سایہ کناں ہے۔ اسی طرح وہ اپنے تمام اوصاف میں کامل ہے۔ (تفسیر سعدی:2983/3) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سب اس کے حاجت مند ہیں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ﴾ ''پھر جب تمہیں تکلیف چھوتی ہے تو تم اسی کی طرف گڑگڑاتے ہو۔'' (النحل:53) اہل لغت کہتے ہیں کہ الصمد سید، آقا ہے جس کے سب حاجت مند ہیں۔ (قرطبی:179/10)

(2) ''صمد'' سب سے اونچے سردار، اعلیٰ درجے کے شریف، انتہائی عظمت والے، بے حد سنجیدہ ذات، بے انتہا وسیع عالم اور کامل صاحب حکمت کو کہتے ہیں یعنی جو شرافت وسیادت اور ریاست وامارت کے تمام گوشوں میں کامل و یکتا ہو۔ یہ شان اللہ رب العالمین کی ہے اور اسی میں یہ کمالات پائے جاتے ہیں لہٰذا وہی ہر عیب و کمی سے پاک ہے اور وہی بے پناہ قہر وجلال والا ہے۔ (مختصر ابن کثیر:2263/2)

﴿لَمْ يَلِدْ ڏ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾

''نہ اُس نے کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا'' (3)

سوال 1: ﴿لَمْ يَلِدْ ڏ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ ''نہ اُس نے کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَمْ يَلِدْ ڏ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ ''نہ اُس نے کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا'' یعنی تولد و تناسل اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں۔ نہ اس نے کسی کو جنم دیا نہ اسے کسی نے جنم دیا۔ نہ اس کے بیوی بچے ہیں اور نہ ماں باپ رب العزت نے فرمایا: ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾ ''یہ اللہ تعالیٰ ہے جو تمہارا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ

ہر چیز کا خالق ہے، چنانچہ تم اسی ایک کی عبادت کرو، اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔'' (الانعام:102)

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا (۸۸) لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا (۸۹) تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا (۹۰) أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا (۹۱) وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا (۹۲) إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (۹۳) لَقَدْ أَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا (۹۴) وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا (۹۵)﴾ ''اور اُنہوں نے کہا کہ رحمن نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔ بلاشبہ تم یقیناً بڑی بھاری بات کو آئے ہو۔ قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں۔ کہ انہوں نے رحمن کے لیے کسی اولاد کا دعویٰ کیا ہے۔ حالانکہ رحمن کے لائق نہیں کہ وہ کسی کو اولاد بنائے۔ آسمان اور زمین میں جو کوئی بھی ہے، رحمن کے پاس غلام بن کر ہی آنے والا ہے۔ بلاشبہ یقیناً اُس نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے اور اُس نے ان سب کو خوب اچھی طرح شمار کر کے گن رکھا ہے۔ اور اُن میں سے ہر ایک قیامت کے دن اس کے پاس اکیلا آنے والا ہے۔'' (مریم:88،95)

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۚ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ﴾ ''اور انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان رشتہ بنا دیا ہے اور بلاشبہ یقیناً جنوں کو معلوم ہے کہ یقیناً وہ ضرور حاضر کیے جانے والے ہیں۔'' (الصافات:158)

(4) ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ ۚ بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُونَ﴾ ''اور اُنہوں نے کہا رحمن نے کوئی اولاد بنا رکھی ہے، وہ اس سے پاک ہے بلکہ وہ فرشتے معزز بندے ہیں۔'' (الانبیاء:26)

(5) اس میں ان لوگوں کا رد ہوا جو سیدنا مسیح کو یا سیدنا عزیر کو خدا کا بیٹا اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ نیز جو لوگ مسیح کو یا کسی بشر کو خدا مانتے ہیں ان کی تردید ''لم یولد'' میں کر دی گئی۔ (تفسیر عثمانی:939/2)

(6) سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تکلیف دہ بات سن کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر کرنے والا کوئی نہیں ہے، مشرک کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے اور پھر بھی وہ انہیں معاف کرتا ہے اور انہیں روزی دیتا ہے۔'' (بخاری:7378)

(7) سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ قَبْلَهُ﴾ ''اللہ تعالیٰ تھا اور اس سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی۔'' (بخاری:7418)

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا اَحَدٌ﴾

''اور نہ کبھی کوئی ایک اُس کے برابر کا ہے'' (4)

سوال 1: ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ ''اور نہ کبھی کوئی ایک اُس کے برابر کا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾''اور نہ کبھی کوئی ایک اُس کے برابر کا ہے''اس کے اسماء میں نہ اس کی صفات میں اور نہ اس کے افعال میں کوئی اس کا ہم سر ہے۔اس کی ذات بابرکت اور بہت بلند ہے۔یہ سورہ کریمہ توحید اسماء وصفات پر مشتمل ہے۔(تفسیر سعدی:2983/3)

(2)رب العزت نے فرمایا:﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾''اُس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔''(الشوریٰ:11) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے ابن آدم نے جھٹلایا حالانکہ اس کے لئے یہ مناسب نہیں تھا۔ مجھے اس نے گالی دی۔ حالانکہ اس کے لئے یہ بھی مناسب نہیں تھا۔ مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ کہتا ہے کہ میں اس کو دوبارہ نہیں پیدا کروں گا حالانکہ میرے لئے دوبارہ پیدا کرنا اس کے پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ مشکل نہیں۔ اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا بیٹا بنایا ہے۔ حالانکہ میں ایک ہوں، بے نیاز ہوں نہ میرے کوئی اولاد ہے اور نہ میں کسی کی اولاد ہوں اور نہ کوئی میرے برابر کا ہے۔(بخاری:4974)

آیاتھا ۵ | ۱۱۳ سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ ۲۰ | رکوعھا ۱

سوال1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ مکی سورت ہے۔اس کا ایک رکوع اور تین آیات ہیں۔

سوال2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 113 ہے۔اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے یہ 20 ویں سورت ہے۔

سوال3:اس سورت کی کیا فضیلت ہے؟

جواب:(1) نبی ﷺ نے فرمایا: سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''کیا تم نے وہ آیات نہیں دیکھیں جو آج رات نازل کی گئی ہیں؟ جن کی مثل کبھی دیکھی ہی نہیں گئی، وہ﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ ہیں۔(مسلم:1891)

(2) سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے چلا جا رہا تھا، آپ اس وقت (کسی سواری پر) سوار تھے۔ میں نے اپنا ہاتھ آپ کے قدم پر رکھا اور میں نے کہا، اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے سورہ ہود اور سورہ یوسف پڑھا دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:''تم ہرگز کوئی ایسی چیز نہیں پڑھو گے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ سے زیادہ (اللہ کے قریب) پہنچانے والی ہو۔(نسائی:954)

(3) زر بن حبیش نے بیان کیا، انہوں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے معوذتین کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بیان کیا کہ یہ مسئلہ میں نے بھی

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جبریل کی زبانی کہا گیا ہے کہ یوں کہہ کہ قُلۡ أَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ۔ الخ
میں نے اسی طرح کہا چنانچہ ہم بھی وہی کہتے ہیں جو رسول کریم ﷺ نے کہا۔ (صحیح بخاری:4976)

(4) سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں جناب نبی کریم ﷺ کے ہمراہ (مقام) جحفہ، ابواء (ایک جگہ کا نام) میں چل رہا تھا اچانک چاروں طرف اندھیرا چھا گیا اور آندھی چلنے لگی۔ رسول کریم ﷺ (سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) کی قرأت فرمانے لگے اور فرمانے لگے اے عقبہ! ان دو سورتوں کے ساتھ پناہ مانگا کرو۔ کسی پناہ مانگنے والے شخص نے ایسی پناہ نہیں مانگی۔

(5) عقبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو امامت کرتے وقت نماز میں ان سورتوں کو قراءت کرتے ہوئے سنا ہے۔'' (ابوداؤد:1463)

(6) سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے مجھے ہر نماز کے بعد معوذات پڑھنے کا حکم دیا۔ (سنن نسائی:1337)

رکوع نمبر 38

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

﴿قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ﴾

''آپ کہہ دیجیے کہ میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں'' (1)

سوال 1: ﴿قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ﴾ ''آپ کہہ دیجیے کہ میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلۡ﴾ ''آپ کہہ دیجیے'' یعنی آپ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنے کے لئے یہ الفاظ کہیے۔

(2) ﴿اَعُوۡذُ﴾ ''پناہ میں آتا ہوں'' یعنی میں اپنا بچاؤ ڈھونڈتا ہوں، میں پناہ تلاش کرتا ہوں۔

(3) ﴿بِرَبِّ الۡفَلَقِ﴾ ''میں صبح کے رب کی'' یعنی اس رب کی جو صبح کو نکالتا ہے جو دانے اور گٹھلی کو پھاڑتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿فَالِقُ الۡاِصۡبَاحِ﴾ ''وہ صبح کو پھاڑ نکالنے والا ہے'' ﴿فٰلِقُ الۡحَبِّ وَالنَّوٰى ۖ يُخۡرِجُ الۡحَيَّ مِنَ الۡمَيِّتِ وَمُخۡرِجُ الۡمَيِّتِ مِنَ الۡحَيِّ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤۡفَكُوۡنَ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور وہی مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے وہی اللہ تعالیٰ ہے، پھر تم کدھر کو بہکائے جاتے ہو؟'' (الانعام:95)

(4) اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ تمام مخلوقات کے شر سے ساری مخلوقات کے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔

(5) (i) صبح جب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ رات کے اندھیرے کو ختم کر کے دن کی روشنی لاتے ہیں۔ اس سے دراصل یہ شعور دینا مطلوب ہے کہ جو ربّ دن کی روشنی لا سکتا ہے، وہ اسی طرح خوف اور دہشت کو دور کر سکتا ہے۔ وہ پناہ مانگنے والے کو امن دے سکتا ہے۔

(ii) جس طرح رات کو انسان صبح کی روشنی کا منتظر ہوتا ہے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے شعور دلایا ہے کہ وہ شخص جس پر مصائب کی رات چھائی ہوئی ہو وہ کامیابی کی صبحِ روشن کا اُمیدوار رہے اور اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے۔

﴿مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ﴾

''اُس کے شر سے جو اُس نے پیدا کی''(2)

سوال1: ﴿مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ ''اُس کے شر سے جو اُس نے پیدا کی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ ''اُس کے شر سے جو اُس نے پیدا کی'' شر جس سے انسان کو نقصان پہنچ سکتا ہو مثلاً دنیا میں شیطان اور آخرت میں جہنم۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق، انسان، جنات اور حیوانات سب کو شامل ہے۔ پس ان تمام مخلوقات کے اندر موجود شر سے، ان کو پیدا کرنے والے کی پناہ مانگی جاتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے عام چیزوں کا ذکر کرنے کے بعد خاص چیزوں کا ذکر کیا (تفسیر سعدی:2984/3)

(2) علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ لفظ شر دو چیزوں کے لئے عام اور شامل ہے۔ ایک آلام و آفات، جن سے براہ راست انسان کو رنج و تکلیف پہنچتی ہے دوسرے وہ چیزیں جو آلام و آفات کے موجبات اور اسباب ہیں۔ اس دوسری قسم میں کفر و شرک اور تمام معاصی بھی لفظ شر کے مفہوم میں داخل ہیں۔ قرآن و حدیث میں جن چیزوں سے پناہ کا ذکر آیا ہے وہ ان دونوں قسموں میں سے کسی ایک میں داخل ہوتی ہیں کہ یا تو وہ خود آفت یا مصیبت ہوتی ہیں یا اس کے لئے سبب موجب ہوتی ہیں۔ نماز کے آخر میں جو دعا استعاذہ مسنون ہے اس میں چار چیزیں مذکور ہیں۔ عذاب قبر، عذاب نار، فتنۃ المحیاء والممات، ان میں پہلی دو چیزیں خود مصیبت و عذاب میں اور آخری دو چیزیں مصیبت و عذاب کے اسباب ہیں۔ (تفسیر معارف القرآن:848/8)

(3) سیدنا فروہ بن نوفل سے روایت ہے کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی دعا کے بارے میں سوال کیا کہ آپ ﷺ کیا دعا مانگتے تھے، تو انہوں نے کہا: آپ ﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِكَ مِنۡ شَرِّ مَا عَمِلۡتُ وَشَرِّ مَالَمۡ اَعۡمَلۡ﴾ ''یا اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس کام کے شر سے جو میں نے کیا اور جو میں نے نہیں کیا'' سے دعا مانگا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم:6896)

(4) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے پناہ مانگنا شرک ہے۔

﴿وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ﴾

''اور تاریکی کے شر سے جب کہ وہ چھا جائے''(3)

سوال1: ﴿وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ﴾ ''اور تاریکی کے شر سے جب کہ وہ چھا جائے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ﴾ ''اور تاریکی کے شر سے جب کہ وہ چھا جائے'' یعنی رات کے اندھیرے سے اللہ تعالیٰ کی

پناہ مانگتا ہوں (i) رات کے اندھیرے میں جرائم ہوتے ہیں۔ (ii) رات کے اندھیرے میں خطرناک درندے نکلتے ہیں۔
(iii) رات کے اندھیرے میں مُوذی جانور بلوں سے نکلتے ہیں۔

﴿وَمِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ﴾

''اور گرہوں میں پھونک مارنے والیوں کے شر سے'' (4)

سوال 1: ﴿وَمِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ﴾ ''اور گرہوں میں پھونک مارنے والیوں کے شر سے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿وَمِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ﴾ ''اور گرہوں میں پھونک مارنے والیوں کے شر سے'' یعنی جادو کرنے والی عورتوں کے شر سے جو اپنے جادو میں گرہوں میں پھونکوں سے کام لیتی ہیں جن کو وہ جادو کے لیے باندھتی ہیں۔ (تفسیر سعدی: 2984/3)
(2) ابوعبید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جادوگرنیوں سے مراد لبید بن اعصم (یہودی کی بیٹیاں ہیں جنہوں نے نبی ﷺ پر جادو کیا تھا'' جادو کے متعلق نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو کوئی گنڈا لگائے اور پھر اس پر پھونکے اس نے جادو کیا اور جس نے جادو کیا اس نے شرک کیا۔'' اور جو کسی چیز سے چمٹا وہ اس کی طرف چھوڑ دیا گیا۔ (فتح القدیر بحوالہ نسائی)
(3) سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ بنوزریق کے ایک شخص یہودی لبید بن اعصم نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کر دیا تھا اور اس کی وجہ سے نبی ﷺ کسی چیز کے متعلق خیال کرتے کہ آپ ﷺ نے وہ کام کر لیا ہے حالانکہ آپ ﷺ نے وہ کام نہ کیا ہوتا۔ ایک دن یا (راوی نے بیان کیا کہ) ایک رات نبی ﷺ میرے یہاں تشریف رکھتے تھے اور مسلسل دُعا کر رہے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! تمہیں معلوم ہے اللہ تعالیٰ سے جو بات میں پوچھ رہا تھا، اس نے اس کا جواب مجھے دے دیا۔ میرے پاس دو (فرشتے سیدنا جبرائیل علیہ السلام وسیدنا میکائیل علیہ السلام) آئے۔ ایک میرے سر کی طرف کھڑا ہو گیا اور دوسرا میرے پاؤں کی طرف۔ ایک نے اپنے دوسرے ساتھی سے پوچھا: ان صاحب کی بیماری کیا ہے؟ دوسرے نے کہا کہ ان پر جادو ہوا ہے۔ اس نے پوچھا کہ کس نے جادو کیا ہے؟ جواب دیا کہ لبید بن اعصم نے۔ پوچھا کس چیز میں؟ جواب دیا کہ کنگھے اور سر کے بال میں جو نر کھجور کے خوشے میں رکھے ہوئے ہیں۔ سوال کیا: اور یہ جادو ہے کہاں؟ جواب دیا کہ زروان کے کنوئیں میں۔'' پھر نبی ﷺ اس کنوئیں پر اپنے چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف لے گئے اور جب واپس آئے تو فرمایا: ''عائشہ رضی اللہ عنہا! اس کا پانی ایسا (سرخ) تھا جیسے مہندی کا نچوڑ ہوتا ہے اور اس کے کھجور کے درختوں کے سر (اوپر کا حصہ) شیطان کے سروں کی طرح تھے۔'' میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے اس جادو کو باہر کیوں نہیں کر دیا؟'' نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے عافیت دے دی اس لیے میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ اب میں اس برائی کو خواہ مخواہ لوگوں میں پھیلاؤں۔'' پھر آپ ﷺ نے اس جادو کا سامان کنگھی، بال، خرما کا غلاف اسی میں دفن کرا دیا۔ ''فی مشط ومشاقة''

مشاطہ اسے کہتے ہیں جو بال کنگھی کرنے میں نکلیں سر یا داڑھی کے اور مشاقہ روئی کے تار یعنی سوت کے تار کو کہتے ہیں۔(بخاری:5763)

(4) سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے محمد ﷺ! آپ ﷺ بیمار ہو گئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں۔ انہوں نے کہا: ﴿بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْعَيْنٍ حَاسِدٍ اَللّٰهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيْكَ﴾ ''اللہ تعالیٰ کے نام سے ہر اس چیز کے شر سے جو آپ ﷺ کو تکلیف دینے والی ہو اور ہر نفس یا حسد کرنے والی آنکھ کے شر سے میں آپ ﷺ کو دم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو شفا دے گا۔ میں اللہ تعالیٰ کے نام سے آپ ﷺ کو دم کرتا ہوں۔''(مسلم:5700)

سوال 2: ﴿اَلنَّفّٰثٰتِ﴾ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿اَلنَّفّٰثٰتِ﴾ مؤنث کا صیغہ ہے۔ گرہوں میں پھونکنے والے نفس مراد ہیں۔ اس سے مراد جادو کا کالا عمل کرنے والے مرد اور عورتیں دونوں مراد ہیں۔

سوال 3: گرہوں میں پھونکیں کیوں ماری جاتی ہیں؟

جواب: گرہوں میں پھونکیں جادو کے لئے ماری جاتی ہیں۔ جادوگر جب پڑھتے ہیں تو پھونک مار کر گرہ لگاتے جاتے ہیں۔

سوال 4: جادو کیسے کیا جاتا ہے؟

جواب: (1) جادو کلام کے ذریعے سے کیا جاتا ہے۔

(2) جس پر جادو کرنا مطلوب ہوتا ہے اس کے بال یا کوئی چیز حاصل کر کے عمل کیا جاتا ہے۔

(3) اگر بالوں پر عمل کیا جائے تو کلام پڑھ کر پھونکیں ماری جاتی ہیں اور گرہیں لگائی جاتی ہیں۔

سوال 5: اللہ تعالیٰ نے جادوگروں کے شر سے بچنے کے لئے کیا حکم دیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے جادوگروں کے شر سے بچنے کے لئے حکم دیا ہے کہ صبح کے ربّ کی پناہ مانگ لو۔

﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ﴾

''اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے''(5)

سوال 1: ﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ﴾ ''اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ﴾ ''اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے'' حسد کا مطلب ہے کہ اگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے کوئی نعمت یا فضیلت یا شرف یا عزت عطا کی ہو تو اس پر کوئی دوسرا ملے اور چاہے یہ نعمت اس سے چھن جائے اور مجھے مل جائے۔ ہاں اگر

کوئی شخص چاہے کہ اسے ملی ہے، مجھے بھی اللہ تعالیٰ ایسی نعمت عطا کردے تو یہ رشک ہے۔

(2) حاسد سے ایسی صورت میں پناہ مانگی گئی ہے جب وہ حسد کرے اور حسد کی وجہ سے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے اگر کوئی نقصان نہیں پہنچا تا تو اس کے لئے اتنی سزا کافی ہے کہ وہ جلتا رہے۔

(3) حاسد جب اپنی قلبی کیفیت کو ضبط نہ کرسکے اور عملی طور پر حسد کا اظہار کرنے لگے، اس کی بدی سے پناہ مانگنا چاہیے۔ اگر ایک شخص کے دل میں بے اختیار حسد پیدا ہو مگر وہ اپنے نفس کو قابو میں رکھ کر محسوس کے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ نہ کرے وہ اس سے خارج ہے۔ نیز یاد رکھنا چاہیے کہ حسد کے معنی یہ ہیں دوسرے سے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کے زوال کا متمنی ہو۔ باقی یہ آرزو کرنا کہ مجھے بھی ایسی نعمت یا اس سے زائد عطا ہو جو فلاں کو عطا ہوئی ہے۔ حسد میں داخل نہیں۔ اس کو "غبطہ" کہتے ہیں بخاری کی حدیث "لاحسد الا فی اثنتین الخ میں لفظ حسد سے یہی غبطہ مراد ہے۔ (تفسیر عثمانی:2/940)

(4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آپس میں ایک دوسرے سے حسد نہ کرو۔ (بخاری:6064)

(5) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ رشک تو بس دو ہی آدمیوں پر ہوسکتا ہے، ایک تو اس پر جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا علم دیا اور وہ اس کے ساتھ رات کی گھڑیوں میں کھڑا ہو کر نماز پڑھتا رہا اور دوسرا آدمی وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور وہ اسے محتاجوں پر رات دن خیرات کرتا رہا۔ (بخاری:5025)

(6) نظر لگانے والا بھی حاسد شمار ہوتا ہے۔ نظر بد صرف شریر اور خبیث شخص اور حاسد سے لگتی ہے۔

سوال 2: نظر بد سے حفاظت کے لئے رسول اللہ ﷺ نے کیا طریقہ سکھایا ہے؟

جواب: (1) (أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَّمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ) میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کے پورے پورے کلمات کے ذریعہ ہر ایک شیطان سے اور ہر زہریلے جانور سے اور ہر نقصان پہنچانے والی نظر بد سے۔ (بخاری:3371)

(2) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صبح و شام قل ھو اللہ احد اور معوذتین (سورہ الفلق اور الناس) کی تین تین مرتبہ تلاوت کرنا تجھے ہر چیز (آفت، نظر بد وغیرہ) سے کافی ہو جائے گی۔ (سنن ابوداؤد:5082) (3) کسی کی اچھی عادات کو دیکھ کر انہیں برکت کی دعا دیں۔

(4) کسی کی خوب صورتی دیکھ کر ماشاء اللہ، لاقوۃ الا باللہ کہیں۔

(5) نظر بد کے علاج کے لیے یہ دم کریں: (بِسْمِ اللهِ أَرْقِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُّؤْذِيكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْعَيْنٍ حَاسِدٍ اَللهُ يَشْفِيكَ بِسْمِ اللهِ أَرْقِيكَ) اللہ تعالیٰ کے نام سے میں تم پر دم کرتا ہوں ہر چیز سے جو تم کو ایذا دے اور ہر نفس اور آنکھ اور حاسد کی برائی سے اللہ تعالیٰ تم کو شفا دے۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے تم پر دم کرتا ہوں۔ (مسلم:2185)

(6) تعویذ نہ پہنیں اور نہ بچوں کو پہنائیں۔ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ شرکیہ دم، تعویذ اور

جادو منتر اور (محبت کا تعویذ) شرک ہے۔ (ابوداؤد:3883)

رکوعہا ۱ ｜ ۱۱۴ سُوْرَۃُ النَّاسِ مَکِّیَّۃٌ ۲۱ ｜ ایاتہا ۶

سوال 1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ مکی سورت ہے۔ اس کا ایک رکوع اور 6 آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 114 ہے۔ اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے یہ 21 ویں سورت ہے۔

سوال 3: اس سورت کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: (1) نبی کریم ﷺ پر (جب آپ ﷺ حدیبیہ سے لوٹے تھے) جادو ہوا تھا۔ سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا تھا کہ نبی کریم ﷺ پر جادو کیا گیا تھا۔ آپ کے ذہن میں یہ بات ہوتی تھی کہ فلاں کام میں کر رہا ہوں حالانکہ آپ اسے نہ کر رہے ہوتے۔ آخر ایک دن آپ نے دعا کی۔ پھر دعا کی کہ اللہ پاک اس جادو کا اثر دفع کر دے اس کے بعد آپ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تمہیں معلوم بھی ہوا مجھے اللہ تعالیٰ نے وہ تدبیر بتادی ہے جس میں میری شفا مقدر ہے۔ میرے پاس دو آدمی آئے، ایک تو میرے سر کی طرف بیٹھ گئے اور دوسرا پاؤں کی طرف۔ پھر ایک نے دوسرے سے کہا، انہیں بیماری کیا ہے؟ دوسرے آدمی نے جواب دیا کہ ان پر جادو ہوا ہے انہوں نے پوچھا، جادو ان پر کس نے کیا؟ جواب دیا کہ لبید بن عاصم یہودی نے، پوچھا کہ وہ جادو (ٹونا) رکھا کس چیز میں ہے؟ کہا کہ کنگھے میں، کتان میں اور کھجور کے خشک خوشے کے غلاف میں۔ پوچھا، اور یہ چیزیں ہیں کہاں؟ کہا بئر ذروان میں۔ پھر نبی کریم ﷺ وہاں تشریف لے گئے اور واپس آئے تو عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا، وہاں کے کھجور کے درخت ایسے ہیں جیسے شیطان کی کھوپڑی۔ میں نے آپ ﷺ سے پوچھا، وہ ٹونا آپ نے نکلوایا بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں مجھے تو اللہ تعالیٰ نے خود شفا دی اور میں نے اسے اس خیال سے نہیں نکلوایا کہ کہیں اس کی وجہ سے لوگوں میں کوئی جھگڑا کھڑا کر دوں۔ اس کے بعد وہ کنواں بند کر دیا گیا۔ (بخاری:3268)

(2) رسول اللہ ﷺ ہر رات جب اپنے بستر پر آتے تو اپنی دونوں ہتھیلیاں اکٹھی کرتے، پھر ان دونوں پر یہ سورتیں: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھ کر پھونک مارتے پھر ان دونوں ہتھیلیوں کو اپنے جسم پر جہاں تک وہ پہنچتیں پھیرتے، اور شروع کرتے اپنے سر، چہرے اور بدن کے اگلے حصے سے، اور ایسا آپ تین بار کرتے۔ (ترمذی:3402)

(3) سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں گھاٹیوں میں سے ایک گھاٹی میں رسول اللہ ﷺ کی سواری کا جانور کھینچ رہا تھا۔ اتنے میں آپ ﷺ نے فرمایا: اے عقبہ سوار نہیں ہوتا؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کی بزرگی کا خیال کیا اور کہا: میں کیونکر آپ کی سواری پر چڑھ

سکتا ہوں؟ تھوڑی دیر بعد پھر آپ ﷺ نے فرمایا: سوار نہیں ہوتا اے عقبہ؟ میں ڈرا کہیں نافرمانی میں گناہ نہ ہو یعنی آپ دو بار فرما چکے سوار ہونے کے لئے اب اگر سوار نہ ہوں تو بھی مشکل ہے کہ کہیں گناہ گار نہ ہوں۔ پھر رسول اللہ ﷺ اترے اور میں تھوڑی دیر کے لئے سوار ہوا۔ پھر میں اترا اور رسول اللہ ﷺ سوار ہوئے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں دو بہترین سورتیں نہ بتاؤں جن کو لوگوں نے پڑھا ہے؟ پھر آپ ﷺ نے مجھے ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھائیں۔ اتنے میں نماز کی تکبیر ہوئی آپ آگے بڑھے اور یہ دو سورتیں پڑھیں۔ پھر آپ میرے پاس سے گزرے اور فرمایا: عقبہ! یہ کیسی لگیں؟ ان دو سورتوں کو سوتے وقت اور اٹھتے وقت پڑھو۔ (سنن نسائی:5439)

(4) ابو حابس جہنی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابو حابس! کیا میں تمہیں سب سے بہترین تعویذ نہ بتاؤں جس کے ذریعے سے پناہ طلب کرنے والے پناہ مانگتے ہیں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں ضرور بتلایئے۔ آپ ﷺ نے دونوں سورتوں کا ذکر کیا۔ فرمایا: دونوں معوذتان ہیں۔ (صحیح نسائی، الالبانی:5020)

(5) نبی ﷺ انسانوں اور جنوں سے پناہ مانگتے تھے۔ جب یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں تو آپ ﷺ نے ان کے پڑھنے کو معمول بنالیا اور باقی چیزیں چھوڑ دیں۔ (صحیح ترمذی، الالبانی:2150)

رکوع نمبر 39

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾

”آپ کہہ دیجیے کہ میں انسانوں کے رب کی پناہ میں آتا ہوں“ (1)

سوال 1: ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ ”آپ کہہ دیجیے کہ میں انسانوں کے رب کی پناہ میں آتا ہوں“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ﴾ ”آپ کہہ دیجیے کہ“ اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرنے کے لئے آپ کہہ دیں۔

(2) ﴿اَعُوْذُ﴾ ”میں پناہ میں آتا ہوں“ میں اپنا بچاؤ تلاش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔

(3) ﴿بِرَبِّ النَّاسِ﴾ ”انسانوں کے رب کی“ رب کا مطلب پروردگار، نگہبان، حامی اور مربی ہے۔ جو لوگوں کا رب ہے، میری ہر چیز کا رب ہے وہی پرورش کرنے والا ہے اسے خوب معلوم ہے کہ فلاں شخص سے فلاں کو کیا تکلیف پہنچ سکتی ہے۔

(4) اللہ تعالیٰ ہی اکیلا رب ہے، رب العزت نے فرمایا: ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ

مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ ''انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا رب بنالیا ہے اور مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ انہیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ ایک ہی معبود کی عبادت کریں کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں مگر وہی، وہ اس سے پاک ہے جو وہ شریک بناتے ہیں۔'' (التوبہ:31)

(5) اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو رب بنانا کفر ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰۗىِٕكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۭ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (٨٠)﴾ ''اور نہ ہی وہ تمہیں یہ حکم دے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بناؤ، کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے گا، اس کے بعد کہ تم فرماں بردار رہو۔'' (آل عمران:80)

﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾

''انسانوں کے بادشاہ کی'' (2)

سوال 1: ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ ''انسانوں کے بادشاہ کی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ ''انسانوں کے بادشاہ کی'' اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کا بادشاہ ہے یعنی وہ انسانوں پر کامل اقتدار رکھتا ہے۔ وہ ان پر مکمل اختیار رکھتا ہے۔ وہ ظاہری اسباب پر بھی پورا کنٹرول رکھتا ہے۔ اس لئے وہ انسانوں کو پناہ دے سکتا ہے۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ''مَلِك'' کو انسان کے ساتھ متعلق کر کے کیا شعور دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا مالک ہے، بادشاہِ حقیقی ہے۔ انسانوں کا بادشاہ کہہ کر یہ شعور دلایا گیا ہے کہ انسان معزز مخلوق ہے اور پھر بات پناہ لینے کی ہے تو اسی ذات کی پناہ لی جا سکتی ہے جو انسانوں کا بادشاہ ہے، جو حاکم ہے، مقتدر ہے۔ یہ وہ صفات ہیں جن میں شر سے بچانے کا عنصر شامل ہے۔ وہ شر جو دِلوں تک اتر جاتا ہے اور انسان کے بس میں نہیں ہوتا کہ اس سے اپنے آپ کو بچا سکے۔

﴿اِلٰهِ النَّاسِ﴾

''انسانوں کے معبود کی'' (3)

سوال 1: ﴿اِلٰهِ النَّاسِ﴾ ''انسانوں کے معبود کی'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: ''انسانوں کے معبود کی'' ﴿اِلٰه﴾ کے مفہوم میں یہ بات شامل ہے کہ وہ ہر ایک کی فریاد سنتا ہے۔ اور ہر ایک کی دادرسی کرتا ہے۔ وہی ہے جو تمام باطنی اسباب پر بھی اختیار رکھتا ہے۔ وہی پناہ دے سکتا ہے اور دوسروں کے شر سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اس لئے اس سے دوسروں کے شر سے پناہ مانگنی چاہیے۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی طرف رب، مالک اور الٰہ کی نسبت کیوں کی؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے انسان کی طرف الٰہ کی اور دوسری صفات یعنی ربّ اور مالک کی نسبت اس لیے کی ہے کہ انسان احساس کریں کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ اور اس کی حفاظت، بہت عظیم ہے اور بہت قریب ہے۔

سوال 3: الٰہ کون ہوسکتا ہے؟

جواب: الٰہ وہی ہوسکتا ہے جو خالق ہو، مالک ہو۔ جو ربّ ہو۔ جو بادشاہ ہو۔ وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو معبود بنایا جائے، اس کی عبادت کی جائے۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ نے اپنی پناہ لینے کی دعوت کیوں دی ہے؟

جواب: انسان کا دشمن شیطان ایسے خفیہ کام کرتا ہے جن کا انسان کو شعور نہیں ہوتا۔ وہ ایسے راستے سے آتا ہے جہاں سے آنے کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے ربّ العزت نے احساس دلایا ہے کہ تمہاری مدد ربّ العالمین کے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔

﴿مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ﴾

''وسوسہ ڈالنے والے، ہٹ ہٹ کر آنے والے کے شر سے'' (4)

سوال 1: ﴿مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ﴾ ''وسوسہ ڈالنے والے، ہٹ ہٹ کر آنے والے کے شر سے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ﴾ ''وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے'' یعنی شیطان کے شر سے۔

(2) وسوسہ کہتے ہیں غیر محسوس طریقہ پر کسی بری بات کو دل میں ڈال دینے کو۔ وسوسہ کے لفظ میں، خود بار بار کا مفہوم شامل ہے جیسے زلزلہ حرکت کی تکرار کو کہتے ہیں۔ انسان چونکہ ایک دم بہکائے میں نہیں آتا۔ اس لیے شیطان مسلسل کوشش میں لگا رہتا ہے۔ اس لیے ایسی کوشش کرنے والے کو وسواس کہا جائے گا۔ (تفسیر کمالین جلالین: 440/7)

(3) ﴿الْخَنَّاسِ﴾ ''ہٹ ہٹ کر آنے والے'' یعنی جو وسوسہ ڈال کر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

(4) اور شیطان انسان کے دل پر ہاتھ رکھے ہوئے ہے اگر انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو وہ ہاتھ اٹھا لیتا ہے اور اگر غافل ہو تو اس کا دل مٹھی میں لے لیتا ہے یہی وسوسہ ڈلنے والا اور پیچھے ہٹ جانے والا ہے۔ (مسند ابو یعلیٰ)

(5) انسان کا دشمن شیطان ایسے خفیہ کام کرتا ہے جن کا انسان کو شعور نہیں ہوتا، وہ ایسے راستے سے آتا ہے جہاں سے آنے کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے رب العزت نے احساس دلایا ہے کہ تمہاری مدد رب العالمین کے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔

(6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے تو شیطان گوز مارتا ہوا پیٹھ موڑ کر

بھاگ جاتا ہے یہاں تک کہ اذان سنائی نہ دے اور جب اذان ختم ہوجاتی ہے تو پھر واپس آجاتا ہے لیکن جوں ہی تکبیر شروع ہوئی وہ پھر پیٹھ موڑ کر بھاگتا ہے جب تکبیر بھی ختم ہوجاتی ہے تو شیطان دوبارہ آجاتا ہے یہاں تک کہ لوگوں کے دلوں میں خیالات ڈالتا ہے اس کو کہتا ہے کہ فلاں بات یاد کر ان باتوں کی شیطان یاددہانی کراتا ہے جن کا اسے خیال بھی نہ تھا یہاں تک کہ آدمی بھول جاتا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ اس نے کتنی نماز پڑھی۔ (صحیح بخاری:608)

(7) سیدنا علی بن حسین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خبر دی کہ وہ رمضان کے آخری عشرہ میں جب رسول کریم ﷺ اعتکاف میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ سے ملنے مسجد میں آئیں، جب مسجد کے دروازے کے قریب پہنچے، جہاں ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا دروازہ تھا، تو وہاں انصاری صحابی ملے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا اور تیزی سے آگے گزر گئے، آپ نے فرمایا: ''ذرا ٹھہر جاؤ، یہ (میری بیوی) صفیہ بنت حیی ہیں۔'' وہ کہنے لگے سبحان اللہ! یا رسول اللہ! آپ کا یہ فرمان ان پر شاق گزرا۔ آپ نے فرمایا: ''شیطان آدمی کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا رہتا ہے، میں ڈرا کہ کہیں تمہارے دل میں کوئی وسوسہ نہ ڈال دے۔ (بخاری:2035)

(8) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک ابلیس اپنا تخت پانی پر رکھتا ہے، پھر وہ اپنے لشکروں کو بھیجتا ہے۔ پس اس کے نزدیک مرتبے کے اعتبار سے وہی مقرب ہوتا ہے جو فتنہ ڈالنے میں ان سے بڑا ہو۔ ان میں سے ایک آتا ہے اور کہتا ہے: میں نے اس اس طرح کیا تو شیطان کہتا ہے: تو نے کوئی (بڑا کام) سرانجام نہیں دیا، پھر ان میں ایک اور آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے فلاں آدمی کو اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی نہ ڈلوادی۔ شیطان اسے اپنے قریب کر کے کہتا ہے: ہاں! تو ہے (جس نے بڑا کام کیا ہے)۔'' اعمش نے کہا: میرا خیال ہے کہ انہوں نے کہا: ''وہ اسے اپنے سے چمٹا لیتا ہے۔'' (مسلم:7106)

(9) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جنوں میں سے اس کا ایک ساتھی (یعنی ایک شیطان) مقرر کر دیا ہے۔'' لوگوں نے کہا، اے اللہ کے رسول! کیا آپ کے ساتھ بھی؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں! لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلہ میں میری مدد فرمائی ہے۔ سو وہ مطیع ہوگیا ہے، اس لیے وہ مجھے نیکی اور اچھائی ہی کہتا رہتا ہے۔ (مسلم:7108)

(9) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے میری خاطر میری امت کے سینوں میں پیدا ہونے والے وسوسے معاف فرما دیے ہیں۔ جب تک وہ (ان پر) عمل نہ کریں، یا منہ سے نہ نکالیں۔ (بخاری:2528)

(10) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا ہے اور تمہارے دل میں پہلے تو یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ فلاں چیز کس نے پیدا کی؟ فلاں چیز کس نے پیدا کی؟ اور آخر میں بات یہاں تک پہنچاتا ہے کہ خود تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب کسی کو ایسا وسوسہ آئے تو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے اور شیطانی خیال کو چھوڑ دے۔'' (بخاری:3276)

(11) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ ہمیشہ ایک دوسرے سے پوچھتے رہیں گے یہاں تک کہ یہ کہا جائے گا کہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تو اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟ تو جو کوئی اس طرح کا (کوئی وسوسہ اپنے دل میں) پائے تو وہ کہے میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا۔ (مسلم:343)

(12) سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو کوئی عورت اچھی لگے اور اس کا خیال دل میں جاگزیں ہو جائے، تو اسے چاہیے کہ اپنی بیوی کے پاس آئے، اس سے جماع کرے، کیونکہ ایسا کرنے سے اس کے دل کا خیال ختم ہو جائے گا۔ (مسلم:3407)

سوال 2: شیطان سے حفاظت کے لئے کس کی پناہ مانگی جائے؟

جواب: (1) شیطان سے حفاظت کے لئے اس سے پناہ مانگی جائے جس میں تین صفات کمال درجے میں پائی جائیں۔ ربوبیت، ملوکیت، الوہیت۔

(2) پناہ اللہ تعالیٰ سے مانگی جائے کیونکہ وہی ہر چیز کا رب ہے وہی بادشاہ ہے، وہی معبود ہے۔

سوال 3: شیطان کو الخنّاس کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: شیطان اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کی وجہ سے کھسک جاتا ہے۔ اس لیے اسے الخنّاس کہتے ہیں۔

﴿الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ﴾

''جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے'' (5)

سوال 1: ﴿الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ﴾ ''جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ﴾ ''جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے'' شیطان انسانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔

(2) شیطان اس وقت وسوسے ڈالتا ہے جب بندے کا دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالی ہوتا ہے۔ (ایسر التفاسیر:1797)

سوال 2: شیطان انسانوں کے دلوں میں کیسے وسوسہ ڈالتا ہے؟

جواب: شیطان انسانوں کے دلوں میں گھس کر نہایت خفیہ اور غیر محسوس طریقے سے وسوسے ڈالتا ہے۔

﴿مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾

''جنوں اور انسانوں میں سے'' (6)

سوال1: ﴿مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾ ''جنوں اور انسانوں میں سے'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ''جنوں اور انسانوں میں سے'' وسوسہ ڈالنے والے جن اور انسان دونوں ہی ہو سکتے ہیں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ﴾ ''اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کا انسان شیطانوں اور جن شیطانوں کو دشمن بنا دیا ہے جو دھوکہ دینے کے لیے ملمع کی ہوئی باتیں ایک دوسرے کے دل میں ڈالتے ہیں اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کر سکتے۔ چنانچہ آپ انہیں چھوڑ دیں اور جو وہ جھوٹ باندھتے ہیں۔'' (الانعام:112)

(2) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا، اے اللہ کے رسول! ہمارے دل میں کچھ خیالات آتے ہیں اور وہ اشارے کنائے سے کچھ اس طرح کہہ رہا تھا کہ ان خیالات کو زبان پر لانے کے بجائے کوئلہ ہو جانا اسے زیادہ پسند ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ کبر۔ حمد اس اللہ کی جس نے اس (ابلیس) کے مکر کو وسوسے کی طرف لوٹا دیا۔'' (ابوداؤد:5112)

(3) سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ: نماز پڑھ لی؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا۔ اٹھو نماز پڑھو۔ میں نماز پڑھ کر پھر حاضر ہو گیا۔ فرمایا: ﴿یا ابوذر! تعوذ باللہ من شر شیاطین الانس والجن﴾ ''میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا انسانوں میں بھی شیاطین ہوتے ہیں فرمایا ہاں۔'' (کمالین جلالین:7/441،442)

قرآن باعثِ نجات ہے

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی رسی ہے، نورِ مبین اور نفع مند شفا ہے۔ جو شخص اسے تھام لیتا ہے اُس کے لیے یہ بچاؤ کا ذریعہ ہے اور جو اس کا اتباع کرتا ہے اُس کے لیے یہ باعثِ نجات ہے۔

(مستدرک حاکم)

www.alnoorpk.com

Nighat Hashmi | +92 336 4033042 | Nighat Hashmi | Alnoor International